جلد نمبر ۱۰

15

آئینۂ رموزِ خدا مشعلِ حیات
شرحِ بیانِ قصۂ تخلیقِ کائنات
مہرِ علومِ آلِ محمدؐ ہے ضوفشاں
جلوہ نما ہے اس میں ہر اک خشک و تر کی بات

آیاتِ بیّنات کا نکھرا ہوا چمن
طرزِ بیاں میں حسنِ نگارش کا بانکپن
اپنے جلو میں روحِ تقدس لیے ہوئے
گلدستۂ حدیقۂ انوارِ پنج تن

از یثرب و دیارِ نجف دشتِ کربلا
از گنجِ کاظمین و خراسان و سامرا
زیبِ نگار خانۂ تفسیر کے لئے
یک جا کہاں کہاں سے کئے دُرِّ بے بہا

آراستہ کیا ہے محل اعتقاد کا
لکھا ہے آبِ زر سے صحیفہ مفاد کا
قبلہ حسین بخش کو روزِ جزا ضرور
قدرت عطا کرے گی صلہ اس جہاد کا

فہرست

مضمون	صفحہ
سورہ حج کے فضائل	۲
رکوع نمبر ۸ ہول محشر	۷
انسانی تخلیق	۱۰
رکوع نمبر ۹	۱۳
مشرکین کو تنبیہ	۱۷
عذاب جہنم	۱۸
رکوع ۱۰ جنت کا تصور	۱۹
مسجد الحرام کی عظمت	۲۰
رکوع نمبر ۱۱ تطہیر کعبہ	۲۱
اعلانِ حج	۲۲
فوائدِ حج	۲۵
قول زور سے بچنے کا حکم	۲۸
آدم و حوا کی جائے ملاقات	۳۱
رکوع ۱۲	۳۲
قربانی	۳۳
رکوع نمبر ۱۳	۳۵
گذشتہ اقوام سے عبرت	۳۶
رکوع نمبر ۱۴	۳۹
شیطانی سازش	۴۰
نبی و رسول میں فرق	״
رکوع نمبر ۱۵	۴۳
رکوع نمبر ۱۶	۴۴
رکوع ۱۷ دعوت توحید	۴۷
پارہ ۱۸	۵۰
سورہ مومنون کے فضائل	۵۱
بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد	۵۲
لغو سے اعراض کرنا	۵۴
ضروری تنبیہ	۵۵
علامات مومن	۵۶
انسان کی پیدائش	۵۸
حمل کا خون بہا	۵۹
احسن الخالقین	۶۰
طور سیناء	۶۳
رکوع نمبر ۲۔ حضرت نوحؑ کا ذکر	۶۴
نکتۂ لطیفہ	۶۶
رکوع ۳۔ رسالت و بشریت	۶۷
مریم و عیسیٰ دونو معجزہ تھے	۶۹
امری مخلوق	״
موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ	۷۱
ایک جاہل سے گفتگو	۷۴
رکوع نمبر ۴	۷۵
رکوع نمبر ۵۔ ذکر توحید	۸۱
الٰہ کا معنی	۸۴
دلیل تمانع و تنازع	۸۵
رکوع نمبر ۶	״
اخلاق نبویہ	۸۷
برزخ	۸۸
نفخ صور	۸۹
نکات علمیہ	۹۰
سورہ نور کے فضائل	۹۳
نور کی حقیقت	۹۴
قرآن میں نور کا استعمال	۹۶
نور ہدیٰ اور رحمت	۹۷
اول مخلوق	۹۸
اقبال و ادبار کا معنی	۹۹
عقل کی عظمت	۱۰۰
نور و بشر	۱۰۲
نور و عصمت	۱۰۵
فن منطق میں نئے باب کا اضافہ	۱۰۷
مخلوقِ اول کی نوع مفرد	۱۰۹
رکوع ۷۔ شان نزول	۱۱۰
زنا کی شرعی سزا رجم اور اس کے احکام	۱۱۱
نفس خلافت	۱۱۳
قذف کی سزا اور اس کے احکام	۱۱۶
رکوع ۸۔ قصہ افک	۱۲۱
غیبت اور بہتان میں فرق	۱۲۳
رکوع نمبر ۹	۱۲۵
خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے	۱۲۷
رکوع نمبر ۱۰	״
دوسروں کے گھروں میں داخلے کی ممانعت	
پردہ کا حکم	۱۲۹
شادی کرنے کا حکم	۱۳۲
مکاتب مطلق و مشروط	۱۳۵
مفہوم مخالف کی حجیت	۱۳۶
رکوع نمبر ۱۱	۱۳۷
آیت نور	״
تاویل آیت	۱۴۰
دوسری تاویل	۱۴۱
تیسری تاویل	״
چوتھی تاویل	۱۴۲
پانچویں تاویل	

چھٹی تاویل	۱۴۲
بیوت کی تفسیر	۱۴۳
کافر کے اعمال سراب کی مثل ہیں	۱۴۵
لطیفہ، لاشی کا معنی	۱۴۶
رکوع نمبر ۱۱	۱۴۷
عظمت پروردگار	۱۴۸
ایمان کا امتحان	۱۵۰
رکوع نمبر ۱۳	۱۵۱
آمد مہدی کی پیشین گوئی	۱۵۲
آیہ استخلاف	۱۵۳
رکوع نمبر ۱۴	۱۵۴
آداب معاشرہ	″
حدیث مواخات	۱۵۹
رکوع نمبر ۱۵	″
حضرت حنظلہ کی شہادت	۱۶۰
حضورؐ کو بلانے کے آداب	″
سورۂ فرقان	۱۶۲
رکوع نمبر ۱۶	۱۶۳
توحید کا بیان	″
رسول کی بشریت پر کافروں کا اعتراض	۱۶۵
بشریت و رسالت	۱۶۷
شرک کا سبب	۱۶۹
پارہ ۱۹	۱۷۲
رکوع نمبر ۱	۱۷۳
بڑے قرین سے تبرّا	۱۷۴
رکوع ۲	۱۷۶
اصحاب رس کا واقعہ	″
مشرکین مکہ کا شرک	۱۷۸
بارش کا پانی اور اس کے احکام	۱۸۰
رکوع نمبر ۴	۱۸۴
اللہ کے بندوں کی صفتیں	۱۸۶
سورۂ شعراء	۱۸۹
رکوع نمبر ۵	۱۹۰
رکوع نمبر ۶	۱۹۱
حضرت موسیٰ کا ذکر	″
رکوع نمبر ۷	۱۹۵
رکوع نمبر ۸	۱۹۷
رکوع نمبر ۹	۲۰۰
حضرت ابراہیمؑ کا ذکر	″
رکوع نمبر ۱۰	۲۰۳
حضرت نوحؑ کا ذکر	″
رکوع نمبر ۱۱	۲۰۵
حضرت ہودؑ کا ذکر	″
رکوع ۱۲	۲۰۷
حضرت صالحؑ کا ذکر	″
بشریت و رسالت	۲۰۸
رکوع نمبر ۱۳	۲۱۰
حضرت لوطؑ کا ذکر	″
رکوع نمبر ۱۴	″
حضرت شعیبؑ کا ذکر	″
رکوع نمبر ۱۵	۲۱۳
ولایت علی	″
دعوت عشیرہ	۲۱۵
آبائے نبی کا اسلام	۲۱۸
شعراء کے معنی کی وضاحت	۲۲۰
سورۂ نمل	۲۲۲
رکوع نمبر ۱۶	۲۲۳
حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۲۲۴
رکوع نمبر ۱۷ حضرت سلیمانؑ کا قصہ	۲۲۶
وراثت انبیاء کا مسئلہ	۲۲۸
حضرت سلیمانؑ کی حکومت	۲۳۱
وادی نمل کا ذکر	۲۳۲
ہدہد کا غیر حاضر ہونا	۲۳۴
ہدہد کی تیز پروازی پر اعتراض و جواب	۲۳۷
حضرت سلیمانؑ کا خط ملکہ سبا کے نام	۲۴۰
رکوع نمبر ۱۸	۲۴۱
ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو	″
وفد کی روانگی	۲۴۲
ملکہ سبا کی آمد	۲۴۵
تخت بلقیس کی آمد	۲۴۶
اسم اعظم	۲۴۷
ملکہ بلقیس کا اسلام	۲۵۰
رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالحؑ کا ذکر	۲۵۲
حضرت لوطؑ کا ذکر	۲۵۵
پارہ ۲۰	۲۵۶
رکوع نمبر ۱	۲۵۷
بیان توحید	″
علم غیب	۲۵۹
رکوع نمبر ۲	۲۶۰
دابۃ الارض کی تشریح	۲۶۲
رکوع نمبر ۳ آمد قائم علیہ السلام	۲۶۴
نفخ صور	۲۶۵
حرمت مکہ	۲۶۷

تمت بالخیر

سورۃ الحج

اس سورہ کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس سے اس کا مکی ہونا اور حسن سے مدنی ہونا منقول ہے۔ اس کی چند آیتیں نہ مکی ہیں نہ مدنی بلکہ سفری ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد مشہور قرأت کی بنا پر ۷۸ ہیں اور بسم اللہ کو ملا کر ۷۹ بنتی ہیں۔

① جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گذشتہ اور آئندہ کے تمام حاجیوں کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔ (مجمع)

② حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اس سورہ کو ہر تیسرے دن پڑھتا رہے تو سال کے اندر اس کو حج نصیب ہو گی۔ اور اگر دوران سفر میں مر جائے تو داخل جنت ہو گا۔ (مجمع۔ برہان۔ صافی)

③ کسی نے سوال کیا کہ اگر حج کرنے والا مخالف ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

(برہان۔ صافی)

④ کافر ظالم اور ڈاکو اگر کشتی میں سوار ہوں۔ پس ہرن کی جھلی پر اس سورہ کو لکھ کر اس کشتی میں رکھا جائے تو وہ کشتی ان کافروں کو لے ڈوبے گی اور ایک نہ بچے گا۔

⑤ اگر پانی سے دھو کر ظالم حکمران کی نشست گاہ پر چھڑکاؤ کیا جائے تو اس کا اقتدار بحکم پروردگار جلدی زائل ہو جائیگا۔ عن الصادق علیہ السلام (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ①

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے تحقیق قیامت کا زلزلہ بڑی شے ہے

یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ کُلُّ مُرۡضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ

جس دن دیکھو گے کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانیوالی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو اور گرا دے گی ہر حمل والی

رکوع نمبر ۸۔ ہول محشر

تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق عمران بن حصین اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ سورہ حج کی پہلی دونو آیتیں اس رات کو اُتریں جب کہ مسلمان غزوہ بنی مصطلق کے لیے روانہ سفر تھے۔ حضورؐ نے آواز دی تو سب مسلمان سواریوں سے پیدل ہو کر آں حضرتؐ کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہو گئے۔ آپ نے یہ دونو آیتیں پڑھیں یہ سُنتے ہی صحابہ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ اس سے زیادہ گریہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ رات بھر اسی حالت میں گذر گئی اور دن ہوا تو گھوڑوں سے زینیں اتارنے اور خیام نصب کرنے کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا۔ کچھ رو رہے تھے اور کچھ غمناک صبح محشر کی فکر میں دم بخود نظر آتے تھے کہ پھر ایکبار حضورؐ نے زبان وحی ترجمان کو جنبش دی اور دریافت فرمایا کیا جانتے ہو کہ یہ آیتیں کس دن کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اُس دن کا ذکر ہے جب خدا حضرت آدم کو حکم دے گا کہ اپنی اولاد کو جہنم کے لئے روانہ کرو تو آدمؑ عرض کریں گے اے پروردگار کس نسبت سے؟ تو ارشاد ہو گا ہر ہزار سے ۹۹۹ جہنم کی طرف اور ایک بہشت کی طرف بھیجو۔ یہ سنتے ہی صحابہ پر دوبارہ سخت گریئے کا عالم طاری ہوا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے کسی نے عرض کی اے آقائے نامدار! ایسی حالت میں نجات کون پائے گا؟ تو آپ نے فرمایا تم کو خوشخبری ہو کہ یاجوج و ماجوج کے مقابلہ میں تم اس طرح ہو جس طرح پورے سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں ۱/۴ کی نسبت سے ہو گے تب صحابہ کی ڈھارس بندھی اور ہوش ٹھکانے آئے۔ پس سب نے مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر آپ نے فرمایا شاید تم اہل جنت میں ۱/۳ کی نسبت سے ہو گے۔ تو صحابہ نے خوشی کے مارے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ تم لوگ باقی اہل جنت میں ۲/۳ کی نسبت سے ہو گے۔ کیونکہ اہل جنت کی کل ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی ہزار صفیں صرف میری امت کے لئے مخصوص ہوں گی اور میری اُمت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ عمر بن خطاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ بس ستر ہزار؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے ہمراہ ستر ستر ہزار ہوں گے فوراً عکاشہ بن محصن نے عرض کی حضورؐ! میرے حق میں دعا کیجئے کہ ان میں سے ہو جاؤں۔ پس آپؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔

کہ اللہ اس کو ان میں سے قرار دے تو ایک انصاری نے بھی یہی التجا کی تو آپؐ نے فرمایا بس عکاشہ کی پہل ہے۔ ابن عباس کہتا ہے چونکہ وہ انصاری منافق تھا اس لیے حضورؐ نے اس کو ٹال دیا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے ابواسحٰق ہمدانی کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے محمد بن ابوبکر کو جب مصر کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو اس کو ایک چٹھی لکھی کہ تمام اہل مصر کو سنائی جائے۔

اس میں سے چند فقرے یہ ہیں:-

"اے اللہ کے بندو! قبر سے اُٹھنے کے بعد کا منظر قبر سے سخت تر ہے۔ جس دن بچہ دن کے طول اور اس کی سختی سے بوڑھا ہو جائیگا۔ ہوشمند بیہوش نظر آئے گا۔ حاملہ ماؤں کے شکم سے بچے ساقط ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیوں کو دودھ پیتے بچوں کا خیال نہ رہے گا۔ ایسا سخت دن جس کی سختی پورے عرصۂ محشر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ معصوم فرشتوں میں سنسنی طاری ہوگی آسمان زمین اور پہاڑ کانپتے ہوں گے۔ آسمان پھٹ کر پراگندہ ہوگا۔ پہاڑ ذرّہ ذرّہ ہو کر سراب دکھائی دیں گے۔ نفخ صور سنتے ہی زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق گھبراہٹ سے بدحواس ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جو مستثنیٰ ہیں۔ بس اس آدمی کی کیا حالت ہو گی۔ جو کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور جملہ اعضاء سے اپنے رب کی نافرمانی کر چکا ہو گا۔ اگر اللہ اپنے رحم و کرم سے اس کو بخش نہ دے تو اس دن کی سختی سے اس کو کون بچائے گا؟

جہنم کی گہرائی دُور تک، گرمی سخت، پینے کو پیپ، عذاب تازہ بتازہ اور سر کے اُوپر لوہے کے گرزہائے گراں کی لگاتار مار نہ اس میں وقفہ ہو گا، نہ جلنے والے پر موت آئے گی جہاں رحم کا نام نہیں اور چیخ و پکار کو کوئی سننے والا نہیں۔

اور یقین کرو، اللہ کے بندو۔ دوسری طرف اللہ کی رحمت بھی ہے۔ جنت جو زمینوں اور آسمانوں کے برابر وسیع ہے۔ جس میں متقی جائیں گے۔ دُکھ نہ ہو گا۔ اس کی لذات کے استعمال سے اکتانا نہ ہو گا۔ وصال کے بعد فراق نہ ہو گا۔ رہنے والے اللہ کی رحمت کے سایہ میں بسیں گے۔ ان کے سامنے نوجوان لڑکے خوشبوئیں اور میوہ جات سنہری پلیٹوں میں نہایت دل کش انداز و اچھے سلیقے سے رکھ کر تابع فرمان کھڑے ہوں گے۔"

اسی طرح بروایت قاضی شریح حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک لمبے خطبے میں موت اور اس کے بعد حشر کا ہولناک منظر پیش فرمایا۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ "اے شاہانہ ہیبت و جلال کے مالک نازک مزاج! تو نے ایک کچے مکان اور غبار آلود ٹھکانے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ تجھے ایسی جگہ رخسارہ ٹیک کر سونا ہو گا جہاں ملنے والے کم جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد جب قبریں شق ہوں گی اور تجھے میدان محشر کی طرف بھیجا جائے گا۔ تو اگر تیرا خاتمہ نیک ہوا تو سرور و انبساط، حکومت و سلطنت اور امن و آرام کا گھر ملے گا۔ موتیوں کی طرح خوبصورت لڑکے شیریں و شفاف پانی کے بلوری جام ہاتھ میں لے کر غلامی کیلئے پیش ہوں گے۔ اہل بہشت عیش و عشرت میں بسر کریں گے اور اہل جہنم آگ کا عذاب لیں گے۔ یہ ریشم و اطلس کے لباس میں ملبوس ناز و ادا سے ٹہلیں گے۔ اور وہ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پیچ و تاب کھائیں گے۔ ان کے ناک

حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

اپنا حمل اور دیکھو گے لوگوں کو بے ہوش حالانکہ وہ بیہوش نہ ہونگے بلکہ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ

اللہ کا عذاب سخت ہے اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بے علمی

بہشت کے مشک وعنبر سے معطر ہوں گے اور وہ آتش جہنم میں لوہے کے وزنی گرزوں کے ساتھ پیٹے جائیں گے۔ سیاہ چشم خوبصورت حوریں خوشی خوشی ان سے معانقہ کریں گی اور ان کی گردنوں میں دوزخ کے طوق و زنجیر ڈالے جائیں گے۔ ان کی گھبراہٹ کا کوئی دفاع نہ ہوگا۔ اور ان کی بیماری کا کوئی علاج نہ ہوگا۔

اے وہ انسان جس نے کیڑوں مکوڑوں کے سپرد ہونا ہے تو سن اور دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ آنکھ سے کھو کر نیند کی لذت کو خیرباد کہہ دے اور خوفِ خدا میں آنسوؤں کے ڈول بہائے کیونکہ تیرا قبر کا مکان خطرناک اور ہولناک جگہ ہے۔ اسے حیا سے کورا انسان تیرا انجام موت ہے۔ اسے غافل وسرپھرا انسان نصیحت حاصل کرنے والے کی بات کو سن۔ حشر کا دن بازپرس اور جزا و سزا کا دن ہے۔ اس دن لوگوں کے اعمال کھلیں گے۔ گناہ گنے جائیں گے۔ گرمی کی شدت سے آنکھوں کے ڈھیلے پگھلتے نظر آئیں گے اور اس کی شدت سے حاملہ ماؤں کے بچے ساقط ہو جائیں گے۔ دوست دوست سے جدا ہوگا۔ اس دن کے ہول سے دانشمند بحرِ حیرت میں غوطہ زن ہوگا۔ زمین آبادی کے بعد بنجر ہوگی۔ اس کی دل کشی اور سرسبزی تغیر و انقلاب کا محل ہوگی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کئے ہوئے اعمال میں سے حرف حرف کا سوال ہوگا۔ آنکھیں جھکی ہوں گی۔ سامنے حساب ہوگا اور پیچھے جہنم کا عذاب ہوگا اس کی ہولناک آواز کانوں سے ٹکرا رہی ہوگی۔ آنکھیں اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی ہوں گی وہاں نہ کوئی مددگار و معاون ہوگا اور نہ کوئی غمگسار اور جائے پناہ ہوگا اور تمام لوگ مواقفِ حساب کی طرف تیزی سے روانہ کئے جائیں گے۔

پل صراط پر پہنچیں گے تو دلوں میں لرزہ ہوگا اور جان لیں گے کہ اب بچاؤ مشکل ہے۔ بولنے کی اجازت نہ ہوگی، عذر مقبول نہ ہوگا، زبانوں پر مہر ہوگی۔ پس ہاتھ اور پاؤں اپنے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے۔ ہائے کس قدر دردناک گھڑی ہوگی، اور روح فرسا منظر ہوگا۔ جب نتیجے کا اعلان ہوگا۔ ایک گروہ جنت کی طرف اور دوسرا گروہ جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ الخبر

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے موت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا مومن کے لئے ایک بہترین روح پرور خوشبو کی مانند ہے۔ جس کے سونگھنے سے تھکے ماندے انسان کو آرام و سکون آجاتا ہے اور وہ خوشی کی نیند سو جاتا ہے اور کافر کے لئے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ

سے اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی مقدر کی گئی ہے اس پہ یہ بات کہ جو بھی اسے دوست

تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤ يٰٓاَيُّهَا

رکھے گا یہ اسے گمراہ کرے گا اور اُسے عذاب دوزخ کا راستہ دکھائے گا اے لوگو!

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

اگر تم کو شک ہے مرنے کے بعد اُٹھنے کا تو ہم نے تم کو پیدا کیا ہے

زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ ص۲۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ بعد میں ارشاد فرماتا ہے کہ حاملہ ماؤں کے حمل ساقط ہوں گے اور دودھ پیتے بچوں سے مائیں غافل ہو جائیں گی۔ اور حمل و رضاعت قیامت سے پہلے ہوگا نہ کہ قیامت کے دن۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہاں مقصود ہول محشر کو بیان کرنا ہے کہ اگر اس سختی کو کوئی حاملہ دیکھتی تو بچہ ساقط ہو جاتا اور ماں کو اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جاتا۔ اور زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے کا زلزلہ مراد لیا جائے اور قیامت کی طرف نسبت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ زلزلہ اشراط قیامت سے ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ ص۲۔ یعنی بعض لوگ توحید پروردگار کے مسئلہ میں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ نضر بن حارث ایک باتونی آدمی تھا جو توحید کے بارے میں کج بحثی کر کے پیغمبر اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتا تھا۔ پس عجمیوں اور یہودیوں سے کچھ باتیں سن کر مسلمانوں پر طعنہ زنی کرنا اس کا شیوہ تھا اور یہ آیت اُسی کے متعلق ہے۔

شَيْطٰنٍ۔ یہاں نسل انسانی کے شیطان مُراد ہیں جو اسلام کے خلاف نضر بن حارث یا دوسرے آدمیوں کو طعنہ زنی کی تحریک کرتے تھے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس شیطان پر یا بقولے جھگڑا کرنے والے پر یہ بات لوح محفوظ میں ثابت ہے کہ جو بھی اس کی پیروی کریگا وہ اس کو راہ راست سے بھٹکا کر دوزخ کے راستہ پر لگائے گا۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ۔ حشر و نشر کے اثبات میں منکرین کے سامنے ایک عام فہم طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا (حضرت آدمؑ و حوا کو) اور پھر نطفہ علقہ و مضغہ سے تم کو بنایا (اولاد آدم کو) یعنی آدم کو ہم نے دفعتہً بلا تدریج مٹی سے پیدا کر دیا اور اولاد آدم کو تدریج کے ساتھ یعنی غلہ سبزیاں میوہ جات اور تمام کھانے کی چیزیں زمین سے پیدا کیں جن کو انسان نے کھایا تو ان سے خون پیدا ہوا۔ اور اس سے انسان کا مادہ منویہ پیدا ہوا۔ جس کو نطفہ کہا گیا ہے پھر نطفہ عورت کے رحم میں چالیس دن کے بعد خون جامد بن گیا۔ جس کو علقہ کہا گیا ہے اور علقہ چالیس دن کے بعد مضغہ بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کی بوٹی سے تام یا غیر تام تاکہ

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ

ہم واضح کریں تمہارے لئے اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو چاہیں ایک میعاد مقرر تک

مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ

پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ تاکہ پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو اور تم میں سے بعض کو موت

يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ

دی جاتی ہے پہلے اور بعض کو رد کیا جاتا ہے رذیل ترین زندگی کی طرف تاکہ کچھ نہ جانے بعد جاننے

کے بعد رُوح داخل ہو کر نفسِ انسانی تیار ہو جاتا ہے۔ بعض بچے روح کے داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن کو غیر مخلقہ کہا گیا ہے اور بعض بچے روح داخل ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد یعنی نو ماہ تک شکم مادر میں محفوظ رہ کر صحیح پیدا ہوتے ہیں جنکو مخلقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ص۵۸ پر ملاحظہ ہو۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ۔ حضرت آدم و حوا کو صرف مٹی سے بغیر تدریج کے اور تم کو مٹی نطفہ علقہ اور مضغہ کی ترتیب و تدریج سے پیدا کر کے ہم نے تم پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہم دفعتہً پیدا کرنے اور تدریجاً پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جب ابتداً ہم اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں تو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر کیونکر قادر نہیں ہیں؟

اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ بڑھاپے کی عمر کو رذیل ترین زندگی اس لئے کہا گیا ہے کہ دنیا کی تمام بہاریں اور رونقیں اس کے لئے نفع مند نہیں رہتیں نہ جوانی واپس آسکتی ہے اور نہ تندرستی لوٹ سکتی ہے۔ پس یہ عمر حسرت اور ارمان کا مجموعہ ہوتی ہے کیونکہ لذائذ دنیا کو دیکھتا ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے جوانی کے لذائذ دنیاویہ پر آخرت کو ترجیح دی اور قرب خداوندی ان کا مطمح نظر رہا ان کا بڑھاپا وصال پروردگار کا پیغام ہوتا ہے اور خدا ایسے لوگوں کا احترام باقی لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس وہ باعزت دنیا سے جاتے ہیں اور اللہ کے ہاں باعزت مہمان ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سو سال اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پچھتر سال کے بعد ارذل عمر ہونا منقول ہے۔ اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۱۴ سورہ والتین کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اِهْتَزَّتْ ص۱۲۔ اھتزاز کا معنی ہوتا ہے خوشی سے جھومنا۔ پس خشک زمین پر بارش پڑنے کے بعد اس کی سرسبزی و شادابی اس کا

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

کے اور دیکھتے ہو زمین کو خشک پس جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

متحرک ہوئی اور بڑھی اور اُگانے لگی ہر قسم کی پُر رونق انگوریاں یہ اس لئے کہ اللہ

هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ

حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور تحقیق

السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

قیامت بلاشک آنے والی ہے اور تحقیق اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر سچی کتاب

اهتزاز ہوتا ہے۔ زوج سے مُراد اس مقام پر قسم اور صنف ہے اور بہیج بہجت سے ہے جس کا معنی رونق ہوا کرتا ہے۔

ذٰلِكَ۔ یعنی تمام بیان کردہ امور کو مثلاً مخلوق کو پیدا کرنے پر تدریج سے یا بلاتدریج اسی طرح زمین سے قسم وقسم کی انگوریاں اُگانے پر بلکہ کائنات کے جملہ تصرفات پر پوری قدرت رکھنا اس لئے ہے کہ وہی ہے خدائے برحق اور اُسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہ جس طرح ابتداءً سب کا خالق ہے۔ اسی طرح دوبارہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ غرضیکہ وہ ہر بات پر قادر ہے پس یقین کرلو کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اور قبروں میں دفن ہونے والوں کو اللہ ضرور اُٹھائے گا۔

يُجَادِلُ۔ یعنی بعض لوگ بے علمی سے مسئلہ توحید میں جھگڑا و مناظرہ کرنے لگتے ہیں نہ ان کے پاس دلیل ہوتی ہے اور نہ کسی سچی کتاب کا سہارا ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس علم ہو دلیل قائم کرسکتا ہو۔ اور کسی سچی کتاب کا سہارا بھی اس کو حاصل ہو تو اس کے لئے مناظرہ کرنا جائز اور درست ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ حق کا علمبردار ہوگا اور لوگوں کے لئے حق کے قریب ہونے کا موجب بنے گا اور بخلاف اس کے بے علمی کی صورت میں خود بھی حق سے دُور ہوگا اور لوگوں کے لئے بھی غلط عقائد کی راہ ہموار کرے گا۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ یعنی ازراہ تکبّر پہلو موڑ کر چلتا ہے۔ ابھی آیت نمبر ۳ میں گذرا ہے کہ اس کا مصداق نضر بن حارث تھا جو بے علم اکھڑ مزاج اور متکبر قسم کا جھگڑالو آدمی تھا اور مسلمانوں کو بالعموم تنگ کرتا تھا اور تاویلی طور پر ہر وہ بندہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے جو یہ عادات

مُنِیۡرٍ ﴿۸﴾ ثَانِیَ عِطۡفِهٖ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنۡیَا

کے پہلو مروڑ کر چلتے ہیں تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے اس کے لئے دنیا میں

خِزۡیٌ وَّنُذِیۡقُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

ذلت ہے اور اس کو چکھائیں گے قیامت کے دن جلنے کا۔ عذاب (اس کو کہا جائیگا) یہ اس لئے کہ کمایا ہے تیرے

یَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰهَ

ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ بندوں پر ظالم نہیں ہے اور بعض لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کی

عَلٰی حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَیۡرُ اِطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ اِنۡقَلَبَ عَلٰی

غیر یقینی پس اگر پہنچے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس پر اور اگر پہنچے اس کو آزمائش تو الٹا ہو جاتا ہے

رکھتا ہو جیسا کہ دور حاضر میں بعض سر پھرے۔ ٹھیکہ داران منبر دامن توحید پروردگار کو تار تار کرنے کے در پے ہیں اور سرے سے خدا کی خالقیت کو چیلنج کرتے ہوئے عوام کو شرک کا درس دیتے ہیں کہ خدا نے تو صرف محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا باقی سب مخلوق کو انہوں نے پیدا کیا۔ پس اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج کے لئے علمائے حقہ پر قسم و قسم کے نا روا حملے کرنا ان کو وہابی کہنا اور مناظرہ کے لئے للکارنا ان کا شیوہ ہے۔ تعالی اللہ عما یشرکون۔

رکوع نمبر ۹

عَلٰی حَرۡفٍ۔ حرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی کنارے پر کھڑا ہوا انسان کمزور حالت میں ہوتا ہے کہ نہ اُس کو ثابت رہنے کا یقین ہوتا ہے اور نہ اُس حالت میں کسی کا مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ ہر وقت گرنے کا خطرہ اس کو لاحق رہتا ہے۔ اسی طرح بعض کمزور ایمان والے لوگوں کی حالت ہے کہ چونکہ ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوتا اور ہر معمولی سے معمولی شبہ بھی اُن کے ایمان کی عمارت کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس کنارے پر کھڑے ہوتے انسان کی طرح اس کی عبادت بھی کمزور اور غیر یقینی ہوتی ہے کہ اگر اس کی توقع کے مطابق خوشحالی اور وسعت رزق اس کو حاصل ہو جائے تو اس کا دل مطمئن اور وہ اپنے ایمان سے راضی رہتا ہے لیکن اگر تھوڑی سی آزمائش اور تکلیف پہنچ جائے تو اس کا دل شکوک و شبہات کا منبع بن جاتا ہے۔ اور آخر کار الٹے قدم وہ کفر و الحاد کی وادی میں جا گرتا ہے۔ ایسا شخص نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا۔ کیونکہ اس پر دنیاوی تنگی اللہ کی جانب سے آزمائش کے طور پر پہنچ گئی۔ اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

یَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗ۔ لام ابتداء۔ اس لام کا مسئلہ نحویوں کے نزدیک ایک معرکۃ الآراء مقام ہے۔ کیونکہ لام جارہ اور لام امر کے علاوہ

وَجْهِهٖ ج خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

اپنے منہ پر وہ دنیا و آخرت کے خسارے ہیں ہے - اور یہ واضح خسارہ ہے

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ط ذٰلِكَ هُوَ

پکارتا ہے اللہ کے سوا اس کو جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع یہ ہی تو

الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ج يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط

سخت گمراہی ہے اور اس کو پکارتا ہے جس کا نقصان نفع سے زیادہ قریب ہے

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

البتہ وہ برا معاون اور برا ساتھی ہے تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے

جو لام مفتوحہ معانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ان مخففہ کی خبر پر داخل ہوتی ہے (۲) فعل مضارع اور فعل ماضی پر داخل ہوتی ہے جب کہ وہ جواب قسم واقع ہو (۳) شرط پر داخل ہوتی ہے جب کہ جزا کا اعتماد قسم پر ہو جس طرح لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا۔ (۴) اسماء مبتداء پر داخل ہوتی ہے یا اِنَّ کے اسم و خبر پر یا فعل مضارع پر جب کہ حال واقع ہو۔ ابو علی کہتا ہے کہ اس لام کا خبر پر داخل کرنا بھی ضرورت شعری کے ماتحت ہوتا ہے۔ حالانکہ خبر حقیقت میں عین مبتداء ہوتی ہے۔ ورنہ حمل درست نہیں رہتا۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ میں قائم بعینہٖ زید ہے۔ بنابریں موصول پر لام کو داخل کر کے صلہ مراد لینا ناجائز ہے کیونکہ صلہ عین موصول نہیں ہوتا۔ جس طرح خبر عین مبتداء ہوتی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے آیت مجیدہ میں یہ کہا ہے کہ دراصل یہ لام صلہ پر داخل تھی اور اسے مقدم کر دیا گیا ہے یعنی تقدیر عبارت یہ تھی۔ يَدْعُوْا مَنْ لَضَرُّهٗ اَقْرَبُ الخ جیسا کہ زجاج نے کوفی اور بصری نحویوں کی طرف بغیر وجہ بیان کئے یہ قول منسوب کیا ہے درست نہیں بلکہ غلط ہے۔ پس اس کا حل یہ ہوگا کہ یا تو دوسرے یَدعوا کو پہلے یدعوا کا تکرار کہا جائے کیونکہ یہ فعل (دعا) کثیر الوقوع ہے اور چونکہ پہلا یَدْعُوْا متعدی استعمال ہو چکا ہے لہٰذا دوسرے کو متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا دوسرے یدعوا کے لبعدھا، ضمیر غائب کو محذوف مانا جائے جو اس کا مفعول ہو اور جملہ فعلیہ کو ذلک سے حال قرار دیا جائے یا ذالک کو الذی کے معنی میں اسم موصول قرار دیا جائے اور هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ۔ کو اس کا صلہ بنا کر يَدْعُوْا کا مفعول مقدم قرار دیا جائے جس طرح مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى میں تِلْكَ کو اَلَّذِیْ کے معنی میں نحویوں نے موصول قرار دیا ہے۔ پس ان تینوں صورتوں میں يَدْعُوْا کا مابعد سے کوئی تعلق نہیں اور لام مبتداء پر داخل ہے جو کہ مَنْ موصولہ ہے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ

اور نیک عمل کرتے رہے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں تحقیق اللہ کرتا

یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا

ہے جو چاہتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ اس (محمدؐ) کی دنیا د

اور بعد میں اس کا صلہ ہے اور صلہ وموصول مل کر محل رفع میں ہیں کیونکہ مبتدا ہیں اور لبئس المولیٰ میں لام کا مدخول اس کی خبر ہوگا۔ اور یہ لام جواب قسم ہے جسے لام یمین بھی کہا جاتا ہے۔ رہبن نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ یدعوا کا معنی یقول کیا جائے اور لام کا مدخول موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہو اور اس کی خبر مولائی محذوف مانی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یدعوا کو یُسمّٰی کے معنی میں قرار دیا جائے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے شرک کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی لیکن حضرت محمد مصطفےٰؐ کی ان کو معرفت حاصل نہ ہوئی۔ پس وہ اللہ کی عبادت شک کی صورت میں کرتے ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کی برکت سے ہمارے مال زیادہ ہوئے جسم میں تندرستی رہی اور اولاد عطا ہوگئی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا رسول ہے ورنہ پھر سوچیں گے۔ انہی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اگر اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی تکلیف یا غیر متوقع صورت پیش آئے تو شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کو پکارنے لگتے ہیں جن کا نقصان نفع سے قریب تر ہے بلکہ نفع ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

مَنْ كَانَ ص۔ چونکہ جناب رسالتمآبؐ کی ہر مقام پر اللہ مدد فرماتا ہے اور آپ جس طرف کا رخ کرتے کامیابی وکامرانی آپؐ کے لئے چشم براہ ہوتی تھی تو کافر ومنافق طبع لوگوں کی طبیعتوں پر بوجھ پڑتا تھا۔ پس ان کی تذلیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر کسی کو میرے پیارے رسول کا کامیاب وکامران ہونا ناگوار ہے اور وہ اپنے غم وغصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ بس اب خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ کمر ہمت باندھ کر میری مدد کے راستوں کو روک لے چنانچہ آسمان پر کمند ڈال کر اوپر جانے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اپنی انتہائی کوشش کے بعد تھک کر بیٹھ جائے یا انہی کوششوں میں مر جائے اور نتیجہ میں دیکھے کہ کیا اس کی حیلہ سازیاں اور مکاریاں میرے حبیبؐ کا کچھ بگاڑ سکیں۔ گویا اللہ کی طرف سے چیلنج ہے کہ تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ لیکن میرے رسول کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ نصرت پروردگار بذریعہ وحی یا امداد ملائکہ آسمان کی جانب سے ہی آتی ہے اس لئے آسمان کا ذکر کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ص۱۶۔ یعنی بروز محشر مومنوں اور کافروں کے تمام گروہوں کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ مجوسی بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق پوری تحقیق نہیں ہو سکی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی محارم کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

آخرت میں پس مبا کرے اپنا رسہ آسمان کی طرف پھر ختم کر دے پس دیکھے کیا دور کر سکتا ہے اس کا

كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

حیلہ اس چیز کو جس سے وہ غصہ کرتا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا واضح آیات اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے

مَنْ يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى

جسے چاہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی اور نصرانی

وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

اور مجوسی اور جو مشرک ہوئے تحقیق اللہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

تحقیق اللہ ہر چیز پر حاضر ہے کیا تم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ

اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ بھی اور بہت سوں پر

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی علوی و سفلی تمام مخلوق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ارباب عقول کا سجدہ تشریعی ہے جو اپنے اختیار سے بجا لائیں۔ اور ان کی ہیئت مخصوصہ اور اپنی تمام امور میں بے بسی اور اس کے ارادہ ومشیّت کے سامنے بے چارگی ان کا سجدۂ تکوینی ہے اور باقی مخلوقات ارضی وسماوی مثلاً چاند، سورج، ستارے اور دریا پہاڑ وغیرہ کا سجدہ سجدۂ تکوینی ہے کہ قدرت خداوند کے سامنے وہ ہر وقت سرنگوں ہیں۔

كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ اس مقام پر ان کا سجدہ تشریعی مراد ہے کہ بہت سے بندے اپنے ارادہ واختیار سے توحید پروردگار کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔

حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ثابت ہے عذاب اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کون عزت دے سکتا ہے تحقیق اللہ

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ

کرتا ہے جو چاہتا ہے ان دو گروہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس جو کافر

كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

ہیں کاٹے جائیں گے ان کے کپڑے آگ سے کہ پلٹا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا

الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۭ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ

پانی کہ پگھل جائے گا اس کے ذریعے سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور ان کے

مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

لئے گرز ہونگے لوہے سے جب اس سے نکلنا چاہیں گے تکلیف کی وجہ سے

مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع ۹

تو اس میں پلٹائے جائیں گے اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلنے کا عذاب

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے بہشتوں میں

حَقَّ عَلَیْہِ۔ یعنی بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے خالق سے برسرپیکار رہتے ہیں اور وہ اس کے سامنے جھکنے سے انکاری رہتے ہیں پس اُن پر عذاب حق ہو چکا ہے۔

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے دو گروہ آپس میں توحید کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تمام گروہ باوجود اختلافِ عقائد کے ایک گروہ کے شمار میں ہیں کیونکہ کلمہ کفر سب پر صادق آتا ہے۔ مثلاً نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم لوگ رب کے زیادہ قریبی ہیں۔ کیونکہ ہمارا نبی تم سے پہلے تھا اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم رب کے پیارے

ہیں کہ ہم تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم لوگ حسد و کدورت کی بنا پر ہمارے نبی کی تصدیق نہیں کرتے۔

مَقَامِعُ: جمع ہے مقمع کی یعنی لوہے کا ہتھوڑا یا گرز۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جہنّم کے گرزوں میں سے ایک گرز اگر زمین پر رکھا جائے اور پھر تمام جن و انسان مل کر اُسے اٹھانا چاہیں تو وہ اتنا وزنی ہوگا کہ یہ نہ اُٹھا سکیں گے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ آگ کے شعلے جب دوزخیوں کو اوپر کی سطح پر اٹھا لائیں گے تو ان کے سروں پر وہ گرز مارے جائیں گے پس ستر خریف کی مسافت سے وہ نیچے چلے جائیں گے۔ (بعض روایات میں ستر سال منقول ہے) جب تہ پر پہنچیں گے تو جہنم کے شعلے پھر ان کو اُوپر کی طرف ابھاریں گے اور اسی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

عذابِ جہنم کا ایک منظر

تفسیر صافی و برہان میں بروایت قمی منقول ہے ایک مرتبہ ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے فرزند رسول میرا دل سخت ہو گیا ہے (کچھ موعظہ فرمائیے) اور مجھ کو خوفِ خدا یاد دلائیے۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے محمد ایک لمبی زندگی کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ جبریل ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس تلخ چہرے کے ساتھ حاضر ہوا حالانکہ وہ بالعموم مسکراتا ہوا آیا کرتا تھا۔ آپ نے تلخی کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگا کہ میں ابھی آگ کی پھونکنیاں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے ہے؟ تو کہنے لگا کہ پروردگار کی جانب سے آتشِ جہنم کو بھڑکانے کا حکم ہوا تو ایک ہزار سال تک اس کی آگ کو پھونکا گیا یہاں تک کہ سفید ہو گئی۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد وہ سرخ ہو گئی۔ پھر تیسری مرتبہ ایک ہزار سال کے بعد وہ سیاہ ہو گئی۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جہنمیوں کے پانی میں سے ایک قطرہ اگر دنیا کے پانی میں مل جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل زمین مر جائیں گے۔ جہنم کے زنجیر جو ستر ہاتھ لمبے ہیں۔ ان کی ایک کڑی اگر دنیا میں ظاہر ہو جائے تو ساری دنیا اس کی حرارت سے پگھل جائے گی اور اگر کسی دوزخی کی ایک قمیص زمین و آسمان کے درمیان لٹکائی جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل دنیا مر جائیں گے یہ سُن کر حضورؐ پر گریہ طاری ہوا اور جبریل بھی ساتھ رونے لگا تو فوراً ایک دوسرا فرشتہ جانب پروردگار سے نازل ہوا کہ خدا تم دونو کو بعد سلام کے فرماتا ہے کہ تم کو گناہوں سے میں نے محفوظ کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد کبھی جناب رسالت مآبؐ کو کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا دوزخی دوزخ کو بڑا سمجھتے ہیں اور جنتی جنّت کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اور جب جہنمی کو اوپر کے کنارے سے جہنم میں گرایا جائے گا تو ستر سال کی مسافت کے برابر گہرائی تک چلا جائے گا اور جب پھر اوپر آئے گا تو لوہے کے گرزوں سے اس کے سر پہ مار پڑے گی۔ پس وہ پھر تہ تک چلا جائے گا جس طرح آیت مجیدہ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ درد و تکلیف سے اُوپر کو ابھریں گے تو لوہے کے گرزوں سے ان کو مارا جائے گا اور چمڑے جل جانے کے بعد تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ پس آپؑ نے فرمایا اے ابوبصیر اتنا کافی ہے یا کچھ اور بھی بیان کروں تو وہ کہنے لگا حضورؑ اسی قدر کافی ہے۔

اور تفسیر برہان میں ابن طاؤس کی روایت کے مطابق جبریل نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے برحق

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے اس میں کنگن سونے کے اور موتیوں

وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ

کے اور ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا اور بھیجے جائیں گے طرف عمدہ باتوں

مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

کے اور بھیجے جائیں گے طرف اللہ کے راستہ کے جو حمید ہے تحقیق جو لوگ

نبی مبعوث کیا ہے کہ اگر سوراخ سوزن کے برابر آتش جہنم کی حرارت کو زمین کی طرف راستہ ملے تو سب کے سب انسان اس کی گرمی سے تڑپ کر مرجائیں گے اور اگر ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر زمین پر بھیجا جائے تو اہل زمین اس کو دیکھ کر ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اس کے زنجیر کو صرف ایک ہاتھ کے برابر دنیا کے تمام پہاڑوں پر رکھا جائے تو سب دنیا کے پہاڑ پگھل جائیں گے اور اگر کسی دوزخی کا کوئی کپڑا دنیا پر ظاہر کیا جائے تو سب اس کی بدبو سے مرجائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے قسم کھا کر حضورؐ نے فرمایا۔ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر گر جائے تو سب پہاڑ زمین میں دھنس جائیں گے تو کیا حال ہوگا اس بندے کا جس کی یہ خوراک ہوگی اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر غسلین کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ٹپکے تو تمام پہاڑ اس کو برداشت نہ کر سکیں گے تو کیا حال ہوگا اُس کا جس کو پینے کے لئے وہی ملے گا۔ اسی طرح ایک گرز اگر پہاڑوں پر رکھا جائے تو اس کے وزن سے تمام پہاڑ زمین دوز ہوجائیں گے تو کیا حال ہوگا اس کا جس کے سر پر ان کی مار پڑے گی۔ اور ایک روایت میں ہے جہنمیوں کی حالت یہ ہوگی کہ اوپر کا ہونٹ بلند ہو کر سر کے برابر آجائے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ العیاذ باللہ

رکوع نمبر ۱ جنّت کا تصوّر

حریر۔ خداوند کریم نے دنیا میں ریشمی لباس مردوں پر حرام کیا ہے اور جنت میں اس لباس کی پیش کش فرمائی ہے۔ وہاں ہر قسم کی زینت سے مزیّن ہو کر نعماتِ پروردگار میں عیش و آرام کی دائمی زندگی ہوگی وہاں نہ لغویات نہ فضول گپیں اور نہ دل آزار آوازیں ہوں گی۔ بس پیار و محبت کے لہجے میں جنتی لوگ آپس میں ہمکلام ہوں گے اور بعض اوقات فرشتوں کے ساتھ بھی تحیہ و سلام سے ملاقاتیں ہوں گی۔ اور اسی کو طیّب قول کہا گیا ہے۔

حمید کا معنی ہے قابل حمد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سے مُراد ذاتِ پروردگار ہے۔ نیز اسلام اور جنت بھی مُراد لئے گئے ہیں اور تفسیر اہل بیت میں ہے کہ یہ آیتیں بالخصوص حضرت حمزہ، جعفر طیار، عبیدہ، سلمان، ابوذر، مقداد بن اسود اور عمار

كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کافر ہیں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور مسجد الحرام سے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ

جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا کہ اس میں مقامی اور دیہاتی برابر ہیں اور جو ارادہ

کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور حمید سے مُراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ ایک روایت میں حمید سے مراد ولایت ہے (صافی) تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ ابو بصیر کی خواہش پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جنت کی تعریف فرمائی کہ کم از کم نعمات جنت میں سے یہ ہے کہ اس کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے سونگھی جاسکے گی۔ اور معمولی جنتی کا مکان اس قدر وسیع ہوگا کہ تمام جنّ و انسان اگر اس کے ہاں مہمان ہوں تو سب کے لئے کافی ہوگا اور ان کے کھانے پینے کے بعد یوں معلوم ہوگا کہ کسی نے کچھ نہیں کھایا اور کم از کم بہشتی کے لئے تین درجے ہوں گے جب پہلے درجے میں پہنچے گا تو اس میں غلام کنیزیں نہریں اور میوہ جات اس قدر دیکھے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور دل باغ باغ ہوگا۔ پس شکر پروردگار بجالائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اپنا دوسرا درجہ دیکھو چنانچہ جب اس باغ کی طرف نظر کرے گا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ نعمات کی اس میں فراوانی پائے گا۔ پس اس میں داخل ہو کر شکر پروردگار بجالائے گا۔ تو حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اُوپر دیکھو۔ جنت الخلد پر اس کی نظر پڑے گی تو پہلے دونوں باغات سے کئی گنا زیادہ نعمات کو ملاحظہ کرے گا پس مسرور دل سے خدا کے شکر میں رطب اللّسان ہوگا۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا مومن کو آٹھ سو کنواری اور چار ہزار ثیب حوریں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ دو حور العین خدا عطا فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ ان کی تخلیق جنت کی نورانی مٹی سے ہوگی۔ الخبر ملخصاً

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ آیت میں مضارع کو ماضی پر اس لئے عطف کیا گیا ہے کہ فعل مضارع بھی ماضی کے معنی میں ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا اور راہِ خدا سے اور مسجد الحرام سے لوگوں کو روکا۔

جَعَلْنٰهُ۔ اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جس کو ہم نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔

اَلْعَاكِفُ۔ عاکف کا معنی مقیم یعنی وہاں کا باشندہ اور بادی سے مُراد جو بیرون جات سے حج کے لئے حاضر ہو۔ اس کا مادہ بدو ہے جو حضر کے مقابلہ میں ہے۔

بِاِلْحَادٍ۔ الحاد کا معنی ہوتا ہے راہِ حق سے کنارہ کشی اور اس جگہ با جارہ زائدہ ہے۔ خداوند کریم نے حدود حرم کے اندر کے حصّہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ وہاں کوئی کسی پر دست درازی کرنے کا مجاز نہیں حتیٰ کہ وہاں شرعی حد بھی کسی مجرم پر جاری نہیں کی جاسکتی۔ البتہ جو شخص حدود حرم کا حیاء کرے اور جرم کا ارتکاب حرم کے اندر کرے تو اس کو سزا بھی حدود حرم کے اندر دی جاسکتی ہے۔ اور اسی حکم کے متعلق آیت مجیدہ میں ہے۔ مَنْ يُّرِدْ الخ یعنی جو حرم کے اندر الحاد یعنی راہِ حق سے

يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ

کرے گا اس میں خلاف حق ظلم کا تو چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب اور جب

بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ

ٹھکانا دیا ہم نے ابراہیم کو اپنے گھر کا مکان (اور حکم دیا) کہ نہ شرک کر میرے ساتھ کچھ اور

طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کے لئے

تجاوز کرکے ظلم کا ارتکاب کرے اس کو سزا دی جائے گی۔

آیت مجیدہ صاف اعلان کر رہی ہے کہ مکہ کی زمین میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں نہ اس کی جگہ کی زمین کو بیچنا جائز ہے اور نہ اس کا کرایہ لینا جائز ہے بلکہ سب مسلمان اس میں برابر رہ سکتے ہیں اور احادیث میں ہے پہلے مکہ کے گھروں میں دروازے بھی نہیں ہوا کرتے تھے باہر سے آنے والا آزادانہ کسی کے گھر میں رہ کر فرائض حج ادا کر کے واپس چلا جاتا تھا اور مسلمانوں میں پہلا شخص معاویہ ہے جس نے مکہ میں اپنی رہائش گاہ کے لئے دروازہ بنایا۔ (برہان)

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ ان کے حق میں ہے جنہوں نے حدیبیہ کے سال رسول خدا کو مکہ سے روکا تھا (مجمع)

رکوع نمبر ۱۱

وَاِذْ بَوَّاْنَا۔ بعض مفسرین نے بَوَّاْنَا کا معنی نشاندہی کرنا بیان کیا ہے۔ یعنی اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ (کعبہ) کے مکان کی جگہ بتائی کیونکہ جب تعمیر کعبہ کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ حیران تھے کہ کس جگہ اس کی بنیاد رکھی جائے۔ پس بحکم پروردگار ایک تیز ہوا چلی جس نے اوپر سے مٹی کو اڑا کر ہر چہار طرف سے کعبہ کی اصلی بنیاد کو ظاہر کر دیا جس پر طوفان نوح سے پہلے وہ بنا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بادل کو بھیجا جو کعبہ کی اصلی بنیادوں کی سیدھ میں رک گیا اور بقدرت خداوندی اس نے کلام کیا کہ میرے برابر زمین پر کعبہ کی بنیاد رکھے۔

وَاَنْ لَّا تُشْرِكْ۔ یعنی یہ کہ میری توحید کو بیان کرو کیونکہ عدم شرک کا لازم معنی توحید ہے۔

طَهِّرْ۔ چونکہ اس جگہ مفہوم دو ہیں (۱) رفع نجاست (۲) دفع نجاست۔ کیونکہ شے کے نجس ہو جانے کے بعد اس کو پاک کرنا رفع نجاست ہے اور سرے سے اس کو نجس ہونے سے بچانا اور نجاست کو اس کے قریب نہ آنے دینا دفع نجاست ہے اور تطہیر ان دونوں معنوں پر صادق آتی ہے۔ لیکن اس مقام پر صرف دفع نجاست کا مفہوم مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا آئیں گے تیرے پاس پیدل اور ہر کمزور سواری پر

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ

(سوار ہو کر) جو آئیں گی دُور دراز راستوں سے تاکہ حاضر ہوں وہ اپنے نفع کے مقام پر

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى

اور ذکر کریں اللہ کا نام معلوم دنوں میں اوپر (ذبیح یا نحر) ان

کعبہ پاک تھا اور اس کے پاک رکھنے اور اس سے آنے والی نجاست کو دُور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ نجس تھا اور اس سے نجاست کے دُور کرنے اور اس کے پاک کرنے کا اب حکم دیا جا رہا تھا جس طرح آیت تطہیر میں بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا پاک رکھنا (دفع رجس) مراد ہے نہ کہ پاک کرنا (رفع رجس)

لِلطَّآئِفِيْنَ صلا۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کعبہ کے اردگرد اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں جن میں سے ساٹھ صرف طواف کرنے والوں کے لئے ہیں چالیس نمازیوں کے لئے ہیں اور باقی بیس کعبہ کے زواروں کے لئے ہیں۔

اَذِّنْ صہ۔ اس خطاب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو خداوند کریم کی جانب سے حکم پہنچا کہ حج بیت اللہ کے لئے اعلان کرو اور لوگوں کو حج کی دعوتِ عامہ دو۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد میں اعلان کیا اور دوسرا یہ کہ خطاب حضرت رسالت مآبؐ کو ہے۔ پس آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا اور لوگوں کو وجوب حج اور اس کی اہمیت اور اس کے اعمال سے آگاہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ باذنِ پروردگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز قیامت تک آنے والی ہر اُس رُوح نے سُنی جن کے لئے علم ازلی پروردگار میں حج کرنا مقرر تھا۔ جس طرح حضرت سلیمانؑ نے باوجود انتہائی بلندی اور لشکری شور و غل کے زمین پر دھیمی اور خاموش آواز سے بولنے والی ایک چیونٹی کی آواز سُن لی اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کوہ ابوقبیس پر چڑھے اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے اعلانِ حج فرمایا۔ پس لوگوں کی پشتوں میں ہونے والوں نے بھی لبیک کیا اور اس دعوت کو قبول کرنے میں اہل یمن نے پہل کی۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی اے پروردگار میری آواز لوگوں تک کس طرح پہنچے گی؟ تو ارشادِ قدرت ہوا

اعلان کرنا تیرا کام ہے اور آواز کا ہر کان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ اس وقت مقام ابراہیمؑ بالکل بیت اللہ سے متصل تھا۔ پس آپ مقام پر سوار ہوئے اور وہ اس قدر بلند ہوا کہ مکہ کے تمام پہاڑ اس سے پست نظر آنے لگے۔ پس کان میں انگلی ڈال کر آپ نے مشرق و مغرب کی طرف رُخ پھیر کر اعلان فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج واجب کی گئی ہے اپنے ربّ کی دعوت کو قبول کر کے بیت اللہ کی طرف آؤ۔ پس لوگوں نے مشرق و مغرب سے گویا پوری زمین کے طول و عرض اور منتہائے آبادی سے آپ کی آواز پر لبیک کہی۔ حتیٰ کہ دریاؤں اور سمندروں کی تہوں سے مردوں کی پشتوں سے اور عورتوں کی رحموں سے بھی لبیک کی آواز آئی۔ لہٰذا جس قدر لوگ قیامت تک حج کے شرف سے مشرف ہوں گے وہ وہی ہیں جن کے ارواح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہہ چکے ہیں اور مروی ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے زنا کیا اور خدا نے ان کو پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا۔ پھر قریشیوں نے ان کو بُت بنا کر پُوجنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ فتح مکّہ کے سال یہ سلسلہ ختم ہوا۔

اور دوسرے قول کے ماتحت بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور اس دوران میں حج نہ کر سکے۔ پس آیت مجیدہ اُتری تو لوگوں تک اعلان خداوندی پہنچانے کے لئے آپ نے موذنین کو حکم دیا کہ ہم اس سال حج بیت اللہ کو جائیں گے۔ پس شہریوں اور دیہاتیوں نے اعلان سنتے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ آپؐ ایک جم غفیر اور تعداد کثیر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے جب کہ ماہ ذی قعدہ سے چار دن گزر چکے تھے جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو زوال آفتاب کا وقت تھا آپؐ نے غسل فرمایا اور مسجد شجرہ سے احرام باندھ لیا۔ پس نماز ظہر ادا کی اور روانہ ہو گئے آپ نے حج افراد کی نیت کی اور ۶۶ یا ۶۴ قربانیاں ساتھ لیں چنانچہ ۴ ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے طواف کیا اور دو رکعت نماز طواف پڑھی۔ حجر اسود کا بوسہ لیا اور صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کی چونکہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مشرکین مکّہ کی رسوم میں سے ہے اس لئے آیت نازل ہوئی کہ یہ دونو اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپؐ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ابھی جبریل یہ حکم لایا ہے۔ اگر میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں اسی طرح کرتا (حج افراد کی بجائے حج تمتع کرتا) کہ جو لوگ قربانی اپنے ساتھ نہیں لائے۔ وہ احرام سے فارغ ہو جائیں (تقصیر کر لیں تاکہ یہ عمرہ ہو جائے اور حج کے لئے علیحدہ احرام آٹھویں ذوالحجہ کو باندھ کر جانا ہو گا) ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم حج کے لئے ایسی حالت میں نکلیں کہ ہمارے سروں اور بالوں سے (غسل جنابت کا) پانی ٹپک رہا ہو؟ آپؐ نے (جھڑک کر) فرمایا۔ کہ تو اس پر قطعاً ایمان نہ لائے گا۔ پس فوراً ایک شخص سراقہ بن مالک نے عرض کی حضورؐ! آپ ہمیں دین سکھائیے یوں لگتا ہے کہ ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ کیا آپؐ کا یہ ارشاد گرامی صرف اسی سال کے لئے ہے یا آئندہ کے لئے بھی یہی حکم نافذ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے ہو گا پھر دونو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا کہ اب قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام یمن سے تشریف لائے۔ جب خاتون جنّت کے پاس پہنچے تو آپ کا لباس رنگدار اور خوشبو کی مہک محسوس کر کے محوِ حیرت ہوئے کیونکہ بی بی عالیہ احرام کھول چکی تھیں۔ پس دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو جواب دیا کہ حضورؐ نے ایسا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس آپ خدمتِ نبویؐ میں پہنچے اور جناب فاطمہؑ کے احرام کھولنے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہی یہی حکم دیا ہے لیکن بتایئے تم نے کس طرح احرام باندھا ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا میں نے ویسے احرام باندھا ہے جس طرح آپؐ نے احرام باندھا ہے تو آپ نے فرمایا تم احرام نہ کھولو جس طرح میں نے نہیں کھولا۔ پس تو قربانی میں میرا شریک ہے۔ حضورؐ مع اصحاب مکّہ سے باہر کھلی فضا میں سکون پذیر تھے پس آٹھویں ذوالحج ترویہ کے دن زوال کے وقت لوگوں کو غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا پھر سب وہاں سے روانہ ہو کر منیٰ میں پہنچے۔ ظہر و عصر و مغرب و عشاء و صبح کی نمازیں منیٰ میں ہیں پڑھیں پھر نویں کو آگے کی طرف چل دیئے۔

اس سے پہلے قریشیوں کا دستور تھا کہ وہ مزدلفہ سے اِفاضہ کرتے تھے (یعنی وہاں وقوف کر کے واپس منیٰ کی طرف پلٹتے تھے) اور باقی لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اب ان کا خیال تھا کہ حضورؐ بھی ہماری طرح سے ہی افاضہ کریں گے۔ ادھر سے آیت نازل ہوئی۔ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاس۔ الخ۔ یعنی تم اس جگہ سے افاضہ کرو جہاں سے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ وغیرہ افاضہ کیا کرتے تھے۔ پس آپ جب وہاں سے آگے بڑھے تو قریش نے اس کو بہت محسوس کیا لیکن آپؐ پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ بطن عرفہ میں اراک کے بالمقابل مقام نمرہ پر پہنچے اور وہاں خیمہ نصب کر دیا۔ اور لوگوں نے اردگرد اپنے خیمے نصب کر لئے۔ زوال آفتاب کے وقت آپ نے غسل فرمایا اور لبیک کہنا ختم کر دیا۔ مسجد میں پہلے وعظ فرمایا پھر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ظہرین ادا فرمائی پھر اپنے موقف میں وقوف فرمایا۔ لوگ آپ کی سواری کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا صرف میری ناقہ کی قدم گاہ جائے وقوف نہیں بلکہ ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ سب کا سب موقف ہے جہاں چاہو وقوف کر لو۔ پس غروب آفتاب تک لوگوں نے وقوف کیا اور دعائیں مانگتے رہے۔ پس غروب کے بعد مزدلفہ یعنی مشعر الحرام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر نماز مغرب و عشا کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کر کے پڑھا۔ اور نماز صبح بھی وہاں پڑھی۔ کمزور آدمی نماز صبح سے پہلے روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کو حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکر سے نہ مارنا۔ پس آپؐ دن چڑھے دوسرے حاجیوں کے ہمراہ منیٰ میں گئے اور جمرۂ عقبہ کو سنگ ریزے مار کر قربانیاں کیں۔ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ نحر کئے اور حضرت علی نے ۳۴ اونٹ نحر کئے۔ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر قربانی سے ایک ایک بوٹی لی جائے۔ چنانچہ ان کو ہانڈی میں پکایا گیا۔ آپؐ نے اور حضرت علی نے تناول فرمایا۔ اور کچھ شوربا پی لیا۔ قربانی کے اونٹوں کے چمڑے اور دیگر سامان یعنی پالان وغیرہ نحر کرنے والوں کو نہ دیا بلکہ سب کو صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد حلق کر کے مکّہ میں تشریف لائے طواف بیت اللہ کر کے دوبارہ منیٰ میں پلٹ گئے۔ ۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ تک وہاں رہے۔ (ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے) ہر روز جمروں کو سنگ ریزے مارتے رہے اور ۱۳ ذوالحجہ کو رمی کرنے کے

بعد واپس آگئے۔ حضرت عائشہ نے الگ عمرہ کرنے کی خواہش کی تو آپؐ نے اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ وہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر آئی اور اعمال عمرہ بجالائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے واپسی کا سفر شروع فرمایا۔ (ملخصاً)

رِجَالاً۔ جمع ہے راجلٌ کی جس طرح قیامٌ قائم کی جمع ہوا کرتی ہے اور اس کا معنی ہے پا پیادہ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ابن عباس اپنے بیٹوں کو پیدل حج کرنے کا حکم دیتے تھے وہ کہتے تھے میں نے رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ سوار حاجی کو سواری کے ہر قدم کے بدلہ میں ستر نیکیوں کا ثواب ملے گا اور پیدل حاجی کو اپنے ہر قدم کے بدلہ میں سات سو نیکیوں کا ثواب ملے گا جو حرم میں کی جائیں۔ کسی نے پوچھا کہ حرم کی نیکیوں کی وضاحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ حرم کی ایک نیکی باقی مقامات کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوا کرتی ہے

اس میں اختلاف ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر ———— بعض علماء سوار ہو کر حج کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جانی و مالی دونوں قربانیاں آجاتی ہیں۔ لیکن اکثر کے نزدیک پیدل حج کرنا افضل ہے اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جس کار خیر میں مشقت زیادہ ہو اس کا درجۂ قرب زیادہ ہوتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں لفظی تقدیم بھی اس کی افضلیت کی مویّد ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا پا پیادہ حج کرنا تواتر سے منقول ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے۔ حالانکہ سواریاں بھی ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھیں۔

وَعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ۔ ضامر کا معنی ہے کمزور۔ کیونکہ طول سفر کی وجہ سے حاجیوں کی سواریاں کمزور ہو کر مکّہ میں پہنچتی تھیں

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خدا اہل عرفات کے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دُور دراز کا سفر کر کے ان کے لباس میلے اور چہرے گرد سے اٹے ہوئے ہیں میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ان بندوں کی دعاؤں کو قبول کیا اور ان کی حاجات کو پورا کیا اور ان کے نیکوں کی برکت سے ان میں سے بدکاروں کو معاف کیا۔ اور نیک عمل کرنے والوں کو وہ سب کچھ عطا کیا جو وہ طلب کریں سوائے ان حقوق کے جو ان کے آپس میں ہیں۔ پس جب لوگ عرفات سے چل کر مشعر الحرام میں پہنچتے ہیں اور عجز و انکساری سے پھر دعا و مناجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میرے بندے پھر وقوف کر کے میری طرف متوجہ ہوئے ہیں اور مجھ سے مانگ رہے ہیں۔ پس میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کی دُعا مقبول اور حاجت پُوری ہے۔ ان کے بدکاروں کے لئے معافی ہے اور نیکوں کو سب کچھ عطا کروں گا جو مانگیں گے اور ان کے باہمی حقوق کا کفیل بھی میں خود بن جاؤں گا۔

لِیَشْھَدُوْا۔ اس مقام پر بعضوں نے منافع سے مراد تجارتی فائدے لئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے جا کر کافی فائدہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں اور بعضوں نے دنیوی و اُخروی دونو فائدے مُراد لئے ہیں۔ کہ دنیاوی لحاظ سے تجارتی فائدہ اٹھائیں اور اُخروی لحاظ سے بخشش گناہ کا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن آلِ محمدؐ کے نزدیک اس مقام پر صرف اُخروی فائدہ مُراد ہے۔ جس طرح کہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف یہی قول

مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَ

جانوروں کے جو خدا نے ان کو رزق دیا ہیں کھاؤ ان (کے گوشت) سے اور

أَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا

کھلاؤ بھوکے محتاج کو پھر چاہیے پورا کریں اپنے

منسوب ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے شیعوں سے فرمایا کہ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے اہل وعیال اور مال ومنال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حج کی اغراض وغایات بہت سی ہیں (۱) اللہ کی طرف یعنی اللہ کے گھر کی طرف اس کا مہمان بن کے جانا اور اس سے طلب کرنا (۲) اپنی کی ہوئی برائیوں سے گریز کرنا تاکہ گذشتہ سے تائب ہو جائے اور آیندہ کے لئے اس سے بچنے کا عہد کرے (۳) مال کا خرچ کرنا (۴) جسمانی قربانی (۵) اپنے آپ کو خواہشات ولذات سے بچانا۔ اور نفس پر کنٹرول کرنا (۶) خشوع وخضوع اور عاجزی وزاری سے عبادت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا (۷) گرمی وسردی یا امن وخوف کی ہر دو حالتوں میں اپنے اوپر ضبط رکھنا (۸) اجتماع کے لحاظ سے نبی آدم کے لئے تمدن کا عمومی فائدہ (۹) گناہوں سے ڈر اور نیکیوں کا شوق (۱۰) سخت دلی اور جسارت سے گریز کرنا (۱۱) اللہ کے ذکر سے غفلت اور ناامیدی کا ترک کرنا (۱۲) حقوق اللہ اور حقوق الناس اور حقوق نفسیہ کی خبر گیری (۱۳) فساد سے بچنا (۱۴) مشرق ومغرب اور خشکی وتری سے آنے والے حاجیوں اور مسافروں کو تجارتی فوائد (۱۵) گرد ونواح کے بسنے والوں کے لئے اکثر مشکلات کا دفعیہ اور حاجات براری (۱۶) ایک روایت میں ہے فقہ حاصل کرنا اور اخبار آئمہ کو نقل کر کے دور دراز کے شیعوں کو پہنچانا دیگر فائدہ زمانہ آئمہ تک کے لئے ہے (ملخصاً)

بہرکیف سفر حج میں اور اعمال حج میں روحانی وجسمانی دنیوی واخروی ہر قسم کے فوائد موجود ہیں جن کے حاصل کرنے اور مشاہدہ کرنے کی دعوت ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حسب ضرورت حج کے مفصل احکام تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکے ہیں۔

فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایام معلومات اور ایام معدودات دونو کا مفہوم ایک ہے اور وہ ایام تشریق ہیں یعنی ذوالحجہ کی دسویں اور تین دن بعد والے (۱۱-۱۲-۱۳) اور بعض مفسرین نے اس مقام پر ذکر سے مراد تکبیریں لی ہیں جن کا عید قربان کی ظہر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی صبح تک ہر نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَبْلَانَا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ۔ اور بہیمہ کا لفظ ابہام سے ہے۔ چونکہ یہ بول نہیں

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

مناسک کو اور وفا کریں اپنی منتوں کو اور طواف کریں بیت اللہ کا جو قدیم سے ہے

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ

یہ (ہیں حج کے اعمال) اور جو تعظیم کرے اللہ کی مخصوص چیزوں کی تو اس کے لئے بہتر ہے اپنے رب کے نزدیک

وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا

اور حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے سوائے ان کے جو بیان کئے گئے پس بچو

سکتے۔ اس لئے ان کو بہیمہ کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا صـ۲۶۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو تحت اللفظ مذکور ہے (۲) وہ اپنی میل کچیل کو دُور کریں یعنی حجامت کرائیں اور غسل کر کے کپڑے پہن لیں (۳) احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے کنایہ کیا گیا ہے۔ (۴) تفسیر برہان میں بروایت فقیہ عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ ذریح محاربی کہتا ہے مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ کا معنی یہ بتایا کہ پھر اپنے امام کی زیارت کرو اور پھر منتیں پوری کرو لیکن اس کے بعد جب میں خدمت امام میں حاضر ہوا اور اسی فقرہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤ، ناخن اتراؤ وغیرہ تو میں نے عرض کی کہ حضور! ذریح محاربی نے تو آپ سے اس کا معنی امام زمانہ کی ملاقات نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سچ کہتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن ذریح کی طرح برداشت کا مادہ کس میں ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملاقاتِ امام اس کا باطنی معنی ہے۔ کیونکہ روحانی و جسمانی کثافتیں درحقیقت اس وقت انسان سے دُھل سکتی ہیں۔ جب امام زمانہ کی صحیح رہبری حاصل ہو۔

وَلْيَطَّوَّفُوا۔ منیٰ کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد مکہ میں پلٹ کر طواف کرنے کا حکم ہے اور علمائے امامیہ نے اس طواف سے مراد طواف نسا لیا ہے۔ اور یہ طواف زیارت کے بعد کیا جاتا ہے اور اس طواف کے بعد عورت و مرد ایک دُوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ بیت اللہ کو عتیق کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمین پر جس قدر گھر بنائے گئے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہے۔ سوائے اس ایک گھر کے کہ اس کا مالک سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہے اور خداوند کریم نے زمین سے پہلے اس کو خلق فرمایا اور بعد میں زمین کو اس کے نیچے بچھایا ہم نے اس کی وضاحت اپنے مناسب مقام پر تفسیر کی چوتھی جلد میں کر دی ہے۔ گویا یہ گھر ملکیت اور سکونت سے آزاد ہے۔

الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۰﴾

رجس سے جو بت ہیں اور بچو جھوٹی بات سے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

(درحالیکہ) ثابت قدم رہو اللہ کے لئے نہ شرک کرنے والے ہو اس کے ساتھ اور جو شرک کرے اللہ

پس اس کو عتیق کہا گیا ہے۔ (۲) ظالم اور جابر حکمرانوں کی دسترس اور فتح سے محفوظ و آزاد رہا ہے۔ چنانچہ جس سرکش بادشاہ نے اس کا رُخ کیا وہ ذلیل وخوار ہوا (۳) چونکہ طوفان نوح کی زد سے یہ محفوظ رہا اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے (۴) چونکہ زمین پر بنائے جانے والے گھروں میں سے پہلا گھر یہی ہے اور سب سے پرانا ہے کہ حضرت آدمؑ نے بنایا پھر انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیمؑ نے اس کی تعمیر کی۔ اس لئے اس کو عتیق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حُرُمَاتِ اللّٰهِ ۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے، جس کا احترام اللہ نے واجب کیا ہے پس اس کے احترام کو باقی رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا انسانوں پر فرض ہے۔ پس اللہ کے جملہ اوامر و نواہی اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور اکثر مفسرین نے اس مقام پر حرمات سے مراد مناسک حج لئے ہیں اور بعضوں نے بیت الحرام (کعبہ) بلد الحرام (مکہ) شہر الحرام (چار حرمت والے مہینے رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) اور مسجد الحرام مُراد لئے ہیں۔ ان کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ ہر اس فعل سے بچے جو ان کی حرمت کے منافی ہو اور جس کے کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اور ہر اس فعل کو بجا لائے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین حرمتیں واجب ہیں۔ جن کی مخالفت شرک ہے (۱) بیت اللہ میں اللہ کی ہتکِ حرمت یعنی اس کے احکام کی مخالفت (۲) قرآن کی مخالفت (۳) ہماری محبّت و مروّت سے کنارہ کشی۔

فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانیوں کا خون اپنے معبود بتوں پر مل دیتے تھے۔ پس خدا نے ان کے بتوں کو رجس کہا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ شطرنج چوپڑ اور ہر شرطیہ کھیل اس میں داخل ہے۔ مثلاً تاش وغیرہ تفسیر برہان میں روایات بہت زیادہ آئمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں کہ رجس سے شطرنج اور قول زور سے غنا مراد ہے۔

قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۔ زور سے مراد جھوٹ ہے اور مجمع البیان میں مروی ہے کہ غنا اور لہو یہ قول اس میں داخل ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جھوٹی شہادت کو خدا نے شرک کے برابر قرار دیا اور اس کے بعد آپ نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی کہ خدا نے بت پرستی اور قول زُور کو ایک حکم میں جمع فرمایا ہے۔

تنبیہ۔ان آیات میں پروردگار نے فریضہ حج ادا کرتے ہوئے چار چیزوں کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے (۱) صرف سیر و تفریح یا بھگڈ دوڑ اور مقامات مقدسہ میں حاضری کا نام حج نہیں بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم دل میں ہو اور ان کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے اعمال بجالائے (۲) ویسے بھی بالعموم بتوں کی پوجا حرام ہے لیکن فریضہ حج کی ادائیگی میں اس کو خصوصیت سے منع فرمایا اور شان نزول کے لحاظ سے اگرچہ مشرکین مکہ کو خطاب تھا لیکن تاقیام قیامت اس کی ہدایت تاویل کے لحاظ سے باقی رہے گی۔ لہذا غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال دل سے نکال کر صرف اللہ کے لئے ہی مناسک حج کی ادائیگی ہو۔ اسی طرح جوا، شطرنج، چوپڑ، تاش بازی اور دیگر لغویات اور لہو ولعب کے مشاغل اگرچہ بالعموم حرام ہیں لیکن دوران حج میں ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے (۳) جھوٹ افترا و بہتان اور غنا کرنا حرام مطلق ہے لیکن دوران حج میں اس کی حرمت کو زیادہ موکد کر دیا کہ قول زور کو رجس اوثان پر عطف کر کے ان امور کو شرک کے برابر قرار دے دیا (۴) حنیفیت کا حکم دے کر ہر اس فعل سے اجتناب کرنے کا حکم دیا جو شریعت مصطفوی میں بلکہ ملت ابراہیمی میں حرام ہے اور یہ کہ اعمال حج کی ادائیگی صرف للہ ہو اور دولت اخلاص سے اس قدر بھرپور ہو کہ اس میں شرک کا ادنی سا شائبہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ حنفاء کے بعد غیر مشرکین کی لفظیں بڑھا کر تمام سابقہ بیان کردہ امور کی خلاف ورزی کو شرک کے حکم میں داخل فرما دیا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ ایک نابینا صحابی شریک حج تھا وہ حاجیوں کے انبوہ کثیر اور شور وغل سے متاثر ہو کر کہنے لگا مَا اَكْثَرَ الْحَجِيْج یعنی حاجی کس قدر زیادہ ہیں؟ ازراہ تعجب یہ فقرہ کہا پس امام عالی مقام نے ٹوک کر فرمایا ایسا نہ کہو بلکہ مَا اَقَلَّ الْحَجِيْج وَاَكْثَرَ الضَّجِيْج۔ یعنی حاجی کس قدر کم ہیں اور شور کتنا زیادہ ہے؟ اَوْ كَمَا قَالَ۔ غالباً یہ گفتگو وقوف و عرفات کے موقعہ پر تھی صحابی نے وجہ پوچھی تو آپ نے باعجاز اس کو بینائی دلوائی پس فرمایا اب دیکھو چنانچہ اس کو ادھر ادھر بندر سور جنگلی جانور اچھلتے کودتے نظر آئے اور بہت کم مقدار میں آدمی دیکھے۔ جو مشغول دعا و مناجات تھے پس آپ نے فرمایا حاجی صرف وہی ہیں جو آدمیوں کی شکل میں ہیں۔ باقی سب کے سب حیوان بشکل انسان ہیں حضرت استاد العلماء مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی پہلی مجلس میں اس روایت کو قدرے اختلاف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (المجالس المرضیہ مجلس اول ص۳)

اس میں شک نہیں کہ فریضہ حج عبادات انسانیہ میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی پاسداری اور پوری رعایت نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اکثر لوگ اعمال کو بجالاتے ہوئے یہ کیوں ہے؟ اور وہ کیوں ہے؟ میں پڑ کر صرف اعتراضات و اشکالات میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دولت خلوص سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ بعض مناسک کو معمولی اور خفیف سمجھ کر اس کی ادائیگی میں توجہ نہیں کرتے یا چھوڑ دیتے ہیں یا کرتے ہیں تو بددلی سے ناقص اور ادھورا چھوڑ کر آجاتے ہیں بعض مخالفین مذہب کی صحبت میں پھنس کر خصوصیات مذہب کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور اکثریت سے مرعوب ہو کر اپنے مختصات سے شرماتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اپنے اعمال کا ستیاناس کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح کئی قسم کی خامیاں اس عظیم

عبادت کی مقبولیت کے راستہ میں حائل ہوجاتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ جو بھی حج کا ارادہ کرے پہلے مناسک حج کو سیکھے اور یاد کرے پھر صرف اللہ کی خوشنودی ہی ملحوظ خاطر ہو۔ اور امر پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرکے جائے ہر وہ بات جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے اور ہر عبادت کی علت کے تلاش کرنے کے درپے نہ ہو بلکہ اس کے پاس بڑی سے بڑی دولت تسلیم اور رضائے خداوندی ہو۔ کیوں اور کس لیئے کہنے کی عادت بد سے پوری طرح گریزاں رہے۔ کسی فعل حج کو معمولی اور خفیف نہ سمجھے اور دولت خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ہر بڑی سے بڑی تکلیف و کوفت کو راہ خدا میں برداشت کرنے کا جذبہ طبیعت میں ہر وقت کار فرما رہے۔ وقوف عرفات و مزدلفہ جمرات و قربانی اسی طرح طواف وسعی سب کے سب مناسک کی ادائیگی میں حکم خداوندی کا پاس دل میں ہو اور اژدہام و انبوہ کی وجہ سے جس قدر تکالیف اٹھانی پڑے کھلے دل سے اور نہایت بلند حوصلگی سے برداشت کرے تاکہ نیت میں تزلزل پیدا نہ ہو۔ یہ خیال رہے کہ حضرت رسالتمآب اور حضرت امیر المومنین ع و جملہ اہل بیت اطہار اسی عبادت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے تھے یہ امر اس عبادت کی اہمیت کو اور زیادہ واضح کرتا ہے کہ امام حسن مجتبیٰ ع نے خوشنودی خدا کی خاطر ۲۵ حج پا پیادہ کیں۔ اسی طرح حضرت سجاد علیہ السلام کے متعلق بھی وارد ہے اور یقین جانیئے کہ حج بیت اللہ توحید پروردگار کا بہترین درس ہے اور اس میں تسلیم ہی تسلیم چاہیئے امیر و غریب شاہ و گدا خورد و کلاں بچے بوڑھے عورت مرد اور حاضر و مسافر جب ایک لباس میں اور ایک ہی رنگ میں مسجد الحرام میں پہنچتے ہیں اور طواف بیت اللہ میں مشغول ہوتے ہیں تو عظمت پروردگار کی زندہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے پھر سب کا ایک ہی حالت میں مکہ سے پندرہ میل دور کوہ عرفات کی طرف جانا اور ٹھہرنا پھر واپس مزدلفہ میں شب باشی اور اس کے بعد رمی جمرات اور قربانی وغیرہ ایسے مناظر ہیں کہ وہاں انسان کو اپنے پروردگار کی عظمت اور توحید کے ناقابل فراموش سبق ملتے ہیں اور انسان سوچتا ہے کہ وہ ایک عظیم ذات ہے۔ جس کی خوشنودی کی خاطر شاہ و گدا سب کے سب ایک لباس میں ملبوس اعمال بجا لا رہے ہیں اور اسی کو پکار رہے ہیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کر رہے ہیں۔ نیز عرفات کا وقوف عارف لوگوں کے لیئے قیامت خیز منظر ہوتا ہے۔ گویا دنیا میں پیشی محشر کی سی ادنیٰ جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ پس ایمان والوں کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور مناجات و ادعیہ میں خلوص بڑھتا ہے۔ ہر چہار سو رونے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں کہ کوئی طلب حاجات میں مشغول، کوئی بخشش گناہان کے لیے دست بدعا کوئی تلاوت قرآن میں کھویا ہوا اور کوئی مصروف عبادت نظر آتا ہے۔ بہرکیف نہایت ایمان افروز منظر ہوتا ہے پس جانے والا جائے تو کالے پتھروں کی حکایات لے کر نہ پلٹے بلکہ دل میں شمع ایمان کو فروزاں کرکے واپس آئے۔ گناہوں سے تائب ہوکر اور آئندہ کے لیئے اعمال صالحہ کی بجا آوری کا عہد دل میں لے کر واپس آئے۔

یاد رکھیئے جس کے گناہ ان تین ذرائع سے نہ بخشے جائیں پھر اس کے لیئے اور بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں جس کو ماہ مبارک میں لیالی قدر میں عبادت کا موقع ملے اور بخشش گناہان کی درخواست کر سکتا ہو۔ اسی طرح جس کے ضعیف ماں باپ موجود

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ

کے ساتھ پس گویا وہ گرا آسمان سے پس اچک لیا اس کو پرندے نے یا پھینک دیا اس کو آندھی نے کسی

فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ

گہرے مکان میں (بات تو) یہ ہے اور جو تعظیم کرے اللہ کی نشانیوں کی

ہوں اور ان کی خدمت سے بہرہ ور ہو سکتا ہو یا پھر حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو کر وقوف عرفات کے موقعہ پر توبہ کر کے معافی حاصل کر سکتا ہو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث معصومین علیہم السلام سے مروی ہے۔ اور وقوف عرفات کے موقعہ پر انسان کو چاہیئے کہ اپنے گناہوں کو نام بنام شمار کر کے ان کی معافی طلب کرے اور گڑ گڑا کر بخشش کی دعا کرے نیز اپنے مومن بھائیوں کی بخشش کے لئے بھی دعا طلب کرے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص غائبانہ طور پر اپنے مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے ملائکہ اس کے لئے دعا ر و استغفار کرتے ہیں۔

تفسیر برہان پارہ ۱۷ کی تفسیر میں ص۳۲ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم ابو البشر اور حضرت حوا اُمّ البشر میں جدائی ہوئی تو خدا نے آدم کو اپنا گھر بنانے اور اس کا طواف کرنے کا حکم دیا جس طرح ملائکہ البیت المعمور کا کرتے ہیں اور یہ حکم ہوا کہ ابلیس اگر اس طرف آئے تو اس کو کنکر سے مار کر دور کیا جائے جس طرح فرشتوں کا دستور ہے چنانچہ جبریل حضرت آدم کو کعبہ پر لائے اور کعبہ کو تعمیر کیا گیا تاکہ وہ اور اس کی تا قیامت اولاد اس کا طواف کرے۔ فرشتے حضرت آدم ؑ کے ساتھ تعمیر بیت اللہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد حضرت آدم کو حضرت حوا کی ملاقات کی بشارت دی گئی اور خدا کا حکم ہوا کہ زمین کے بہترین حصہ میں تم دونو آپس میں ملو گے۔ پس کوہ عرفات پر ان کی ملاقات ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ (ملخصاً)

وَمَنْ يُّشْرِكْ۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے حق سے دُور ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے نیچے گرے اور کوئی پرندہ اس کو اُچک لے جائے یا تیز آندھی کسی ایک بلند مکان سے نیچے گرا دے یا یہ مقصد ہے کہ شرک کرنے والے کے لئے عذاب سے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں جس طرح آسمان سے یا بلندی سے گرنے والے کے لئے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں ہوا کرتا۔

شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں۔ اور اس جگہ اس کے مصداق میں چند اقوال ہیں (۱) مناسک حج (۲) قربانی کے جانور کیونکہ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور شعیرہ اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کی کوہان کو دائیں جانب سے پچھنا لگا کر خون کو ادگرد مل دیا جائے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے اور اس فعل کو فقہاء اشعار سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حج قِران کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے جو مکہ یا اس کے گردونواح میں ۴۸ میل کے اندر اندر کے رہنے والے ہوں (۳) شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کا دین اور تعظیم سے مراد ہے حکم خداوندی کی پوری پوری رعایت کرنا۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

اُن کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے ہے تمہارے لئے ان کی تعظیم میں فائدے ہیں ایک معین

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

وقت تک پھر ان کا محل بیت اللہ کی طرف ہے اور ہر (گذشتہ) اُمّت کے لئے

مَّنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ

قربانی رکھی) تاکہ ذکر کریں اللہ کا نام اوپر اس کے جو اس نے رزق دیا چوپائے

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا

جانوروں میں سے پس تمہارا معبود صرف ایک ہے پس اسی کے لئے جھک جاؤ

فَاِنَّهَا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا

مَنَافِعُ یعنی مناسک حج کے ادا کرنے میں تمہارے لئے فوائد ہیں یا قربانی کے جانوروں میں تمہارے لئے ایک وقت معین تک فوائد ہیں یعنی سوار ہونا اور دودھ پینا وغیرہ اور یہ اُس وقت تک ہیں جب تک ذبح یا نحر نہ ہو جائیں اور اگر شعائر کا معنی دین ہو تو منفعت سے اُخروی فائدہ مُراد ہے اجل مسمّی تک یعنی قیامت کے دن تک۔

مَحِلُّهَا۔ اگر شعائر کا معنی مناسک ہوں تو محل کا معنی ہوگا، احرام حج سے حلال ہونے کا مقام یعنی بیت اللہ کہ وہاں آخری اعمال بجالا کر محل ہو جائے اور اگر شعائر کا معنی قربانی ہو تو محل کا معنی قربان گاہ ہوگا۔ پس اگر قربانی عمرہ کی ہو تو محل بیت اللہ کا قرب ہوگا اور اگر قربانی حج کی ہو تو محل منیٰ ہوگا اور اگر شعائر کا معنی مطلق دین ہو تو یہاں مضاف محذوف ماننا ہوگا یعنی دین کے بعض اعمال کا محل کعبہ ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) ہر گذشتہ دور میں ہم نے اہل ایمان کے لئے ذبح کرنا عبادت قرار دیا (۲) ہر اُمّت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی (۳) ہر اُمّت مسلمہ کے لئے ہم نے ایک جائے عبادت مقرر کی جس کا وہ قصد کریں (۴) ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہم نے ایک شریعت بنائی۔

لِيَذْكُرُوْا۔ آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنا صرف امّت مسلمہ میں رائج نہیں ہوا بلکہ پہلی امتوں میں بھی اس کا رواج عام تھا نیز ذبح ہونے والے جانور پر اللہ کا نام لینا بھی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

اور خوشخبری دو ماننے والوں کو وہ جو اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ جائیں

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ

اور صبر کرنے والے ہوں اوپر ان (مصائب) کے جو ان کو پہنچیں اور قائم کرنیوالے ہوں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ

اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہوں (نیک کاموں پر) اور (قربانی کے) موٹے اونٹوں کو کیا ہم نے تمہارے لئے

شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ

شعائر اللہ میں سے کہ ان میں تمہاری بہتری ہے پس یاد کرو اللہ کا نام ان پر قیام کی حالت میں

فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ مقصد یہ ہے کہ ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام لیا جائے کسی دوسرے نام کا بوقت ذبح ذکر کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے ذبیحہ حلال ہو سکتا ہے۔ ہم نے تفسیر کی پانچویں جلد کے اوائل میں ذبیحہ پر اللہ کے نام کے ذکر کرنے کی عقلی و منطقی وجوہات بیان کی ہیں۔ اور حلیت و حرمت کے مسئلہ پر قدرے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے جو صاحبانِ بصیرت اصحاب کے لئے زیادتی ایمان وایقان اور اضافۂ عرفان کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

اَلْمُخْبِتِيْنَ۔ اخبات کا معنی خضوع واطمینان ہوتا ہے اور یہ خبت سے ہے جس کا معنی ہموار و پست زمین ہوا کرتا ہے۔ تواضع اور خضوع کرنے والوں کی اللہ نے چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں (۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دل خوف زدہ ہوں (۲) آنے والی مصیبت پر صبر و حوصلہ سے کام لیں (۳) نمازیں قائم کریں (۴) اللہ کے دئیے ہوئے رزق سے حقوق واجبہ ادا کریں۔ مثلاً زکوٰۃ و خمس وغیرہ۔

وَالْبُدْنَ۔ یہ بدنۃ کی جمع ہے اور اس کا لغوی ترجمہ ہے موٹے جانور کیونکہ تبدین کا معنی پالنا اور موٹا کرنا ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال علی الاطلاق موٹے اونٹوں پر ہوا کرتا ہے اور بعضوں نے یہاں مطلق قربانی کا جانور بھی مراد لیا ہے۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ مضاف محذوف ہے یعنی شعائر دین اللہ یعنی اونٹوں کا نحر کرنا اور قربانی کر کے مساکین کو کھلانا اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہے اور اس میں انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

صَوَآفَّ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی قرأت صوافن منقول ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صواف کا مطلب یہ ہے کہ پہنچیوں میں سے گھٹنوں تک اس کے اگلے پاؤں کو باندھا جائے اور قبلہ رو کھڑے

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ

پس جب گر جائے زمین پر تو خود کھاؤ اس سے اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور سوال کرنے والے کو

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لَنْ يَّنَالَ

اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس کا شکر کرو نہیں پہنچتا اللہ کو

اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

ان کا گوشت اور نہ ان کا خون بلکہ پہنچتا ہے اس کو تقوےٰ

ہوئے اس کو نحر کرنا چاہیئے اور باقی حیوانوں کے ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ گائے بھینس وغیرہ کو قبلہ رُخ لٹا کر اس کے اگلے اور پچھلے پاؤں باندھے جائیں اور دُم کو آزاد رکھا جائے اور بھیڑ بکری کے دو لگلے اور ایک پچھلا پاؤں باندھا جائے اور اگر صَوَافَّ پڑھا جائے تو صَفَنَ الفرس سے ماخوذ ہو گا اور صَفَنَ کا معنی ہے تین ٹانگوں پر کھڑا ہونا اور جب نحر کے لئے اونٹ کا ایک پاؤں باندھا جائے گا تو وہ بھی تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گا۔

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ وجوب کا معنی ہے گرجانا اسی لئے وجب الشمس سورج کے غروب پر بولا جاتا ہے جنوب جمع ہے جنب کی۔ یعنی جب اس کے پہلو زمین پر آجائیں اور وہ دم توڑ کر ساکن ہو جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی سے کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے کیونکہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے۔

وَاَطْعِمُوْا۔ قانع اور معتر کے معانی میں اقوال ہیں (۱) قانع وہ ہے جو دی ہوئی شئے پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معتروہ ہے جو کچھ لینے کے لئے سامنے آئے (۲) قانع وہ ہے جو سوال کرے اور معتروہ ہے جو سامنے آئے اور منہ سے سوال نہ کرے (۳) صادقین علیہما السلام سے منقول ہے قانع وہ ہے جو دی ہوئی شئی پر قناعت کرے نہ ناراض ہو نہ منہ ٹیڑھا کرے اور نہ غصہ سے باچھیں ترچھی کرے اور معتروہ ہے جو پاس سے آکر گذرے تاکہ کچھ مل جائے اور مروی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ قانع اور معتر یعنی غریبوں مسکینوں اور سوال کرنے والوں کے لئے اور ایک تہائی اپنے احباب کے لئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک تہائی اہل وعیال کے لئے۔ دوسری تہائی قانع کے لئے اور تیسری مساکین کے لئے مخصوص کرے اور آیت نمبر ۲۸ میں قانع و معتر کی جگہ اَلْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (بدحال فقیر) ذکر کیا گیا ہے[۳۶]

سَخَّرْنٰهَا۔ یعنی ہم نے ان حیوانوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ ان پر سواری کرو یا بار برداری میں استعمال کرو یا ذبح اور نحر کرکے کھاؤ اور اس کا حق شکر یہ ہے کہ اپنے خالق کی رضا کو ہر حال میں ملحوظ رکھتے ہوئے ماتحت حیوانوں سے خدمت لو۔

لَنْ يَّنَالَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانی کے بعد اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔ پس ارشاد ہوا کہ اللہ کو ان قربانیو

مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ

تمہارا اسی طرح ان کو تمہارے لئے مطیع کیا تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو اس پر جو اس نے تم کو ہدایت کی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ

اور خوشخبری دو نیکی کرنے والوں کو تحقیق اللہ دفاع کرتا ہے ان کی جانب سے جو مومن ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ

تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہر خیانت کرنے والے متکبر کو اجازت دی گئی ان کو جو لڑ رہے ہیں

بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

کیونکہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور تحقیق اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے

کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا خلوص اور تقویٰ اس کی بارگاہ میں تمہارے تقرب کا باعث ہو سکتا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت علل الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قربانی کا پہلا قطرۂ خون جب زمین پر گرتا ہے تو خداوند کریم قربانی کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور خداوند کریم تقویٰ کرنے والوں کو جانتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس نے ہابیل کی قربانی کو قبول فرمایا اور قابیل کی قربانی کو رد کر دیا۔

لِتُكَبِّرُوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تکبیر کہنا مکہ میں پندرہ نمازوں کے بعد مستحب ہے۔ دس ذوالحجہ کی نماز سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی نماز صبح تک اور باقی شہروں میں دس نمازوں کے بعد یعنی دسویں کی ظہر سے بارہویں کی صبح تک اور اس کا طریقہ آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ ص ۲۶

يُدَافِعُ۔ دفع کی تحقیق اور جذب و دفع کی عقلی و فلسفی مصلحت پر ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص ۱۲۵ تا ص ۱۳۰ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

أُذِنَ۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مکہ کی زندگی میں کفار مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتے تھے۔ کسی طرف سے کوئی زخمی اور کسی طرف سے کوئی مضروب خدمتِ نبویؐ میں شکایت لے کر پہنچتا تھا تو آپ یہی فرماتے تھے کہ ابھی مجھے جہاد کی اجازت نہیں ملی ہے لہذا تم لوگ صبر سے وقت گذارو۔ حتیٰ کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مصداق حضرت علی حمزہ و جعفر طیار ہیں اور اس کی تاویل بعد میں جاری ہے۔

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا

نکالے گئے ناحق صرف اس لئے کہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرنا ہوتا اللہ کا

دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعے تو گرائے جاتے صومعے گرجے عبادت خانے

وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَ

اور مساجد جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے بسا اوقات اور

لَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ

مدد کرتا ہے اللہ اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے تحقیق اللہ قادر غالب ہے وہ لوگ کہ اگر

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عامہ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآبؐ کیلئے اتری ہے جب کہ قریش مکہ نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور رسوائے اس کے نہیں کہ یہ آیت حضرت قائم آل محمدؐ کے لئے ہے۔ جب کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کے انتقام کے لئے تشریف لائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم خون کے وارث ہیں۔ ظاہراً مقصد یہ ہے کہ آیت مجیدہ صرف شان نزول تک محدود نہیں بلکہ اس کی تاویل حضرت قائم علیہ السلام تک جاری رہے گی۔ پس حضرت رسالت مآبؐ اس آیت کے ظاہری و تنزیلی مصداق تھے اور حضرت قائم علیہ السلام اس کے باطنی اور تاویلی مصداق ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مہاجرین کے حق میں جاری ہے جو بلاوجہ گھروں سے جلاوطنی پر مجبور کئے گئے یعنی مہاجرین آیت کے ظاہری مصداق تھے اور آل محمدؐ اس کے باطنی مصداق ہیں۔

صَوَامِعُ۔ یعنی نصرانیوں کے عبادت خانے یہ صَوْمعہ کی جمع ہے اور بِیَعٌ یہودیوں کے عبادت خانے اور صلوات کا معنی مسلمانوں کی نماز گاہیں یعنی مجاز مرسل کے طریقہ پر مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے صوامع اور بیع دونوں کو نصرانیوں کے عبادت خانے کہا ہے کہ بیع سے شہری عبادت خانے (گرجے) مراد ہے اور صوامع وہ عبادت خانے ہیں جو پہاڑوں اور ویرانوں میں الگ عبادت کے لئے بناتے تھے۔ پس اس صورت میں صَلَوات کا معنی یہودیوں کے عبادت خانے ہوگا۔ اور مساجد سے مسلمانوں کے عبادت خانے مراد ہوں گے۔ مقصد یہ کہ اگر خدا ہر دور میں اہل ایمان کی نصرت نہ فرماتا تو ہر زمانہ کے

إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا

ہم ان کو غلبہ دیتے زمین میں تو وہ قائم کرتے نماز کو اور دیتے زکوٰۃ اور امر کرتے

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ۝۴۱ وَإِنْ

نیکی کا اور منع کرتے برائی سے اور اللہ کے لئے ہے انجام تمام امور کا ۔اور اگر یہ

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝۴۲ وَ

لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور

قَوْمُ إِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳ وَّأَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور جھٹلایا گیا موسےٰ کو

فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴ فَكَأَيِّنْ

پس ہم نے ڈھیل دی کافروں کو پھر پکڑ لیا تو کس قدر سخت پکڑا ؟ پس کتنی

بے دین لوگ اپنے زمانہ کے دیندار طبقہ کی عبادت گاہیں مسمار کرنے پر قادر ہو جاتے لیکن اللہ کی نصرت چونکہ شامل حال رہتی ہے لہذا ہر زمانہ میں اہل ایمان اپنے ایمانی فرائض کی انجام دہی پر موفق رہتے ہیں اور یہ اللہ کا احسان وکرم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ تمکین کا معنی ہے ہر اس چیز کا عطا کرنا جس پر فعل کا صدور موقوف ہو۔ مثلاً اگر فعل کسی آلہ کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ آلہ عطا کرنا اور اگر فعل علم کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ علم عطا کرنا اور اگر وہ فعل طاقت وقوت سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو اس قوت کا عطا کرنا تمکین ہوگا۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ خداوند کریم حضرت مہدیؑ اور اس کے اصحاب کو زمین کی مشرق ومغرب کی سلطنت عطا فرمائے گا۔ پس دین غالب ہوگا اور اس کے ذریعے سے خدا باطل پرست اور بدعت کے پجاریوں کو تباہ کرے گا۔ جس طرح ان لوگوں نے حق کو تباہ کیا حتےٰ کہ ظلم کا نام ونشان نہ رہے گا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اسی طرح تفسیر مجمع البیان میں بھی آپ سے مروی ہے کہ اس کے مصداق ہم لوگ ہیں۔

نَكِيْرِ۔ یعنی ہم نے ان کے کرتوتوں کا انکار کیا اور سخت طریقہ سے کیا کہ وہ مبتلاء عذاب کر دیئے گئے۔

بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ۔ غیر آباد کنوئیں یعنی ہم نے شہری و دیہاتی حکمرانوں کو اپنے ظلم کے بدلہ میں ختم کر دیا۔ پس غیر آباد کنوئیں دیہاتیوں کی بربادی کا نشان ہیں۔ اور عالی شان محلات کی تباہی کا منظر شہری سلاطین کی بربادی کی یادگار ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ضحاک سے مروی

مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا

اور بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھے پس وہ چھتوں پر گر چکی ہیں

وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

کتنے کنوئیں غیر آباد اور کتنے مضبوط محلات (ویران ہو گئے) کیا نہیں سیر کرتے زمین میں

ہے کہ یہاں اس مخصوص کنوئیں کا ذکر ہے جو حضر موت کے علاقہ کے مشہور شہر حاضوراء میں تھا وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اُمت کے چار ہزار مومن انسان پہنچے۔ اور حضرت صالح ؑ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ پس پہنچتے ہی حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال ہو گیا چنانچہ اس کنوئیں کا نام اسی وجہ سے حضر موت پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں آباد ہوئے اور پھلے پھُولے۔ پس رفتہ رفتہ کفر کی طرف مائل ہوتے گئے اور آخر کار شرک اور بت پرستی کی وباء میں مبتلا ہو گئے۔ خداوند کریم نے ان کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے ایک نبی بھیجا جس کا نام حنظلہ تھا تو انہوں نے اس کو بر سرِ عام بازار میں شہید کر ڈالا۔ پس خدا نے ان پر عذاب نازل کیا وہ سب کے سب مر گئے ان کا آباد کنواں ویران ہو گیا اور ان کے پختہ محلات یادگارِ حسرت رہ گئے۔

آیت مجیدہ کی تاویل اور باطنی مصداق کے متعلق تفسیر اہل بیتؑ میں ہے کہ بئر معطلہ سے مراد وہ عالم ہے جو کسمپرسی کی عالم میں ہو نہ کوئی اس کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے چشمۂ علم سے کوئی سیراب ہونے کی خواہش کرے اور آلِ محمدؐ سے بکثرت روایات وارد ہیں کہ بئر معطلہ کی تاویل امام صامت ہے اور قصر مشید کی تاویل امام ناطق ہے اور تفسیر برہان میں ہے بئر معطلہ امام غائب کی مثال ہے کہ تادم ظہور ان کے فیوض و برکات علمیہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور قصر مشید حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی آئمہ ہیں۔ جن کے علوم کے اثرات چہار دانگ عالم میں منتشر ہو چکے ہیں۔ اور اہل ذوق وقتاً فوقتاً ان سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

بہر کیف قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو اس کے شانِ نزول تک محدود نہیں کیا جا سکتا ورنہ اس کی ہدایات و تعلیمات ایک عرصہ معینہ تک محدود ہو جائیں گی۔ پس اس کی تاویل و باطن کو جاری ماننا عین ایمان ہے۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا۔ اقوام گذشتہ اور امم سالقہ کے واقعات کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ان کے انجامِ بد سے متاثر ہو کر مسلمان ایسے عادات و اطوار سے گریز کریں جو ان کے لئے مہلک ثابت ہوتے۔ پس حالات کا جائزہ لے کر دل میں سوچنے کی کوشش کریں اور کانوں سے سُن کر عبرت حاصل کریں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر انسان کے دل میں بصیرت کی آنکھیں موجود ہوں تو ظاہری آنکھوں کی نابینائی نقصان نہیں دیتی۔ لیکن اگر دل میں بصیرت کا نور نہ ہو تو ظاہری آنکھوں کے کھلا رہنے کے باوجود انسان بات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں زمین کی سیر کرنے

فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا

پس ہو جائیں ان کے دل ایسے کہ سوچیں یا کان ایسے کہ سنیں ان کے ذریعے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾

بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا

اور یہ لوگ تجھ سے جلدی عذاب چاہتے ہیں اور ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدہ کا اور تحقیق

عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ

ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں جن کو

اور واقعات کو سننے کے بعد دل کی بصیرت سے سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔

اِنَّ یَوْمًا۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فقیر لوگ امیر لوگوں سے ایک آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے۔ یعنی پانچ سو سال۔ نیز مروی ہے کہ قیامت کے پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ایک ایک ہزار سال کا ہوگا۔

(۲) جس میں لوگوں سے اپنے اعمال کی بازپرس ہوگی۔

(۳) اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ایک ہزار سال برابر ہیں پس جس طرح وہ ایک دن کی مہلت کے بعد عذاب دے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہزار سال کے بعد بھی گرفتارِ عذاب کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے۔

(۴) اس کے ایک دن کا عذاب دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس طرح بہشتیوں کے لئے ایک دن کا آرام و عیش دنیاوی ہزار سالوں کے برابر ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۴

فِیْ اٰیٰتِنَا ص۴۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فِیْ اِبْطَالِ اٰیَاتِنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری آیات کے باطل کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا ص۴۔ آیت مجیدہ کے شان نزول میں جو روایات وارد ہیں۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اصحاب حدیث

قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ

ہم نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھے پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف انکی باز گشت ہے

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِينَ

کہہ دے اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ ہیں تم کو ڈرانے والا ہوں ظاہر پس جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾

ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے ان کے لئے بخشش اور اچھا رزق ہوگا

کے نزدیک وہ سب مطعون اور ضعیف ہیں۔ کیونکہ ان کا مضمون ایسی بات کو ظاہر کرتا ہے جو شایانِ شان رسالت نہیں انہوں نے سید مرتضےٰ علم الہدےٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء سے جو ان روایات کے مضمون کی تاویل اخذ کی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضورؐ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور یہاں تک پہنچے۔ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ۔ تو حاضرین میں بعض مشرکین بھی موجود تھے اور انہیں پتہ تھا کہ اب ان کی توہین کا کوئی کلمہ آئے گا۔ پس فوراً شیطان نے کسی مشرک کی زبان سے یہ فقرے جاری کروا دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ۔ لوگوں کا جمِّ غفیر تھا۔ جہال نے یہ سمجھ لیا کہ حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے یہ فقرے صادر ہوئے ہیں۔ پس مشرکین خوشی سے بغلیں بجانے لگ گئے اور جب مقامِ سجدہ پر پہنچے تو سب مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے۔ کیونکہ ان کے زعم باطل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپؐ نے بتوں کی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ پس مجمع میں ولید بن مغیرہ مخزومی بھی موجود تھا جو بہت سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے بھی سنگ ریزوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور زمین پر رکھ کر ان پر سجدہ کر لیا۔

پس جبریلؑ یہ آیت لایا۔

رسُول اور نبی میں فرق

آیت مجیدہ میں نبی کا رسول پر عطف کر کے متعدد معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) رسول کے لفظ میں مطلقاً بھیجنے کا مفہوم آتا ہے اور نبی کے لفظ میں بھیجنے کے ساتھ اس کی عظمت و رفعت کا اظہار بھی ہے جیسا کہ لغوی معنی کا تقاضا ہے (۲) رسول وہ ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جس کو بذریعہ خواب وحی ہو۔ پس جو رسول ہوگا وہ نبی ضرور ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو (۳) رسالت ایک مخصوص سفارت کا عہدہ ہے جو کسی مخصوص اُمت کے لئے ہو۔ اور نبوّت عہدہ سفارت نہیں ہے (۴) رسول وہ ہے جو شریعت کے احکام لائے اور اس کا ڈھانچہ تیار کر کے اُمت کے پیش کرے اور نبی وہ ہے جو شریعت کا محافظ ہو۔ اور ہم نے تفسیر

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ کوشش کریں ہماری آیات میں مقابلہ کرتے ہوئے وہ جہنم میں جائیں گے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

اور ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب کوئی خواہش کرے تو دخل دیتا ہے شیطان

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ

اس کی خواہش میں پس مٹاتا ہے اللہ جو دخل دیتا ہے شیطان پھر مضبوط کرتا ہے اپنی آیات کو اور اللہ

کی تیسری جلد ص ۲۲۸ پر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ نیز کتاب لمعۃ الانوار حصہ اوّل صفحہ ۲۲۱ پر بھی تفصیل مذکور ہے۔

اِذَا تَمَنّٰٓى۔ تمنّٰی کے دو معانی بیان کے گئے ہیں۔

(۱) تلاوت کرنا

(۲) خواہش کرنا

پہلے معنی کے لحاظ سے آیت مجیدہ میں جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی ہمارا فرستادہ نبی و رسول ہماری آیات کی تلاوت کرنے لگتا تھا تو شیطان اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے لفظ جوڑ کر کسی کی زبان سے جاری کر دیتا تھا۔ پس کلام خدا میں تحریف و تصحیف اسی شیطانی کھیل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جیسا کہ تورات و انجیل میں ظاہر ہے۔ پس آپ غم زدہ نہ ہوں کیونکہ شیطانی اضافہ کو ہم باطل کر دیں گے اور آیات کو محکم رنگ میں باقی رکھیں گے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب نبی و رسول کچھ بولنا چاہے تو شیطان وسوسے کے طور پر اپنی جانب سے اضافہ پیش کرتا ہے۔ لیکن خدا شیطانی وسوسہ کی اتباع سے نبی کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور اپنی آیات کو محکم قرار دیتا ہے۔ پس اس میں شیطانی تخیلات کو راہ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ آیات کی تلاوت کے دوران میں شیطان کے القاء کردہ کلمات جو بعض مشرکین کی زبان سے جاری ہو گئے۔ خدا نے مومنوں اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ پس ان میں سے صرف وہ افراد متاثر ہوئے جن کے دلوں پر نفاق کی میل موجود تھی یا وہی لوگ خوش ہوئے۔ جو اپنے شرک کو فروغ دینا چاہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو محمدؐ نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کر لیا ہے۔ غرانیق جمع ہے غرنوق کی اور اس کا معنی ہوتا ہے خوبصورت۔ جیسے کہا جاتا ہے شابٌ غرنوق۔ یعنی خوب صورت نوجوان۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ قرأت اہل بیت میں ولا نبیّ کے بعد ولا محدّثٍ کا لفظ بھی تھا۔ راوی نے جب الگ الگ معانی دریافت کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۲﴾ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ

جاننے والا حکمت والا ہے تاکہ بنائے اس کو جو جوڑتا ہے شیطان آزمائش ان کے لئے جن کے دلوں میں بیماری

مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۳﴾

ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور تحقیق ظالم لوگ گہری بدبختی میں ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ

اور تاکہ جان لیں وہ جن کو علم دیا گیا کہ تحقیق یہ (قرآن) حق ہے رب کی جانب سے پس ایمان لائیں پس جھکیں

لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۴﴾

اس کے لئے ان کے دل اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے ان کو جو ایمان لائیں سیدھے راستہ کی

آئے اور بات کرے اور نبی وہ ہے جس پر وحی خواب میں ہو۔ چنانچہ نبوت اور رسالت ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں اور محدّث وہ ہے جو فرشتے کو نہ دیکھے لیکن اس کی آواز سنے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس طرح پہچانے گا کہ یہ آواز فرشتے کی ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پاس خداداد قوت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان سکتا ہے اور آل محمدؐ سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام مُحدّث تھے اور تفسیر برہان میں ہے عورتوں میں سے چار عورتیں محدثہ تھیں (۱) سارہ (۲) مادرِ موسیٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا یعنی ان کے ساتھ فرشتے کلام کرتے تھے۔

لِيَجْعَلَ ص۴۲۔ یعنی شیطانی القاء کو باطل کرنا اور اپنی آیات کو باقی رکھنا منافق لوگوں اور سخت دل مشرکوں کے لئے امتحان کی ایک کٹھن منزل ہے تاکہ وہ القاء شیطانی اور وحی ربانی میں فرق کر کے جادۂ حق پر سوچ سمجھ کر گامزن ہونے کی جرأت کریں۔

لِيَعْلَمَ۔ جس طرح منافق اور مشرک لوگوں کے لئے القاء شیطانی کو باطل کرنا مقام آزمائش ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و ایقان پر خدا واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ حق کی مزید معرفت حاصل کر کے اس پر ڈٹے رہیں تاکہ مخالف ہوا کا تیز سے تیز جھونکا بھی ان کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ پس اُوْتُوا الْعِلْمَ سے ایمان لانے والے لوگ مُراد ہیں۔ اور فَيُؤْمِنُوا کا معنی ایمان لانا نہیں بلکہ ایمان پر ثابت قدم رہنا اور معرفت کا زیادہ ہونا مراد ہے۔

عَقِيمٍ۔ اس کا معنی ہے بانجھ عورت جس کی اولاد نہ ہو اور جنگ بدر کے دن کو یوم عقیم کہا گیا ہے کیونکہ وہ دن کفار مکہ کے لئے سخت عذاب کا دن تھا۔ اور اس میں ان کی کوئی خیر و بھلائی نہ تھی جس طرح بانجھ عورت سے خیر کی اُمید نہیں ہوتی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

ہمیشہ رہتے ہیں وہ جو کافر ہیں شک میں اس سے یہاں تک کہ آئے ان پر قیامت اچانک یا آئے

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ

ان پر عذاب سخت دن کا سلطنت اس دن اللہ کی ہوگی وہ حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

ان میں پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل نیک کریں وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں ہماری آیات کو تو ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہوگا

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں پھر قتل کئے گئے یا مر گئے البتہ رزق دے گا

اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم

ان کو اللہ اچھا رزق اور تحقیق اللہ بہترین رزق دینے والا ہے ضرور ان کو داخل

یَوْمَئِذٍ۔ اس دن سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ مومن جنت میں جائیں گے اور دشمنانِ خدا عذاب اَبدی کی سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۱۵

وَمَنْ عَاقَبَ صفحہ ۴۴۔ یعنی جو بدلہ میں سزا دے۔ جس قدر اس کو دی گئی۔ پس دونو جگہوں پر عقوبت کا اطلاق مجانست کے لئے ہے۔ ورنہ پہل کرنا عقوبت نہیں ہوتا۔ مروی ہے کہ محرم سے ابھی چند دن باقی تھے کہ مشرکین مکہ سے چند مسلمانوں کی ملاقات ہوئی۔ پس مشرکین نے سوچا کہ حرمت والے مہینے میں وہ ہم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ لہٰذا ہم پہل کر کے ان کو قتل کر دیں۔ مسلمان پہلے تو کہتے رہے کہ حرمت والے مہینے میں ہمیں نہ چھیڑو لیکن جب وہ باز نہ آئے تو مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے ان کو ڈھیر کر دیا اور خدا نے ان کو ان پر فتح یاب کر دیا۔ اور آیت مجیدہ میں اسی کا اعلان ہے۔

مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ

کریگا ایسی جگہ کہ وہ اس پر رضامند ہونگے اور تحقیق اللہ جاننے والا حلیم ہے یہ بات ! اور جو تکلیف

عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

دے جتنی تکلیف دیا جائے پھر اس پر سرکشی کی جائے تو ضرور اس کی مدد کرے گا اللہ تحقیق

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے یہ اس لئے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ

اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے یہ اس لئے کہ

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

اللہ ہی حق ہے اور تحقیق وہ جن کو پکارتے ہیں اس کے علاوہ باطل ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ

اور تحقیق اللہ ہی بلند و بزرگ ہے کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

پانی پس ہو جاتی ہے زمین سرسبز تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے

يُوْلِجُ الَّيْلَ ۔ یعنی خدا ایک کو دوسرے پر غالب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ شب و روز کی کمی و بیشی کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر ملاحظہ کیجیے۔

هُوَ الْحَقُّ ۔ یعنی یہ اس لئے ہے کہ وہی تو سچ مچ خدا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر معبود بنائے گئے ہیں سب باطل ہیں۔ پس اللہ کو سب کچھ کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶

اَلَمْ تَرَ ۔ انسان کو اپنے نعمات یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے زمین کی قوتوں کو مطیع کر دیا ہے خواہ از قسم جماد ہوں یا از قسم نبات ہوں اور آجکل کی سائنسی ترقی ارضی مواد کو مسخر کرکے جس ارتقائی منزل

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ

اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تحقیق اللہ غنی قابل تعریف

الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تحقیق اللہ نے مطیع کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتیوں کو

تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ

کہ چلتی ہیں دریا میں اس کے امر سے اور روکتا ہے آسمان کو کہ گرے زمین پر

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ

مگر اس کے اذن سے تحقیق اللہ بندوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے اور وہ وہ ہے

الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

جس نے تم کو زندہ کیا پھر مارے گا پھر جلائے گا تحقیق انسان البتہ انکار کرنیوالا ہے

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ

ہر قوم کے لئے ہم نے بنائی جائے عبادت کہ وہ وہاں عبادت کرتے ہیں پس انہیں تجھ سے نہیں جھگڑنا چاہیئے اس بارے میں

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ

اور بلاؤ طرف رب کے تحقیق تو سیدھی ہدایت پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں

پر پہنچی ہے اسے آخری زینہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ہر بعد میں آنے والا اس سے آگے قدم رکھنے کے لئے زمین کے مخفی خزانوں میں سے جستجو کے بعد مزید آلات واسباب تک راہ پائے گا اور وہ اپنے زمانہ کو روشنی کا دور کہہ کر ہمارے دور کو پرانا زمانہ اور ہماری تہذیب کو پرانی تہذیب کہے گا۔ جس طرح ہم گذشتگان کے لئے یہی الفاظ تجویز کر رہے ہیں اور جس حد پر جا کر انسانی عقول رک جائیں گے۔ حجت خدا کا قدم ان سے آگے ہو گا۔ اور یہی چیز ان کی مادی ترقیوں سے بالاتر ہو کر خارق عادت اور معجزہ کہلائے گی۔ جس کے لئے اس دور کا متمدن اور دانشمند طبقہ گردنیں خم کرنے پر مجبور ہو گا۔ جیسا کہ ہر زمانہ گذشتہ میں ہادیان دین کا طریقہ رہا ہے

مَنْسَكًا۔ اس کا معنی جائے عبادت۔ شریعت۔ قربان گاہ وغیرہ باختلاف اقوال کیا گیا ہے۔

فَقُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا

توکہہ دو کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن جس میں

کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ

تم اختلاف کرتے ہو کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان و زمین

وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ فِیۡ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷۰﴾ وَیَعۡبُدُوۡنَ

میں ہے تحقیق یہ بات لوح محفوظ میں ہے تحقیق یہ اللہ پر آسان ہے اور وہ عبادت

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا وَّمَا لَیۡسَ لَہُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَمَا

کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی کہ نہیں نازل کی اللہ نے اس پر کوئی دلیل اور نہ خود ان کو اس کا کوئی علم ہے اور نہ

فَلَا یُنَازِعُنَّکَ ص۴۵۔ کفار لوگ اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیز کو حلال سمجھتے ہو اور اللہ کی ماری ہوئی شے کو حرام سمجھتے ہو۔ یعنی ذبح کے حکم پر بحث کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے۔ پس خداوند کریم نے ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہم نے اس پر مفصل بحث تفسیر کی پانچویں جلد کی اوائل میں مدلل طور پر کر دی ہے جو منصف مزاج لوگوں کے لئے باعث اطمینان ہے۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ۔ خداوند کریم نے اپنے احکام کی مصلحت کو اپنے علم کا حوالہ دے کر بیان کرنے سے گریز فرمایا ہے اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَیَعۡبُدُوۡنَ۔ یعنی کفار قریش ایسی شئی کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس اس کی کوئی سند ہے۔ اور نہ اپنے پاس اس کی کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ پس اندھا دھند اپنے باپ دادا کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اپنی عبادات میں اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اگر میری خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو جس کی عبادت کرتے ہیں اس کے متعلق میری طرف سے کوئی سند اُن کے پاس ہونی چاہیئے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ان پر آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جائے اور عبادت کا صحیح طریق کار ان کو بتایا جائے تو کفار کے چہروں پر غم و غصہ کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ تلاوت کرنے والوں سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں۔ پس ارشاد فرماتا ہے کہ تم کو اتنی سی بات بُری لگتی ہے۔ حالاں کہ اس سے بھی تمہارے لئے بدتر خبر یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ نہایت بری بازگشت ہے۔ اور روایات اہل بیتؑ میں ان آیات کی تاویل حضرت علیؑ کے حق میں ہے

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ

ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو معلوم کرو گے ان کے چہروں

فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

ہیں جو کافر ہیں انکار قریب ہے کہ حملہ کردیں ان پر جو تلاوت کرتے ہیں ان پر

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ہماری آیتیں کیا میں تم کو اس سے بھی بری بات بتاؤں وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ

كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ

کیا ہے اور وہ بری بازگشت ہے اے لوگو! بیان کی گئی مثال پس اس کو غور سے سنو

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ

تحقیق جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے غیر کو وہ تو نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی اگرچہ سب جمع ہو جائیں

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَـيْـــًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ

اور اگر چھین لے ان سے مکھی کوئی شے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے کمزور ہے طالب

بلکہ قیامت تک ہر باطل پرست کے لئے یہ آیات راہِ حق اختیار کرنے کی دعوتِ عامہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۷ دعوتِ توحید

ضُرِبَ مَثَلٌ۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کفار قریش کا دستور تھا۔ وہ کعبہ کے پاس نصب شدہ بتوں پر عنبر و کستوری مل دیتے تھے یغوث دروازہ کے سامنے یعوق دائیں جانب اور نسر بائیں طرف تھا۔ مسجد میں داخل ہو کر پہلے یغوث کا سجدہ کرتے پھر یعوق کا اور آخر میں نسر کا سجدہ کرتے تھے اور تلبیہ پڑھتے تھے۔ خداوند کریم نے ایک چار پروں والی سبز رنگ کی مکھی بھیجی جس نے بتوں پر ملا ہوا عنبر اور مشک سب چاٹ لیا۔ پس یہ آیت بھیج کر ان کو متنبہ کیا اور اپنی توحید کی دعوت دی کہ جو مل جل کر ایک مکھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے حالانکہ طلب کرنے والی مکھی اور مطلوب بت سب ضعیف و کمزور ہیں تو ایسوں کو میرے مقابلہ میں پوجنا کہاں کی عقلمندی ہے

وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾

اور مطلوب نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو جو پہچاننے کا حق تھا تحقیق اللہ قوت والا غالب ہے

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾

اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے تحقیق اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾

وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور اللہ کی طرف بازگشت ہے معاملات کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

اے وہ لوگ جو ایمان لائے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور کرو

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ ۩ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ

بھلائی تاکہ تم فلاح پاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد

اور طالب ومطلوب سے مراد پجاری اور بت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن کی یہ مثال اور تنبیہ صرف کفارِ مکہ تک محدود نہیں بلکہ تاقیامت ہر مشرک کے لئے درس آموز مثال ہے۔ پس سب کا حاجت روا [illegible] ایک اللہ ہے۔ وہی مشکل میں پکارنے کے لائق ہے اور وہی دے سکتا ہے۔ فرشتے اور رسول اس کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ لیکن کسی کو کچھ دینے اور دے سکنے والا صرف وہی ایک ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے علاوہ حاجت روائی کے لئے کسی نبی یا ولی کو پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی اس بیان کردہ مثال سے درس عبرت حاصل کریں۔ ہم پر اللہ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے اس نے ہمارے لئے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کو وسیلہ مقرر فرمایا ہے۔ اور ہمیں اس وسیلہ سے تمسک کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

اَلْخَیْرَ پہلے رکوع سجود اور عبادت کا بالعموم حکم دیا اور پھر بدنی عبادات کے ساتھ تمدنی نیکیوں کے بجالانے کا حکم صادر فرمایا کہ ہر قسم کی نیکی وبھلائی کا عمل کرو۔ مثلاً دکھوں کی فریادرسی۔ بھوکوں پیاسوں کی خبرگیری۔ کمزوروں۔ محتاجوں کی دست گیری۔ والدین سے احسان اور ہمسایوں سے حسن سلوک وغیرہ

وَجَاهِدُوا۔ ہر برائی سے بچنے کی کوشش اور ہر قسم کی نیکی کی طرف اقدام راہِ خدا میں جہاد ہے بلکہ تلوار ونیزہ کے جہاد کے مقابلہ میں یہ جہاد اکبر ہے۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ

اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور نہیں رکھی اس نے تم پر دین میں کوئی حرج ملت تمہارے

أَبِيكُمْ إِبْرٰهِيمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُونَ

باپ ابراہیم کی اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں تاکہ

الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا

رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ رہو پس قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ

نماز کو اور دو زکوٰۃ اور تمسک رکھو اللہ سے وہ تمہارا مولا ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰

پس وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے

مِلَّةَ أَبِيكُمْ۔ یہاں فعل محذوف ہے یعنی اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کرو۔ اور حضرت ابراہیم کو سب کا باپ کہا گیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت اس طرح واجب ہے جس طرح باپ کی اطاعت بیٹوں پر واجب ہوتی ہے

هُوَ سَمّٰىكُمْ۔ یعنی یہ مسلمان کا نام ان کا تجویز کردہ ہے جب کہ انہوں نے دعا میں کہا تھا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً" اور تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ ان کے حقیقی مصداق آل محمدؐ ہیں۔ پس رسولؐ ان پر گواہ ہے اور وہ باقی امت پر گواہ ہیں۔ حضرت رسالت مآبؐ کی شہادت یہ ہوگی کہ وہ کہیں گے۔ میں نے اپنی شریعت اور اپنا دین ان تک پہنچا دیا تھا اور ان کے حوالے کیا تھا اور ان کی شہادت یہ ہوگی کہ ہم نے رسولؐ کی شریعت کو لوگوں تک ویسے پہنچایا تھا جس طرح ہم تک پہنچی تھی۔ نہ ہم نے اس میں کچھ کمی کی اور نہ زیادتی بلکہ پوری پوری حفاظت کے ساتھ دین کی تبلیغ کی اگرچہ اس سلسلہ میں ہم کو ہر ممکن طریق سے ستایا گیا۔ گھروں سے نکالا گیا قید و بند میں رکھا گیا۔ انسانی آزادی ہم سے سلب کر لی گئی۔ ہر ممکن ظلم ہم پر روا رکھا گیا۔ بچے شہید ہوئے۔ جوان ذبح ہوئے۔ عورتوں کو اسیر کیا گیا۔ اور ایسے مصائب کے پہاڑ ڈھائے گئے کہ تصور کرتے ہوئے دل تھراتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ

تیرے دین کی حفاظت کے لئے ہم نے برداشت کیا اور لوگوں تک صحیح دین پہنچایا۔

۱۸

پارہ

سورہ المؤمنون

یہ سورہ مکیہ ہے۔

اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے اور بسم اللہ کو ملا کر ایک سو انیس ہے۔

۱۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص سورہ مومن کی تلاوت کریگا۔ اس کو فرشتے بروز محشر روح و ریحان کی خوش خبری سنائیں گے اور ملک الموت کی آمد پر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرے گا۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو ہر جمعہ میں سورہ المومنون کی تلاوت کرتا رہے اس کا خاتمہ نیک ہو گا۔ اور فردوس بریں میں اس کی جگہ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہو گی۔

۳۔ جو شخص اس کو لکھ کر شرابی کے گلے میں باندھے تو وہ شراب سے نفرت کرے گا اور پھر کبھی اس کے نزدیک نہ جائے گا بلکہ اس کا نام تک نہ لے گا۔

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو لکھ کر سفید پارچہ میں باندھ کر جس کے گلے میں ڈالی جائے وہ شراب کے کبھی قریب نہ جائے گا۔ بلکہ اس کو مبغوض نگاہوں سے دیکھے گا۔

منقول از خواص القرآن (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ

تحقیق چھٹکارا پایا مومنوں نے جو اپنی نماز میں

رکوع نمبر ا بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد

تفسیر برہان میں بروایت مجالس شیخ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن عباس بن عبدالمطلب یزید بن قعنب اور قریش کے دیگر سر برآوردہ اشخاص بیت اللہ کے سامنے باہمی گفتگو میں مشغول تھے کہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تشریف لائیں اور بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ انہیں دردِ زہ محسوس ہوا تو آسمان کی جانب آنکھ اٹھا کر ان لفظوں میں مناجات کی۔ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور ہر اس شے پر جو تیری طرف سے تیرا رسول لایا ہے اور تیرے تمام نبیوں پر اور کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ اور میں اپنے جد حضرت ابراہیم خلیلؑ کی فرمائشات کی تصدیق کرتی ہوں، اور یہ سمجھتی ہوں کہ انہوں نے تیرے اس مقدس گھر کی تعمیر فرمائی تھی۔ پس میں اس گھر کا گھر کے بنانے والے کا اور اس بچے کا جو میرے شکم میں میرے ساتھ بولتا اور مجھے مانوس رکھتا ہے (مجھے یقین ہے کہ یہ تیری نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگا، کے حق کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ مجھ پر اس کی ولادت کا مرحلہ آسان فرما۔

عباس کہتا ہے فاطمہ بنت اسد کے کلام کرنے اور دعا مانگنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ پشت کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور فاطمہ اندر چلی گئی۔ پس ہم سے غائب ہوگئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ دیوار کعبہ حسب سابق مل گئی باذن پروردگار۔ ہم نے دروازہ کو کھولنا چاہا تاکہ عورتوں کو اندر بھیجیں لیکن وہ نہ کھل سکا۔ پس ہم سمجھے کہ یہ کوئی خدائی راز ہے۔ بی بی متواتر تین دن بیت اللہ کے اندر رہی اور ان دنوں پورے شہر مکہ میں اس بات کا عام چرچا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی زبان پر گلی کوچوں میں بھی یہی ذکر ہوا کرتا تھا اور پردہ نشین مخدرات کا اپنے اپنے گھروں میں موضوع گفتگو یہی قصہ تھا۔ چنانچہ تین دن کے بعد بیت اللہ کی دیوار اسی مقام سے دوبارہ شق ہوئی اور اپنے مقدس ہاتھوں پر سلطان ملک معرفت شہنشاہ اقلیم ولایت اخترِ برجِ امامت اور نیرِ آسمانِ خلافت حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کو اٹھائے ہوئے بی بی کعبہ سے برآمد ہوئی اور اپنی زبان گوہر بار سے چند موتی بکھیرے جن کو درِ شہوار سمجھ کر حاضرین نے اپنے دامن میں لیا۔

(اے لوگو! مجھے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ممتاز فرمایا اور پہلے کی تمام برگزیدہ خواتین پر مجھے کرامت و فضیلت بخشی خدا نے جناب آسیہ بنت مزاحم کو چنا جو چھپ کر ایسے مقام پر اس کی عبادت کرتی تھی کہ اگر مجبوری نہ ہو تو ایسے مقامات پر عبادت کرنے سے اللہ خوش نہیں ہوتا اور مریم بنت عمران پر عیسیٰ کی ولادت آسان ہوئی تو جنگل کی خشک کھجور کو ہلانے سے اس کو تر و تازہ

پھل عطا ہوا۔ اللہ نے مجھے اس پر اور پہلے کی تمام مستورات پر یہ شرف بخشا ہے کہ میرا بچہ اس کے مقدس گھر میں پیدا ہوا اور تین دن متواتر اللہ کی مہمان رہ کر جنت کے دستر خوان سے میوہ ہائے بہشت کھاتی رہی ہوں اور جب بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر میں نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ندائے ہاتف پہنچی۔ اے فاطمہ! اس کا نام علی رکھنا کیونکہ میں علی اعلیٰ ہوں اور اس کو میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے نیز میں نے اپنے درس توحید سے اس کو تعلیم دی ہے اپنے امور شرعیہ اس کے سپرد کئے ہیں اپنے علم سے اس کو بہرہ ور کیا ہے۔ میرے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ سب سے پہلے میرے گھر کی چھت پر بلند ہو کر میرے نام کی اذان کہے گا اور بتوں کو توڑ کر پھینکے گا اور میری عظمت مجد اور توحید کا علم بلند کرے گا اور میرے حبیبؐ کے بعد میری مخلوق کا امام و قائد ہو گا۔ پس اس کے محب و ناصر کے لئے طوبیٰ ہے اور اس کے نافرمان اور منکر حق کے لئے ویل ہے!

حضرت ابو طالب بیٹے کا مژدۂ جانفزا سن کر فرط سرور میں آگے بڑھے تو قرآن ناطق نے اپنے لبہائے نازنین کو جنبش دی۔ پس اسد کردگار نے اپنے والد عالی مقدار کو سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَۃِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اتنے میں سلطان الانبیاء حضرت رسالتؐ پناہ فرطِ مسرت اور جوشِ عقیدت سے اپنی وصی کو بیت اللہ سے لینے کے لئے تشریف آور ہوئے تو اللہ کے گھر سے آنے والے نووارد مہمان نے آنکھیں کھولیں اور سید الانبیاء کو اپنے لئے چشم براہ دیکھ کر فرطِ انبساط سے ماں کے ہاتھوں پر جھومنے لگے۔ پس رسالت کی آنکھ سے آنکھ ملا کر مسکراتے ہوئے عقیدتمندانہ سلام عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ پھر تنحنح کر کے قرآن ناطق نے قرآن صامت کی تلاوت شروع کر دی۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ہُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ۔ الخ۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا بے شک وہ تیری ہی بدولت فلاح و کامیابی حاصل کریں گے اور خدا کی قسم تو ہی ان کا امیر ہو گا اور ان کو علم کی خیرات تجھ سے ہی ملے گی اور تو ہی ان کا ہادی و رہبر ہو گا۔ حضورؐ نے ہاتھوں پر لیا اور جناب فاطمہ سے فرمایا کہ جا کر حضرت حمزہ کو اطلاع دیجئے اور مبارکباد کہئے۔ بی بی نے عرض کی حضور! اگر میں چلی جاؤں تو بچہ کی غذا کا بندوبست کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا میں جو موجود ہوں۔ بی بی نے ازراہِ تعجب پھر دریافت کیا کہ آپؐ اس کو غذا دیں گے؟ فرمایا ہاں میں دوں گا۔ حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے جھک کر دہن مبارک کھولا اور اپنی زبان وحی ترجمان کو علی کے منہ میں رکھا پس علومِ نبوت و رسالت بصورت غذا بہت بارہ چشمے بن کر جاری ہوئے جو فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا کی مکمل تفسیر تھے۔ جب جناب فاطمہ حضرت حمزہ کو علی کی ولادت باسعادت کی نوید مسرت افزا سنا کر واپس پلٹیں تو حضرت علیؑ کے رخ انور سے تا بہ آسمان ایک نور ساطع و لامع دیکھا۔

پس بی بی نے ایک قماط (بندھنا) میں باندھا شیر خدا نے ایک ہی انگڑائی سے اسے توڑ دیا۔ پھر مضبوط کپڑے سے دوبارہ بندھنا باندھا علی نے ایک پہلو بدل کر اس کو بھی توڑ دیا۔ تیسری بار دو کپڑے کے تہہ کر کے باندھا لیکن وہ بھی نہ ٹھہر سکا۔ چوتھی بار تین تہ مضبوط رکھے اور وہ بھی پھٹ گئے۔ پانچویں دفعہ مصری مضبوط کپڑے سے تہ کر کے قماط باندھا تو علی کے زور بازو سے وہ بھی ٹوٹ گیا۔ پس چھٹی مرتبہ ریشمی مضبوط کپڑے کی پانچ تہوں سے باندھا۔ جب وہ بھی ٹوٹ گیا تو ساتویں بار چھ ریشمی کپڑے کے

تھوں کے اوپر ایک چمڑے کا تہ رکھ کر باندھا لیکن علیؑ کی قوت ید اللٰہی کے مقابلہ میں یہ حیلہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ انگڑائی لیتے ہی انہیں توڑ دیا اور ماں کی طرف نظر اٹھا کر اپنی زبان معجز بیان حق ترجمان سے کہا۔ اماں جان! میرے ہاتھ مت باندھیئے کیونکہ میں انگشت شہادت اٹھا کر توحید پروردگار کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت ابوطالب نے یہ سب ماجرا دیکھ کر فرمایا یہ بچہ نرالی شان اور انوکھی آن بان لے کر آیا ہے جس کو آنے والا زمانہ مشاہدہ کرے گا۔

دوسرے دن حضرت رسالت مآبؐ تشریف لائے تو حضرت علیؑ زیارت پیغمبرؐ سے مشرف ہو کر مسکرا دیئے اور شوق وصال میں آپ کی طرف مائل ہوئے تاکہ زبان وحی ترجمان سے لعاب دہن رسالت کی چاشنی کا شرف مکرر حاصل ہو۔ پس حضورؐ نے دست رحمت دراز کئے، علی فوراً گود مادر سے آغوش رسالت میں جا پہنچے اور قرآن کی طرح سینۂ پیغمبرؐ کی حمائل بن گئے۔ اور حضرت ابوطالب نے ولیمہ کیا جس میں تین سو اونٹ نحر کئے اور ایک ہزار گائے و بکریاں ذبح کیں۔ چنانچہ مکہ اور اطراف نواح کے لوگوں کو بالعموم کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کعبہ کا طواف کرو اور میرے عظیم فرزند کی زیارت کر کے اس کا سلام بھی کرو۔ (ملخصاً)

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نے پہلے پہل جنت کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ کلام کر تو پہلے کلام جو جنت نے کی وہ یہ تھی۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

قَدْ کا لفظ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور گذشتہ واقعہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے لیکن بعض اوقات مستقبل میں ہونے والے یقینی واقعہ کو فعل ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے قریب الوقوع ہونے کو ظاہر کیا جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مستقبل قریب میں نماز قائم ہونے والی ہے۔ پس اس مقام پر مقصد یہی ہے کہ مستقبل قریب میں مومن لوگ فلاح پائیں گے۔

خَاشِعُوْنَ۔ یعنی حالت نماز میں حدود نماز کی پوری پوری پاسداری کریں اور اس کے آداب مستحباب اور مکروہات کی رعایت کریں پاؤں اپنے مقام پر صحیح حالت میں ہاتھ اپنی جگہ پر نظر اپنے مقام پر بلکہ نمازی کا ہر عضو مصروف یاد پروردگار ہو۔ مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک نمازی کو حالت نماز میں ڈاڑھی کو خلال کرتے دیکھا تو فرمایا۔ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا دل اگر یاد پروردگار میں مشغول ہو تو باقی اعضاء میں بے راہ روی اور آوارگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اور حضورؐ سے مروی ہے کہ اگر اعضا میں کوئی شخص خشوع کو ظاہر کرے اور دل میں خشوع نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک نفاق شمار ہوتا ہے۔

عَنِ اللَّغْوِ۔ لغو سے مراد ہر وہ قول یا فعل جس کا کوئی فائدہ عقلائی نہ ہو اور ابن عباس سے منقول ہے کہ لغو کا معنی ہے باطل۔ بعضوں نے گناہ یا جھوٹ یا دشنام طرازی کو لغو کا معنی قرار دیا ہے۔ علی حسب الاقوال۔ اور مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے لغو سے اعراض کرنے کا مقصد یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے اوپر بہتان طرازی کرے

خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾

خشوع کرتے ہیں اور وہ جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ

اور وہ جو زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کے محافظ ہوتے ہیں

﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾

مگر اپنی بیویوں سے یا اُن سے جن کے وہ مالک ہوتے ہیں پس وہ قابلِ ملامت نہ ہوں گے

اور ایسی بات بیان کرے جو نبھ میں نہ ہو تو رضاء پروردگار کی خاطر اس سے چشم پوشی کرے اور منقول ہے کہ قریش نے حضرت رسالتمآبؐ اور آپؐ کے صحابہ کو گالی دیتے تھے پس آپ کو ان سے اعراض کرنے کا حکم ہوا۔ ایک روایت میں گانا اور ہر قسم کا کھیل تماشا لغو میں شمار کیا گیا ہے۔

بروایت ارشاد مفید حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے ہر وہ قول جس میں ذکر نہ ہو لغو ہے۔

اعتقادات میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قصّہ خوان لوگوں کا سننا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

تنبیہ۔ اب ذرا چشمِ انصاف سے ببانگِ دہل ایمان کا دعویٰ کرنے والے جنّت کے ٹھیکیدار اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ قرآن کی روشنی میں اپنے اندر ایمان کی قندیل کس حد تک روشن ہے اور مومنوں کی علامات کس قدر موجود ہیں؟ خدا کی قسم دل تھرّاتا ہے۔ جگر کانپتا ہے اور آنکھیں فرطِ غم سے ڈبڈبا جاتی ہے جب دورِ حاضر کی عیاشانہ عزاداری پر نظر اٹھتی ہے جس میں سوائے راگ و رنگ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مجلس کا تقدس یکسر ختم ہو کر رہ گیا ہے اور عزاداری کا وقار برائے نام بھی نہیں رہا۔ مجلس حسین صرف اکھاڑا کی صورت میں باقی ہے۔ بالعموم اس میدان میں قدم رکھنے والے عزاداری کے نام اور اس کے تقدس کی آڑ میں عیاشی و فحاشی کے وہ کھیل کھیلتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کا مہذب طبقہ تو درکنار غیر مہذب افراد کے دل و دماغ میں بھی اس کا تصور تک نہ آتا ہو گا۔

معیارِ مجلس معیارِ عزا معیارِ تقریر معیارِ کامیابی اور معیارِ مقبولیت جو آلِ محمدؐ نے بیان فرمائے تھے ان کے مفاہیم یکسر بدل دیئے گئے۔ بہ ایں ہمہ اچھے ذاکر کا معیار ہے خوش آوازی اور حسن گلوکاری۔ اچھے مقرر کا معیار ہے حاضرین کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے لئے ان کی ذہنی عیاشی کی خاطر چٹکلوں اور تک بندیوں پر مشتمل مضحکات و مبکیات کا مناسب بیان اور اسی طرح اچھے واعظ کا معیار ہے۔ جنت کا سستے داموں فروخت کرنا اور حاضرین کے لئے آتش جہنم حرام قرار دینا یعنی نیک

اعمالی کو سبک ثابت کرنا اور بداعمالی پر جرأت دلانا وعلی ہذا القیاس۔ ایسے روح فرسا اور جگر سوز حالات میں بانیانِ مجلس اور سامعین میں خلوص پیدا ہو تو کیونکر اور احساس مذہب ہو تو کس لیے؟ اگر علمائے حقہ اپنی آنکھیں بند کر کے گوشۂ تنہائی کو اختیار کر لیں۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی ناقابل عفو جرم ہے۔ اور اگر نصیحت کے لئے زبان کھولیں تو پیشہ ور رقاصانِ منبر اپنے لقمہ تر کی خاطر ان کا گلا دبانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی ضرب المثل کے مطابق علمائے ناصحین کو دین دشمن کہہ کر حفاظتِ دین پر اپنی اجارہ داری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

اللہ کے نزدیک مومن کا جو معیار ہے وہ ان آیات مجیدہ میں بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مومن کی پہلی نشانی ہے کہ نماز میں خشوع کرتا ہو اور اس کے برعکس ہمارے معاشرہ میں نماز میں خشوع تو درکنار پکا مومن اس کو سمجھا جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ مجلس منعقد کرالے اور ذاکر مقرر یا واعظ کی حسبِ منشا خدمت کر دے خواہ عمر بھر نماز کا ایک سجدہ بھی ادا نہ کرے مومن کی دوسری نشانی قرآن مجید نے لغو سے اعراض کرنا بتایا ہے اور ہمارے معاشرے میں راگ و رنگ اور گلوکاری کو مجالس عزا کا طرۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے اور جو اس بدعنوانی سے روکے اسے دشمن عزاداری سمجھا جاتا ہے۔ مومن کی تیسری نشانی زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے لیکن ادھر معاملہ کچھ اور ہے عزاداری پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ کرنے والے زکوٰۃ واجبہ اور خمس کے ادا کرنے میں انتہا درجہ کے بخیل ہوتے ہیں حالانکہ مالِ غیر مزکّٰی و غیر مخمس سے خرچ کرنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور ایسے مال سے نہ نذر نیاز مقبول ہوتی ہے نہ عزاداری۔ ایسے بانیان مجلس کو ذاکر و مقرر یا روضہ خوان و واعظ وہی پسند ہے جو بانی مجلس کی خوشنودی کی خاطر منبر حسینی پر زکوٰۃ و خمس کا نام تک نہ لے۔ پس عزاداری پر خرچ کرنے والے کے لئے جنت کی پیشکش ہر مجلس میں کرتا رہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ایک قیراط کے برابر بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو نہ وہ مومن ہے نہ مسلمان اور نہ اس کی نماز مقبول ہے۔ مومن کی چوتھی علامت ہے اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھیں۔ خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور قرآن نے جو معیار اہل ایمان کا مقرر فرمایا ہے خدا ہمیں اس پر پورا اترنے کی توفیق دے۔

فَمَنِ ابْتَغٰی ص۵۷۔ یعنی جو شخص حلال عورت کو کافی نہ سمجھ کر آگے قدم بڑھائے وہ ظالم اور سرکش ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عورتیں مردوں پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہیں (۱) نکاح بمیراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور وہ نکاح دائمی ہے (۲) نکاح بلا میراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور وہ نکاح متعہ ہے (۳) نکاح ملک یمین۔ یعنی وہ عورت جو لونڈی ہو اور جائز طریقہ سے اس کی کنیزی میں داخل ہو گذشتہ زمانہ میں اس کا رواج عام تھا۔ آج کل ہمارے ہاں یہ سلسلہ نہیں ہے۔ بروایت کافی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا متعہ حلال ہے لیکن عفیف اور پاک دامن عورت سے کرو اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حضرت سلمانؓ

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ

پس جو خواہش کرے اس سے آگے تو وہ سرکش و ظالم ہوں گے اور وہ جو

هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ

اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنیوالے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی پابندی

يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

کرتے ہیں ایسے لوگ ہی وارث ہوں گے (جنّت کے) وہ پائیں گے جنّت کو کہ وہ اس میں

سے بھی مروی ہے کہ عورت مرد پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہے۔ نکاح دائمی جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں۔ نکاح متعہ جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور تیسرے ملک یمین یعنی لونڈی جس کو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے۔

لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یہ مومن کی پانچویں علامت ہے کہ وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ امانتیں دو قسم کی ہیں (۱) اللہ کی طرف سے (۲) بندوں کی جانب سے۔ پس اللہ کی طرف سے امانت یہ ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ جملہ عبادت کو صحیح طور پر ادا کرے اور بندوں کی جانب سے امانت مثلاً ودیعت و عاریت خرید و فروخت اور شہادت وغیرہ ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں دیانت داری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَعَهْدِهِمْ۔ یہ مومن کی چھٹی علامت ہے کہ عہد کی وفا کرے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عہد تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) اللہ کے اوامر (۲) نذر و منت (۳) عقود۔ پس مومن پر ان ہر سہ قسم کے عہدوں کا ایفا واجب و لازم ہے اللہ کی طرف سے عائدشدہ احکام کی پاسداری کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ اسی طرح نذر عہد اور قسم وغیرہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوجاتا ہے اور عقود سے مراد نکاح طلاق اور بیع و شرا بلکہ جملہ باہمی معاملات میں انسان کو اپنے عہد و پیمان کا پابند ہونا چاہیئے۔ گویا آیت مجیدہ میں حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق الناس تمام حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے اور انسان کی صحیح معاشرتی زندگی اور کامیاب تمدنی حیات کا راز اسی میں مضمر ہے۔

يُحَافِظُوْنَ۔ مومن کی ساتویں نشانی نماز کی پابندی ہے۔ پہلی نشانی نماز میں خشوع اور آخری نشانی نماز کی پابندی بیان کرکے نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ علامات مومن قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۸۰ بیان کی ہیں۔

اَلْوَارِثُوْنَ ۔یعنی وہ مومن جن میں صفاتِ مذکورہ پائی جائیں گی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور چونکہ وراثت کا اطلاق ایک سے دوسرے کی طرف استحقاق کی بنا پر ملکیت کے منتقل ہونے پر ہوتا ہے۔ مثلاً باپ کے بعد بیٹے کی طرف حق ملکیت کے منتقل ہونے کا نام وراثت ہے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں وراثت کا کیا مطلب ہے جب کہ وہاں موت ہی نہ ہوگی ہے نیز جنت کی آبادی کا سلسلہ ہی اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ عدل الٰہی کے بعد فیصلہ ہو چکے گا۔ پس ایک ہی وقت میں جنتی جنت میں جائیں گے اور کچھ وقفہ کے بعد جانے والے بھی اپنی الگ اور مخصوص جگہوں کی طرف جائیں گے جو انہی کے لئے ہوں گی نہ کسی کی متروکہ ملکیت پر بطور وارث پہنچیں گے اور جنت کا قیام دنیاوی قیام کی طرح نہیں ہے کہ ایک گروہ پہلے آباد ہو پھر ان کے چلے جانے کے بعد دوسروں کو حق رہائش دیا جائے بلکہ وہاں تو سب نے بیک وقت رہنا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو اس کا جواب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر موجود ہیں ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔ پس جو شخص مرنے کے بعد مستحق عذاب ہو اور دوزخ میں چلا جائے تو جنت میں جانے والے اُس کے جنت والے مکان کے وارث ہوں گے۔ اور تفسیر برہان وصافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے جنت میں اور دوزخ میں ایک ایک مکان موجود ہے۔ پس جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے تو ایک منادی کی آواز آئے گی۔ اے جنت والو! سر بلند کر کے دوزخ کی طرف جھانکو۔ چنانچہ ان کو اپنے دوزخ والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نافرمانی کرتے تو تمہارا ٹھکانا ان گھروں میں ہوتا۔ پس اگر خوشی کے مارے وہاں موت ہوتی تو اہل جنت خوشی سے مر جاتے کہ خدا نے ان کو اس دائمی عذاب سے بچا لیا ہے پھر منادی اہل دوزخ کو ندا دے گا کہ سر بلند کر کے اُوپر دیکھو۔ پس ان کو اپنے جنت والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نیک عمل بجا لاتے تو ان گھروں پر تمہاری رہائش ہوتی۔ پس اگر غم کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوتی تو اہل دوزخ جنت کے فراق کے غم میں مر جاتے۔ پس اہل جنت دوزخیوں کے جنت والے گھروں کے وارث ہوں گے اور اہل دوزخ جنتیوں کے دوزخ والے گھروں کے وارث ہوں گے۔ گویا جنتیوں کے لئے یہ امر مزید سرور و انبساط کا موجب ہوگا اور دوزخیوں کے لئے یہ اندوہناک بات باعث زیادتی حسرت وارمان ہوگی اور یہی مضمون تفسیر کی نویں جلد سورہ طٰہٰ میں اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے ص ۱۵۵

انسان کی پیدائش کا ذکر

سُلٰلَةٍ ص ۵۹۔ وہ نچوڑ یا جوہر جو کسی دوسرے جسم سے حاصل کیا جائے اس کو سلالہ کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر بیٹے کو سلالہ یا سلیلہ بھی کہتے ہیں اور انسان کی پیدائش ایک جوہر سے ہے جو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے یہ جوہر یعنی مادۂ منویہ بصورت نطفہ ایک وقت مقرر تک مناسب قرار گاہ یعنی عورت کے رحم میں رہتا ہے پھر اس کے بعد ایک وقت تک وہ نطفہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر ایک مقررہ میعاد تک

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے انسان کو ایک جوہر سے جو مٹی سے

طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا

ہے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ مناسب قرار گاہ (رحم) میں پھر بنایا ہم نے

النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا

نطفہ کو خون بستہ پس بنایا ہم نے خون بستہ کو لوتھڑا پس بنایا اس لوتھڑے سے ہڈیوں کو

وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس قدرت کی صنعت کاری سے اس میں ہڈیاں بنتی ہیں اور ان کو گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے اور اوپر چمڑے کا پردہ دے کر بحکم پروردگار اس میں روح انسان کو داخل کیا جاتا ہے اور وہ ایک نئی مخلوق کا روپ دھار لیتا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے متعدد روایات منقول ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس دن علقہ یعنی خون بستہ پھر چالیس دن مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پس اس کے بعد نر یا مادہ بنتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ لڑکے کے لئے دعا چار ماہ تک مانگی جائے کیونکہ چار ماہ یعنی ایک سو بیس دن پورے ہو جانے کے بعد وہ لڑکا یا لڑکی بن جاتا ہے اور اس میں نفخ روح ہو جاتا ہے۔

حمل کا خون بہا

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح داخل ہونے سے پہلے جنین (بچے) کی دیت ایک سو دینار مقرر کی گئی ہے یعنی اس زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل ساقط کرے تو اس پر ایک سو دینار جنین (بچے) کا خون بہا واجب الادا ہوگا اور منی کے قرار پکڑنے سے جنین بننے تک پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی منزل نطفے کی دوسری منزل علقے کی تیسری منزل میں مضغہ چوتھی منزل میں ہڈیوں کی پیدائش اور پانچویں منزل میں ہڈیوں پر گوشت و پوست کا لباس۔ پس پانچویں منزل کامل ہونے کے بعد وہ جنین کہلاتا ہے اور اس کے ساقط کرنے کی دیت (خون بہا) ایک سو دینار ہے اور اس سے پہلے کی ہر منزل کے لئے بیس دینار ہوں گے۔ چنانچہ نطفے کے اسقاط کی دیت بیس دینار ہوگی، علقے کے ساقط کرنے پر دیت چالیس دینار ہوگی۔ مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہڈیاں پیدا ہونے کے بعد دیت اسی دینار اور گوشت پوست پہن لینے کے بعد ایک سو دینار دیت ہوگی۔ اس کے بعد جب روح داخل ہو جائے اور نیا روپ اختیار کر لے تو اس کے ساقط کرنے کی دیت پورے انسان کا خون بہا یعنی ایک ہزار دینار ہو جائے گی جب کہ وہ مذکر ہو لیکن اگر مونث ہو تو اس کی دیت نصف یعنی پانچ سو دینار ہوگی۔

اگر حاملہ عورت قتل ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ کامل موجود ہو لیکن وہ ساقط نہ ہو۔ پس نہ اس کے مذکر یا مونث

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

پس پہنایا ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک الگ مخلوق پس بابرکت ہے اللہ جو بہترین

الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

خالق ہے پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن

ہونے کا پتہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی موت ماں کی موت سے کے بعد واقع ہوئی ہے یا ساتھ یا پہلے تو اس بچے کی دیت لڑکے اور لڑکی کی دیت سے کے مجموعے کا نصف ہو گی اور اس کے بعد عورت کی پوری دیت اس کے علاوہ واجب ہو گی اور یہ جنیں کی چھٹی منزل ہو گی۔ (پوری دیت)

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے سلیمان بن خالد کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اے فرزند رسول اگر کوئی شخص نطفے کا اسقاط کرے اور اس کے ساتھ ایک خون کا قطرہ بھی نکلے تو اس کی دیت کتنی ہو گی؟ آپ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ کی دیت نطفے کی دیت کا دسواں حصہ ہو گی۔ پس نطفے کے لئے بیس دینار اور قطرۂ خون کے لئے ۲ دو دینار کل بائیس دینار دیت ہو گی۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا اگر خون کے دو قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۴ چوبیس دینار دیت ہو گی۔ میں نے کہا اگر تین قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۶ دینار دینے پڑیں گے میں نے پوچھا اگر چار قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۸ دینار دیت ہو گی۔ پھر میں نے عرض کی اگر پانچ قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا تیس دینار دیت ہو گی۔ اس کے بعد یہی حساب ہو گا۔ پھر جب علقہ ہو جائے تو چالیس دینار ہو جائے گی۔ میں نے پوچھا اگر نطفہ خون سے لتھڑا ہوا ہو تو آپ نے فرمایا اگر خون صاف ہے تو علقہ شمار ہو گا اور دیت چالیس دینار ہو گی لیکن اگر خون سیاہ قسم کا ہے تو وہ رحم کا خون ہو گا اور دیت نطفہ کی بیس دینار رہے گی۔ سائل نے پوچھا اگر علقے میں ایک رگ یا گوشت کی شکل نظر آئے تو آپ نے فرمایا چالیس پر دو بڑھ جائیں گے۔ راوی نے پوچھا کہ چالیس کا دسواں تو ایک دینار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس کا دسواں نہیں بلکہ مضغے کا دسواں حصہ بڑھانا ہو گا اور وہ دو دینار ہیں اور ساٹھ تک یہی حساب رہے گا اور مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہو گی پھر اگر ہڈی پیدا ہونے لگے تو چار دینار بڑھ جائیں گے یہاں تک کہ اسّی دینار تک پہنچ جائے اور راوی نے پوچھا کہ جب ہڈیوں پر گوشت آنا شروع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اسی طرح حساب کرتے جاؤ یہاں تک کہ ایک سو تک پہنچ جائے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو مکا مارے اور بچہ ساقط ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ تھا یا مردہ تو آپ نے فرمایا کہ جب حمل چار ماہ کا ہو جائے تو وہ زندہ ہی ہوتا ہے، لہذا اس کو پوری دیت ادا کرنی پڑے گی۔

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ اسْمَ الْخَلْقِ قَدْ يُطْلَقُ

عَلٰی فِعْلِ غیر اللہ تعالٰی اِلَّا اَنَّ الْحَقِیْقَۃَ فِی الْخَلْقِ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ فقط فَاِنَّ الْمُرَادَ من الْخَلْقِ اِیْجَادُ الشَّیٔ مُقَدَّرًا تَقْدِیْرًا لَا تَفَاوُتَ فِیْہِ وَھٰذَا اِنَّمَا یَکُوْنُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ و تعالٰی وَدَلِیْلُہٗ قَوْلُہٗ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ - ترجمہ - آیت مجیدہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلق کا لفظ بعض اوقات غیر اللہ کے فعل پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقی اطلاق صرف اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے ہی ہے کیونکہ خلق کا معنی ہے شئ کا ایسے انداز سے ایجاد کرنا کہ اس میں کوئی تفاوت نہ ہو اور یہ صرف اللہ سے ہی ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ خود ایک مقام پہ ارشاد فرماتا ہے کہ خلق اور امر صرف اس کی ذات کے لئے ہی ہے۔

بعض اہل منبر سادہ لوح عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کی خاطر اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ کی لفظ کا سہارا لے کر محمدؐ و آل محمدؐ کو خالق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح خیر الرازقین کی لفظ سے ان کا رازق ہونا ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے باقی سب کو پیدا کیا اور خدا نے معاملہ خلق و رزق ان کے سپرد فرمایا ہے۔ مذہب شیعہ میں یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس کا قائل بلاشک و شبہ مشرک و نجس ہے۔ چنانچہ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ اَفْعَالَنَا ثُمَّ یُعَذِّبُنَا عَلَیْھَا فَقَدْ قَالَ بِالْجَبْرِ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَوَّضَ اَمْرَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ اِلٰی حُجَجِہٖ فَقَدْ قَالَ بِالتَّفْوِیْضِ وَالْقَائِلُ بِالْجَبْرِ کَافِرٌ وَالْقَائِلُ بِالتَّفْوِیْضِ مُشْرِکٌ۔ ترجمہ۔ جو شخص یہ کہے کہ خدا خود ہمارے افعال کا خالق ہے۔ اور پھر ہمیں عذاب بھی دے گا تو وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ گمان کرے کہ تحقیق اللہ نے خلق و رزق کا معاملہ اپنے نمایندوں محمدؐ و آل محمدؐ کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے۔ حالانکہ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔ ایک اور مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ اِلَیْنَا الْخَلْقُ وَعَلَیْنَا الرِّزْقُ فَنَحْنُ اِلَیْکَ مِنْہُ بُرَآءٌ کَبَرَاءَۃِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ مِنَ النَّصَارٰی - ترجمہ - اور جو یہ سمجھے کہ خلق و رزق کا معاملہ ہمارے سپرد ہے تو اے اللہ ہم تیری طرف ایسوں سے بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام نصاریٰ سے بیزار تھے۔ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اس موضوع پر کافی تبصرہ کیا ہے اور مشککین کے شبہات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔ نیز مقدمہ تفسیر کے آخر میں بھی اس مسئلہ کو حل کیا ہے جو منصف طبع لوگوں کی تسلی کے لئے کافی ہے۔

دور حاضر کی اندھیر گردی دھاندلی اور دیدہ دلیری کے انتہائی رُوح فرسا بلکہ جان لیوا مصائب میں سے ہے کہ دین خداوندی اپنوں کے ہاتھوں کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے۔ شرک کا نام توحید پرستی کفر کا نام اسلام الحاد و زندقہ کا نام بصیرت و معرفت اور نفاق کا نام ایمان رائج الوقت اصطلاحیں ہیں۔ قریش مکہ کو باچھیں کھول کھول کر مشرک کہنے والے اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے حالانکہ قریشی لوگ اصنام کو وسیلہ قرب خداوندی قرار دے کر ان کی پوجا کرتے تھے ورنہ خلق و رزق اور موت و حیات کے مسائل میں وہ بھی اللہ کو لاشریک مانتے تھے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں غلو آمیز تقریریں کرنے والے آیات متشابہات اور ضعیف

تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ

اٹھائے جاؤ گے — اور تحقیق ہم نے پیدا کئے تمہارے اوپر سات آسمان — اور ہم نہیں مخلوق سے غفلت

غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ

کرنے والے — اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازے سے پس اس کو ٹھہرایا

روایات کا سہارا لیکر جہاں ایک طرف شرک کی نشر و اشاعت کرتے ہیں وہاں درحقیقت محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مذہب کے تقدس کو برباد کرتے ہیں اور قرآن و اسلام کو اہل عقل و دانش کے سامنے سبک کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہوتے ہیں اِس دور میں مسئلہ توحید اپنوں اور بیگانوں کے ظلم کا نشانہ بن چکا ہے۔ دشمنان اسلام تو مسئلہ توحید سے گلوخلاصی کر کے اپنی عیاشیوں رنگ رلیوں اور من مانی کارروائیوں کے آزادانہ رواج کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن پرچم اسلام کے نیچے رہنے والے اور بالخصوص محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنا ہادی و رہبر سمجھنے والے صرف چند ٹکوں کی خاطر اپنے وقار ناپائیدار کے لئے ناخواندہ عوام کی پسماندہ اور غیر مہذب ذہنیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسئلہ توحید سے برسرِ پیکار ہیں۔ بہر کیف اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں وہی تمام کائنات کا خالقِ واحد ہے اگر کسی دوسرے پر خالق کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے تو وہ مجازی ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق بھی وہی اللہ ہے جس نے ان کو اپنی باقی سب مخلوق پر شرافت و کرامت بخشی ہے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ہر آسمان کو طریقہ کہا گیا ہے۔

لِتَطَارُقِهَا۔ کیونکہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں (۲) اس لئے کہ ملائکہ کے گذرنے کے راستے ہیں (۳) اس لئے کہ وہ سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو طریقہ کہا گیا ہے۔ بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ ایک سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے اور اسی طرح زمین سے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہم نے آسمان کے معنی کی تحقیق لمعۃ الانوار میں بیان کی ہے۔

غَافِلِيۡنَ۔ یعنی اس قدر مخلوق کا پیدا کرنا ہماری غفلت اور بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے جان کر اور کسی مصلحت کی بنا پر یہ تخلیقی کارنامہ کیا ہے پس یہ پُر از حکمت نظام اور عجیب و غریب صنعتی استحکام بے حد و حساب مصالح و حکم پر مبنی ہے جن کی گرہوں کو علم و معرفت اور فکر و تدبر کے ناخنوں سے کھولا جاسکتا ہے۔

مَآءًۢ بِقَدَرٍ۔ یعنی ہم نے پانی کو صحیح اندازہ سے نازل کیا اور ہماری حکمت و مصلحت کا جو تقاضا تھا اسی مقدار سے اس کو اتارا اور اس کو زمین میں جگہ دی پس وہ تالابوں میں ٹھہر گیا یا چشموں کے ذریعے سے اُبل پڑا یا دریا و نہر بن کر زمین کی سطح پر جاری ہوا تاکہ زمین پر بسنے والی مخلوق حسب ضرورت اس سے نفع مند ہوسکے۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ

فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ

زمین میں اور ہم اس کو لے جانے پر (بھی) قادر ہیں پس ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ

اس کے ذریعے باغات کھجوروں سے اور انگوروں سے کہ تمہارے لئے ان میں میوہ جات بکثرت ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو

﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ

اور وہ درخت جو نکلتا ہے طور سینا سے اگاتا ہے گھی اور سالن کھانے والوں کے لئے اور

دنیا کے پانچ دریا جنت سے خدا نے اتارے ہیں (۱) سیحون یعنی دریائے سندھ بمعہ اپنے معاونین کے (۲) دریائے جیحون جو بلخ کے علاقہ سے بہتا ہے (۳) دریائے دجلہ (۴) دریائے فرات (۵) دریائے نیل۔ ان پانچوں دریاؤں کو ایک ہی چشمے سے پیدا کیا اور ان میں لوگوں کے لئے متعدد فوائد اور منافع تفویض فرمائے۔

نَخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ۔ میوہ جات میں سے مثال کے طور پر انگوروں اور کھجوروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حجازی لوگ بالعموم ان سے بہرہ ور تھے پس ان کے اذہان سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے ایسے پھلوں کا ذکر کیا جن سے وہ مانوس تھے۔

طُوْرِ سَیْنَآءَ بعضوں نے سِیْنَا اور بعضوں نے سَیْنَاءَ پڑھا ہے اور دونوں قرائتوں میں اس کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے اور اس جگہ درخت سے مراد زیتون ہے۔ نعمات کے تذکرہ میں اس درخت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس سے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اس کے پھل سے گھی برآمد ہوتا ہے جو کافی نفع بخش ہے۔ سِیْنَا کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) اس جگہ کا نام ہے جہاں طور پہاڑ واقع ہے (۲) ایک پتھر مخصوص کا نام ہے کہ پہاڑ بھی اس کی طرف منسوب ہے (۳) بعضوں نے اس کا معنی برکت ذکر کیا ہے کہ وہ برکت والا پہاڑ ہے (۴) طور کا معنی پہاڑ اور سیناء کا معنی درختوں سے سرسبز (۵) طور کا معنی پہاڑ اور سینا کا معنی خوبصورت اور کہتے ہیں یہ وہی پہاڑ ہے جس سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی اور وہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ موسیٰ کے پہاڑ کو طور سینا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر زیتون کے درخت تھے اور جس پہاڑ پر فائدہ مند سبزیاں یا کارآمد درخت ہوں اس کو طور سینا یا طور سینین کہا جاتا ہے ورنہ صرف طور کہلاتا ہے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ پشت کوفہ کی طرف لے جانا جب تمہارے قدم رک جائیں اور سامنے ہوا آجائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور ایک دفعہ غری (نجف اشرف) کا ذکر ہوا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ پہاڑ کا ٹکڑا ہے جس پر موسیٰ کے ساتھ کلام ہوا اور اسی پر عیسیٰ کو تقدیس ملی۔ اور یہیں سے ابراہیمؑ خلیل ہوئے اور حضرت محمدؐ حبیب خدا بنے۔ خدا نے اس جگہ کو تمام

إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ

تحقیق تمہارے لئے چرپایوں میں نصیحت ہے کہ ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور تمہارے لئے ان میں

كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ ع وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

فائدے زیادہ ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو اور تحقیق ہم نے نوح کو

نبیوں کا مسکن بنایا۔ خدا کی قسم اپنے والدین آدم و نوح کے بعد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے زیادہ کریم وہاں کوئی ساکن نہیں ہوا۔

صِبْغٍ۔ اس کا معنی ہے رنگ۔ جب روٹی کا نوالہ سالن میں ڈبویا جاتا ہے تو اس پر سالن کا رنگ چڑھ آتا ہے اس لئے اس مقام پر صبغ سے مُراد سالن ہے۔ پس زیتون سے دو فائدے ہیں ایک تیل کا کام دیتا ہے اور دُوسرے سالن کے کام بھی آتا ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ یہ مُبارک درخت ہے اس کو سالن کی جگہ کھاؤ اور تیل کی جگہ بھی استعمال کیا کرو۔

لَعِبْرَةً۔ یعنی حیوانات میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو خالق کائنات مدبر عالم حضرت حق سبحانہ کی معرفت کے دلائل و براہین ملیں گے۔ مثلاً ان کے پیٹ سے ہم تم کو تازہ دُودھ پینے کے لئے مہیا کرتے ہیں ان سے سواری کا کام لیا جا سکتا ہے۔ باربرداری کے وہ کام آتے ہیں زمین کی آبادکاری میں وہ معاون ہوتے ہیں اور ان کو ذبح کرکے بطور خوراک کے تم استعمال کر سکتے ہو۔ اور ان تمام فوائد کے لئے خدا نے ان کو تمہارے لئے مسخر اور مطیع کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر خشکی کی سیر مطلوب ہو تو حیوانات سے سواری کا کام لو اور اگر سمندروں اور دریاؤں کی سیر کرنا ہو تو کشتیاں تمہارے لئے مطیع ہیں۔ خداوند کریم نے اس پورے رکوع میں اپنے احسانات کی یاددہانی سے اہل ہوش و حواس طبقہ کو اپنی توحید کی معرفت کی دعوت دی ہے اور ارباب عقل و دانش کے لئے اور منصف طبع انسانوں کے لئے اس سے زیادہ قابل قبول ذریعہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

رکوع نمبر۲ حضرت نوحؑ کا ذکر

بَشَرٌ مِثْلُكُمْ صـ۶۵۔ قرآن کی سچی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ کے جہلا نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اور ہر دور میں بارسوخ مقررو لکچرار اپنی چوہدراہٹ کی خاطر نبوت کی تردید میں عوام کو یہی لقمہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ تو ہم جیسا بشر ہے اگر خدا رسول بھیجتا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ پس یہ شخص از خود دعویٰ نبوت کرکے ہمارے اُوپر اپنی بادشاہت اور برتری قائم کرنا چاہتا ہے۔ پس جہلا اپنے مقررین ملاں کے دامِ تزویر میں پھنس کر نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتے تھے ہم نے نور اور بشر کے مسئلہ پر تفسیر کی ساتویں جلد میں صـ۲۰۸ تا صـ۲۱۲ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

مَا سَمِعْنَا صـ۶۵۔ یہ مصیبت بھی ہر زمانہ میں رہی ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کے پیش نظر حق کی معقول بات کو گر

نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط

بھیجا اپنی قوم کی طرف تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی کہ نہیں تمہارے لئے کوئی معبود اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ

کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

مگر بشر تمہاری طرح تم پر برتری رکھنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے

مَلٰٓئِكَةً ج مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ ج اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ

نہیں سنا ہم نے یہ (مسئلہ توحید) اپنے گذشتہ باپ دادا سے نہیں ہے یہ مگر ایک مرد

بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

دیوانہ پس انتظار کرو اس کی ایک وقت تک (نوح نے) کہا اے رب میری امداد کر کہ وہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ

مجھے جھٹلاتے ہیں تو ہم نے اس کو وحی کی کہ کشتی بنا ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے

بلادریغ ٹھکرا دیتے ہیں اور خدا نے اس آبائی تقلید کی قرآن مجید میں متعدد بار تردید فرمائی ہے۔ بہت سے اپنے آپ کو شیعہ کہلوانے والے سنی مسلمانوں کو آبائی تقلید سے باز رکھنے کے لئے قرآن سے استشہاد کرتے ہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی غلط اور ناجائز رسوم اور مشرکانہ عقائد سے روکا جائے تو فوراً اپنے باپ دادا کی تقلید سے لپٹ جاتے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

فَتَرَبَّصُوْا۔ یعنی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اس کی زندگی کا انتظار کرو۔ جب مرے گا تو ہم نجات پالیں گے یا یہ کہ انتظار کرو، شاید اپنے جنون سے اس کو افاقہ مل جائے اور بہکی بہکی باتیں چھوڑ دے۔ یہ ہے حق بات کہنے والوں کے متعلق لوگوں کا نظریہ جس کو قرآن دہرا کر حق کے مبلغین کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے۔ باقی تفسیر جلد ۷ ص ۲۱۵، ص ۲۱۶ پر ملاحظہ کیجئے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ۔ حضرت نوح علیہ السّلام کو پہلے سے منع کر دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے دعا نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السّلام کا فرزند اعلانیہ کافر نہیں تھا بلکہ حضرت نوح ع کے ساتھ ان کی وفاداری کا اظہار کرتا تھا اور کفار کی

وَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ

پس جب آئے ہمارا امر اور جوش مارے تنور تو سوار کرلے اس میں ہر شے سے

زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَا

جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو مگر وہ جن پر حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور نہ

تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ

خطاب کر مجھے ان لوگوں کے بارے میں جو ظالم ہیں تحقیق وہ غرق ہونیوالے ہیں پس جب سوار ہو جاؤ تو اور

وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡفُلۡكِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾

تیرے ساتھی کشتی پر تو کہو حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم سے

وَقُلۡ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىۡ

اور کہو اے رب اتار ہمیں اتارنا مبارک اور تو بہتر اتارنے والا ہے تحقیق اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ

نشانیاں ہیں اور تحقیق ہم آزمانے والے ہیں پھر ہم نے پیدا کیا ان کے بعد ایک

قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۳۱﴾ ۚ فَاَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ

دوسری قوم کو پس بھیجے ہم نے ان میں رسول ان میں سے کہ عبادت کرو اللہ کی کہ

مجلس میں ان کا ہم عقیدہ ہو جاتا تھا۔ پس وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری اسلام کی خاطر ہی حضرت نوح ؑ نے اس کی سفارش کی تھی مسئلہ کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۷ صفحہ ۲۱۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

مُنۡزَلًا۔ یہ مصدر میمی کہلاتا ہے اور مفعول مطلق واقع ہے۔ کسی نئی جگہ انسان پہنچے تو یہ دعا مانگ لیا کرے۔ پس خدا اس جگہ کا شر اس سے دفع کرے گا۔ جیسا کہ حضرت رسالتمآب ؐ سے مروی ہے۔ (صافی)

اَنۡشَاۡنَا۔ یعنی حضرت نوح کی قوم کی غرقابی کے بعد دوسری قومیں ان کی جانشین ہوئیں اور ان میں بھی ہم نے رسول بھیجے۔ مثلاً حضرت ہود اور حضرت صالح وغیرہ اور انہوں نے بھی توحید کا پیغام لوگوں کو سنایا۔

نکتہ لطیفہ حضرت نوح ؑ کی غرق ہونے والی اُمت میں ان کا ایک بیٹا اور ایک بیوی بھی تھے لیکن حضرت نوح ؑ نے بیٹے کے لئے

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ

نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے ؟ اور کہا ان سرداروں نے اس کی قوم سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی حاضری کو اور ہم نے ان کو نعمتیں دی تھیں زندگی دنیا میں

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

کہ نہیں یہ مگر تم جیسا بشر کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم

تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پیتے ہو اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے بشر کی تو تم خسارہ پانے والے ہو گے

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ تم کو ڈراتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ) نکالے جاؤ گے

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

محال ہے محال ہے وہ جس سے تم ڈرائے جاتے ہو نہیں مگر یہی دنیاوی زندگی کہ ہم

سفارش فرمائی اور بیوی کے لئے سفارش نہ کی حالانکہ دونو کا طرزِ عمل ایک تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے نبی کی اہل کو بچا لینے کا وعدہ فرمایا تھا اور بیٹا چونکہ اہل میں داخل ہوتا ہے اور ظاہری طور پر وہ ایمان والوں میں بھی شامل تھا اور نہ وہ آپ کی محبت کا مرکز نہ بنتا اور سفارش کے قابل نہ ہوتا) پس بیٹے کی اہل بیت ہونے کی حیثیت سے سفارش کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا صاف بتلاتا ہے کہ بیٹے اہل بیت ہوتے ہیں لیکن بیویاں اہل بیت نہیں ہوا کرتیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ۔ یعنی حضرت نوح ؑ کے بعد جو بھی رسول آتے رہے ان کی تردید میں قوم کے سردار اور زبان دراز

رکوع نمبر ۳ آدمی لوگوں کو ان کی بشریت پیش کر کے ایمان لانے سے روکتے رہے کہ دیکھو وہ تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ پس ایسے کی ہم اطاعت کیوں کریں۔ اسی قدیمی دستور کے مطابق آجکل کے ناخدا ترس ٹھیکہ دارانِ منبر بھی سادہ لوح عوام کے اذہان میں یہی بات پختہ کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ لہذا رسول کو بشر کہنے والے علماء کا منہ چڑاتے ہیں ان کو وہابی کہہ کر جہاں ان کو بدنام کرتے ہیں وہاں قرآنی آیات کا بھی تمسخر اڑاتے ہیں۔

هَيْهَاتَ۔ اسمائے افعال میں سے ہے جو فعل ماضی کے معنی میں ہے۔

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افْتَرٰى

مرتے اور جیتے ہیں اور ہم نہیں مبعوث ہوں گے (قیامت کو) نہیں وہ مگر ایسا شخص جو بہتان باندھتا ہے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ

اللہ پر جھوٹے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے کہا (رسول نے) اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

کہ مجھے جھٹلاتے ہیں فرمایا عنقریب وہ ضرور ہوں گے پشیمان پس پکڑ لیا

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ

انکو دھماکے نے ساتھ حق کے پس کر دیا ہم نے انکو ہلاک پس دوری ہے ظالم لوگوں کے لئے (رحمت خدا سے) پھر

اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

ہم نے پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں نہیں آگے بڑھتی کوئی قوم اپنی

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا

موت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے پھر ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو متواتر جب بھی آتا

جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ

کسی قوم کے پاس ان کا رسول تو اس کو جھٹلاتے تھے پس ہم ایک قوم کو دوسری قوم کے پیچھے لاتے رہے اور

اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ

کر دیا ہم نے ان کو مثالیں پس دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لاتے (رحمت خدا سے) پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے قائل تھے صرف طریق عبادت ان کا غلط تھا اور اپنے بنائے ہوئے بتوں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے حاجات طلب کرتے اور ان کو مشکل کے وقت سورتے اور پکارتے تھے۔ پس نبی کی حق بیانی اور ہدایت ان کے جذبات کے خلاف تھی لہٰذا اعلان حق کرتے ہی یہ ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

غُثَآءً۔ پانی کے اوپر تیرنے والے تنکوں اور جھاگ کو کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا۔ یعنی قومیں بدلتی رہیں اور ہم یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتے رہے اور ہر قوم کا اپنے نبی و رسول سے وہی وتیرہ رہا۔

هٰرُونَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

ہارون کو اپنی نشانیوں اور برہان ظاہر کے ساتھ طرف فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کے پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے وہ سرکش

عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

لوگ پس کہنے لگے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو انسانوں پر حالانکہ انکی قوم ہماری غلام ہے پس انہوں نے ان کو

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا

جھٹلایا تو ہو گئے ہلاک ہونیوالوں میں اور تحقیق ہم نے دی موسٰی کو کتاب تاکہ وہ ہدایت پائیں اور کیا ہم نے مریم کے

ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور ٹھکانا دیا ہم نے ان کو بلند جگہ جو اچھی رہنے کے قابل اور میٹھے پانی والی تھی

اَحَادِیْث ص۶۸، اُحْدُوْثَه کی جمع ہے یعنی اب وہ ختم ہو گئے اور ان کی باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ پس زندہ اقوام کو ان سے درس حاصل کرنا چاہیئے کہ بعد والوں کے لئے ہماری بھی باتیں ہی باتیں رہ جائیں گی لہذا ایسی زندگی گذاریں کہ بعد والے ہماری اچھی باتیں بیان کرتے رہیں۔

جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ۔ یعنی ہم نے حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کو اپنی نشانی و معجزہ قرار دیا کہ وہ بیٹا بغیر باپ کے تھا اور اس کی ماں بغیر شوہر کے تھی۔ پس عیسٰیؑ کا بیٹا ہونا معجزہ ہے جس طرح کہ مریم کا ماں بننا معجزہ ہے۔

وَاٰوَيْنٰهُمَا۔ جہاں مریم و عیسٰی کو ٹھکانا دیا گیا وہ فلسطین یا مصر یا دمشق یا بیت المقدس تھا۔ چار اقوال ہیں اور پانچواں قول امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ علیہما السلام سے منقول ہے کہ ربوہ سے مراد کوفہ کا گرد و نواح ہے اور قرار سے مراد مسجد کوفہ ہے اور معین سے مراد دریائے فرات ہے۔ (مجمع البیان)

نکتہ علمیہ معین کے متعلق دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) اس کا مادہ اشتقاق عین ہو تو یہ مفعول بروزن مبیعٌ ہوگا۔ پس اس کا موصوف محذوف ماننا پڑیگا یعنی مَاءٌ مَعِيْنٌ (چشمے سے نکلنے والا پانی (۲) اس کا مادہ اشتقاق مَعَنَ يَمْعَنُ کو قرار دیا جائے تو معین بروزن فعیل ماعون کے معنی میں ہوگا۔ جس سے مراد آسان اور تھوڑی چیز لی جاتی ہے اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ جگہ اچھی قرارگاہ ہے اور اس میں زندگی کی آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں۔

امری مخلوق دور حاضر کی کج بحثیوں اور موشگافیوں میں سے محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کا امری مخلوق ہونا زبان زد عوام ہے ایسے مسائل میں پڑنا اگرچہ میرے نزدیک چنداں فائدہ مند نہیں لیکن عوامی رجحان سے یکسر پہلوتہی بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امری مخلوق ہونے کی تین صورتیں ذہن میں آتی ہیں (۱) وہ امر پروردگار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں اگر یہ معنی مراد

ہو تو اس میں کوئی خاص امتیازی شان ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تمام مخلوق امر پروردگار سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ (۲) محمدؐ و آل محمدؐ عنایت الٰہیہ خاصہ کے ماتحت جملہ مخلوق سے بوقت پیدائش نرالی شان وعظمت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے باب النوادر کے اخیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

قال للامام علاماتٌ۔ یکون اعلم الناس و احکم الناس و اتقی الناس و احلم الناس و اشجع الناس و اعبد الناس و اسخی الناس و یولد مختونا و یکون مطهرا و یری من خلفه کما یری من بین یدیه و لا یکون له ظلٌّ و اذا وقع الی الارض من بطن امه وقع علی راحتیه رافعا صوته بالشهادتین و لا یحتلم و ینام عینه و لا ینام قلبه و یکون محدثا و یستوی علیه درع رسول الله و لا یری له بول و لا غائط لان الله عز و جل وکل الارض بابتلاع ما یخرج منه و یکون رائحته اطیب من رائحة المسک و یکون اولی بالناس منهم بانفسهم و اشفق علیهم من آبائهم و امهاتهم و یکون اشد الناس تواضعا لله جل ذکره و یکون اخذ الناس بما یأمر به و اکف الناس عما ینهی عنه و یکون دعاؤه مستجابا حتی انه لو دعا علی صخرة لانشقت بنصفین و یکون عنده سلاح رسول الله و سیفه ذوالفقار و یکون عنده صحیفة فیها اسماء شیعتهم الی یوم القیمة و صحیفة فیها اسماء اعدائهم الی یوم القیمة و تکون عنده الجامعة و هی صحیفة طولها سبعون ذراعا فیها جمیع ما

آپ نے فرمایا امام کی چند نشانیاں ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ عالم، تمام لوگوں سے داناتر، تمام لوگوں سے زیادہ متقی تمام لوگوں سے حلیم تر تمام لوگوں سے زیادہ بہادر، تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گذار اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔ وہ ختنہ شدہ اور پاک وپاکیزہ پیدا ہوتا ہے وہ پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ سامنے دیکھتا ہے اس کا سایہ نہیں ہوتا اور جب ماں کے شکم سے زمین پر آئے تو دونوں ہتھیلیوں کے بل بلند آواز سے کلمہ شہادتین پڑھتا ہے۔ اس کو احتلام نہیں ہوتا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا اس کے ساتھ فرشتے باتیں کرتے ہیں اس کے جسم پر رسالت مآبؐ کی زرہ پوری آتی ہے۔ اس کا پیشاب و پاخانہ کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اللہ نے زمین پر فرض عائد کیا ہے کہ اس سے نکلنے والی ہر چیز کو نگل جائے اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لئے اپنے نفسوں سے بھی اولیٰ ہوتا ہے اور ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اللہ کے سامنے زیادہ انکساری کرتا ہے وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے۔ لوگوں سے زیادہ اس پر عامل ہوتا ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے لوگوں سے زیادہ اس سے خود پرہیز کرتا ہے اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر پتھر پر دعا کرے تو وہ بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کے پاس رسالت مآبؐ کے ہتھیار اور اس کی تلوار ذوالفقار ہوتی ہے اس کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت

يَحْتَاجُ اِلَيْهِ وُلْدُ آدَمَ وَيَكُونُ عِنْدَهُ الْجَفْرُ الْاَكْبَرُ وَالْاَصْغَرُ۔ فِيْهَا جَمِيْعُ الْعُلُوْمِ حَتّٰى اَرْشُ الْخَدْشِ الخبر۔

تک ہونے والے اس کے تمام شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں اور اس کے پاس جامعہ ہے یعنی وہ صحیفہ جس کی لمبائی ستر ذراع ہے اور اس میں تمام وہ امور درج ہیں جن کی طرف بنی آدم کو احتیاج ہوتی ہے اور اس کے پاس جفر اکبر ہے اور جفر اصغر ہے۔۔۔۔ جن میں تمام علوم موجود ہیں حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی۔ الخبر

پس اگر امری مخلوق سے یہ مراد ہے کہ ان کی ولادت ہمارے عام بچوں کی ولادت سے جداگانہ ہے کہ وہ پاک و پاکیزہ ناف بریدہ اور مختون متولد ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کا نشوونما ہمارے بچوں کے نشوونما سے ممتاز ہوتا ہے کہ وہ دنوں میں ہفتوں کے برابر ہفتوں میں مہینوں کے برابر اور مہینوں میں سالوں کے برابر ترقی کرتے ہیں اسی طرح ان کی زندگی کے حالات ہماری زندگی سے مختلف ہوتے ہیں جس طرح کہ روایت متذکرہ بالا میں گذر چکا ہے تو اس طرح ان کے امری مخلوق ہونے میں کوئی کلام نہیں یعنی وہ ایک خاص مخلوق ہیں جو عنایت عالیہ الٰہیہ کے خاص محل و مورد ہیں (۲) امری مخلوق کا تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ عام مخلوق کے عمومی طریق پیدائش اور صلبی و رحمی قیود سے بالاتر ہو کر عالم وجود میں قدم رکھے۔ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے متعلق اس معنی سے امری مخلوق کا قائل ہونا بالکل غلط اور سراسر جھوٹ بلکہ بہتان عظیم ہے کیونکہ ان کا سلسلۂ نسب صحیح طور پر آباء و امہات کے ذریعے سے ان تک پہنچتا ہے۔ بہرکیف اصلاب پاکیزہ ارحام طاہرہ سے ان کا منتقل ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے اور ان کا توالد[1] و تناسل واضح ترین امور میں سے ہے۔

موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ

دیکھئے موجودات عالم کے سلسلۂ پیدائش پر غور کرنے سے انسان حتمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق ایک جیسی نہیں ہے بعض کی پیدائش امر پروردگار سے ہے کہ اس میں تدریج و ترتیب کا کوئی دخل نہیں مثلاً آسمان و زمین اور سورج چاند ستارے پانی ہوا اور اکثر جمادات کی پیدائش اسی طرح ملائکہ و ارواح و انوار وغیرہ کی تخلیق نیز ہر تدریجی اور اسباب و علل کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اشیاء کا فرد اول اور نر و مادہ کے ذریعے سے جنم لینے والی مخلوق کا پہلا جوڑا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ مثلاً انسانوں میں آدم و حوا قوم جنات میں بروایتے مارج و مارجہ یا جو بھی ان کے پہلے ماں باپ ہوں۔ اسی طرح حیوانات کی اقسام میں ہر نوع کا پہلا جوڑا اور نباتات کے اقسام میں سے ہر قسم و نوع کا پہلا فرد صرف امر پروردگار سے کتم عدم سے منصۂ وجود پر پہنچے ہیں اس کے بعد نر و مادہ کے باہمی ارتباط سے یا نباتات میں پہلے فرد کے بیج یا پودوں سے اس کا سلسلۂ نسل قائم ہوا اور بعض کیڑوں مکوڑوں کا مٹی سے یا غلیظ مواد سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی قسم سے قرار دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو علل و اسباب کے ذریعہ سے قدرت کا تدریجی تخلیقی کارنامہ قرار دیا جائے۔

بنا بریں پہلے ماں باپ کے بعد جنات کا سلسلہ اولاد اور آدم و حوا کے بعد انسانوں کا سلسلہ پیدائش اور اسی طرح حیوانات و نباتات کی تخلیق اگرچہ امر پروردگار سے ہے لیکن دستور خداوندی کے ماتحت تدریجی و نسلی بقاء و ارتقاء کے قانون توالد و تناسل

[1] توالد کا معنی باپ بیٹا پوتا پڑپوتا ہونے کا سلسلہ اور تناسل کا معنی نسل بہ نسل سلسلۂ پیدائش (مصنف)

کے ذریعے سے ہے اور اگر ان میں سے کوئی فرد اسباب وعلل کی قیود سے بالاتر ہو کر یا ارحام واصلاب کی بندش سے آزاد ہو کر کسی نبی یا ولی کی دعا سے یا ان کی شوکت وشان کے اظہار کے لئے یا صداقت وحق کی توضیح واعلان کی خاطر یا کسی اور مصلحت واقعیہ کے ماتحت امرِ خداوندی سے معرضِ ظہور میں آئے تو اس کو زبان شرع میں معجزہ کہا جاتا ہے اسی بنا پر آیت مجیدہ نمبر ۵۰ میں ارشاد ہے جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً "یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو آیت (معجزہ) قرار دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ذاتِ پروردگار کا وہ تخلیقی کارنامہ ہے جو اسباب وعلل کے قانون سے مستثنیٰ اور صلبِ پدر سے بے نیاز ہونے کے لحاظ سے امری تخلیق کہلانے کا سزاوار ہے جس طرح کہ خود آدم وحوّا اسی امری تخلیق کے مظہر ہیں اور حضرت مریمؑ کو اس لئے معجزہ کہا گیا ہے کہ وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہوئیں۔ پس چونکہ ان کا حمل علل واسباب سے بالاتر ہے۔ لہٰذا اس کو امری کہا جا سکتا ہے اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ والاذُنبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا وغیرہ امری تخلیقی کارنامے ہیں لہٰذا ان کو معجزہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرات محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی پیدائش چونکہ اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ کے ذریعے سے ہے لہٰذا وہ امری نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ ان کی خلقت نوری امری ہے اور خلقتِ جسمانی بھی اس معنی سے امری ہے کہ وہ عنایت الٰہیہ خاصہ کے مورد ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی فضل وکمال میں ان تک تو بجائے خود ان کی گرد راہ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا۔ لبعض عبا دقبا میں ملبوس جبہ وعمامہ کے حاملین کہ علمی میدان میں پیش قدمی کرنے سے ان کے پاؤں لنگ اور حقائق بیانی کے لئے اظہار واقع سے ان کی زبان گنگ ہے وہ صرف رقص منبری اور چرب لسانی سے عوام کو مسحور کر کے اپنے وقار کی پاسبانی کرتے ہوئے اور ان کے سادہ دماغوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ امری مخلوق ہو سکتا ہے تو محمدؐ وآل محمدؐ امری مخلوق کیوں نہیں ہو سکتے۔ یہ عقل کے اندھے نہیں سوچتے کہ بحث ہو سکنے میں نہیں بلکہ ہونے نہ ہونے میں ہے۔ ہم کہتے ہیں محمدؐ وآل محمدؐ تو بجائے خود اگر خدا چاہتا تو ساری کائنات کو علل واسباب کے بغیر امری طور پر پیدا کرتا وہ ایسا کرنے پر قادر ہے پس محمدؐ وآل محمدؐ بھی امری مخلوق ہو سکتے ہے لیکن ہے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان کے آباء وامہات کا سلسلہ صحیح طور پر حضرت آدم و حوّا تک پہنچتا ہے جس طرح کہ ان کی اولاد کا سلسلۂ نسب ان تک پہنچتا ہے۔

رقاصانِ منبر اور جاہل ذاکروں نے عوام کے اذہان میں یہ بات راسخ کی ہوئی ہے کہ مرد وعورت کا ہمبستر ہونا ایک عیب ہے اور انبیاء وآئمہ چونکہ عیوب سے پاک وپاکیزہ ہیں لہٰذا ہمبستر ہونے کے عیب سے بھی وہ پاک ہیں پس وہ امری مخلوق ہیں۔ ایسی بے تکی باتوں سے عقل کا ناطقہ بند اور طائر ہوش وخرد منقار زیر پر نظر آتا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ مرد نامرد کہلاتا ہے جس میں قوتِ مردمی نہ ہو اور جنسی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح عورت کے عیوب میں سے بھی بدترین عیب یہ ہے کہ اس میں جنسی خواہش کا فقدان ہو۔ پس جنسی خواہش کا زن ومرد میں موجود ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے ہاں اس خواہش کا غلط استعمال کرنا نقص اور عیب ہے۔ جس سے خدا کے برگزیدہ بندے انبیاء واولیاء وصلحا منزہ ومبرا ہوا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ

محمدؐ و اہل بیت محمدؐ رجس سے پاک و منزہ ہیں لیکن شادی کرنا ہمبستر ہونا گھریلو میاں بیوی کے تعلقات قائم کرنا اولاد ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ رجس نہیں بلکہ انسانی فرائض میں سے ہے اور معاشرہ کی اہم ضروریات میں سے ہے جس کی اصلاح کے وہ علمبردار تھے۔

نیز وہ یہ نہیں سوچتے کہ جناب رسالت مآبؐ کے والدین جناب آمنہ و جناب عبداللہ اسی طرح حضرت علیؑ کے والدین جناب فاطمہ و جناب ابوطالب پھر ان کے والدین تا آدم و حوا یہ سب کے سب زن و مرد نبی یا امام تو نہ تھے۔ پس ان کا سلسلہ پیدائش و افزائش کس طرح قائم رہا۔ پس جب ان کے آباء و امہات کے لئے میاں بیوی کے مخصوص تعلقات عیب نہ تھے تو ان کے لئے وہی تعلقات عیب کیسے بن گئے؟ پھر ان کی تا قیامت اولاد کے لئے وہی جنسی تعلقات عیب کیوں نہ قرار دیئے گئے؟ اگر کہا جائے کہ یہ چیز صرف معصوم کے لئے عیب ہے تو حضرت آدمؑ بھی معصوم تھے۔ پس خدا نے حضرت حوا کو اس معصوم کے لئے کیوں پیدا کیا جب کہ ان کے تعلقات باعث عیب تھے۔ پھر ہر زمانہ چونکہ حجت خدا سے تو خالی ہو نہیں سکتا لہٰذا ہر زمانہ کے نبی اگر اس مفروضہ عیب سے خالی تھے تو ہر اُمّت کے لئے اس عیب کو روا کیوں رکھا گیا۔ جب کہ انبیاء کی بعثت ہی دینی اخلاقی معاشرتی عیوب سے لوگوں کو بچانے کے لئے ہوتی ہے اس لحاظ سے تو انبیاء کی شادیوں کا قصہ بھی معرض انکار میں آجائے گا اور لُطف یہ کہ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی شادیوں کا انکار کارے دارد کا مصداق ہے حضرت رسالت مآبؐ کی چودہ یا اس سے زیادہ شادیاں ثابت ہیں اور حقوق ازواج کی پاسداری کی روایات حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور جناب بتول معظمہ سلام اللہ علیہا کی شادی پر قوم شیعہ آج تک نازاں ہے کہ عرش بریں پر ان کی شادی کی خوشی منائی گئی تھی۔ اسی طرح باقی تمام آئمہ نے شادیاں کیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے مصلحتِ وقت کے ماتحت کافی شادیاں کیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر ان تمام چیزوں کو مفروضہ قرار دیا جائے تو اساسِ مذہب ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حق ہے تو ثابت ہو گا کہ نہ شادی کرنا اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا باعث عیب ہے اور نہ شادی کے ذریعے سے پیدا ہونا باعث عیب ہے۔ ورنہ اگر یہ امر باعثِ عیب ہوتا تو انبیاء و آئمہ خود شادیاں نہ کرتے اور اپنی امت کے زن و مرد کو اس سے پُرزور روکتے اور بصورتِ دیگر کسی کی شادی پر خوش نہ ہوتے اور غسلِ جنابت کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سُنّت سے اعراض کرے وہ میری اُمّت سے نہیں ہے اسی طرح فرمایا۔ تَنَاکَحُوْا تَنَاسَلُوْا۔ نکاح کرو اور اپنی نسل بڑھاؤ۔ کیونکہ یہ چیز بروزِ محشر میرے لئے باعثِ فخر ہو گی وغیرہ نیز آجکل کے سادات کی عزت اور ان کا احترام علوی و فاطمی خون کے لحاظ سے ہے اگر آئمہ کا صُلب سے رحم کی طرف خون کے نقل و انتقال کا انکار کیا جائے تو نسلِ فاطمی کا سرے سے انکار لازم آئے گا اور جو لوگ نسل فاطمہؑ سے ہیں ان کے وقار و احترام میں فرق آجائے گا۔ نیز ان کے لئے صدقہ غیر سید کی حرمت اور خمس کی حلیت اسی نسلی اور خونی شرف کی بدولت ہے۔ نیز اگر ان کی شادی ازدواجی زندگی کے قیام کے لئے نہیں

تو بلا وجہ متعدد عورتوں کو اپنے نکاح کی قید میں رکھنا جس بے جا کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اگر ان کے درمیان باہمی ہمبستری کے تعلقات قائم نہ ہوں تو ازواج پیغمبرؐ کو امہات المومنین کہنا فضول ہو گا اور امت کے مردوں پر ان کا حرام ہونا جہاں ایک طرف بالکل بے بنیاد بنتا ہے وہاں دوسری طرف ان منکوحہ عورتوں کو عمر بھر کے لئے انسانی معاشرتی جائز حقوق سے محروم کرنا بھی لازم آتا ہے۔ پس اس ساری تفصیل و توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام آدم و حوا و عیسیٰ علیہ السلام کی طرح امری مخلوق نہیں اور ان کا ان پر قیاس کرنا بے تکی ہانکنے کے مترادف ہے۔ پس حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنت اسد حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی والدین ہیں۔ آپ جس طرح حضرت ابوطالب کے صلب میں رہے اسی طرح جناب فاطمہ کے رحم میں رہے اور بیت اللہ میں ان کی ولادت حد تواتر کو پہنچتی ہے اور شیعہ حضرت ابوطالب کا ایمان اسی لئے تو ثابت کرتے ہیں کہ یہ پاک نور ناپاک صلب میں نہیں رہا اور نہ کبھی ناپاک رحم میں منتقل ہوا۔

ہمیں ایک ایسے جاہل شخص سے گفتگو کا موقعہ ملا جسے عوام کالانعام نے اس کی چرب لسانی کی بدولت بڑا عالم سمجھ رکھا تھا حالانکہ منبر پر ادھر اُدھر کی چند بے تکیاں ہانک کر جذباتی نعروں کے ذریعے اچھلنے اچھالنے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا۔ اور سراسر مذہب اور اہل مذہب کی قدروں سے ناواقف تھا۔ اُس نے واشگاف لفظوں میں حضرت ابوطالب کے نطفے سے حضرت علیؑ کے پیدا ہونے کا انکار کر دیا اور علماء سے عوام کو متنفر کرنے کے لئے اُوپر یہ فقرہ کس دیا کہ دیکھو علماء حضرت علیؑ کو نجس اور گندے نطفے کی پیداوار جانتے ہیں۔ میں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت علیؑ کی پیدائش کا انکار نہ کرو اور حضرت ابوطالب کو حضرت علیؑ کا باپ ماننے سے گریز نہ کرو کیونکہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے باپ کا ماننا کفر ہے، اسی طرح حضرت علیؑ کے لئے باپ کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں حضرت علی کی توہین ہے تو وہ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے باپ کا ماننا تو یقیناً کفر ہے کیونکہ قرآن کا انکار لازم آتا ہے لیکن حضرت علی کے لئے والد کا انکار کفر نہیں میں نے پوچھا اگر عورت و مرد میں میل ملاپ نہیں تو شادیاں کیوں رچائی گئیں تو کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا جس طرح مورنی مور سے آنکھ کے ذریعہ حاملہ ہو جاتی ہے اسی طرح معصوم شکم مادر میں قرار پکڑتا ہے حالانکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں مور اور مورنی کے جنسی ملاپ کا ذکر فرمایا ہے اور ماہر جنسیات لوگ خوب جانتے ہیں۔ بالخصوص جن لوگوں نے گھروں میں مور رکھے ہوئے ہیں کہ مور کے نر اور مادہ میں جنسی ملاپ ہوا کرتا ہے، وہ کہنے لگا کہ حضرت علی صلب ابوطالب میں اس طرح رہے جس طرح پرندہ پنجرے میں ہوتا ہے اور جس طرح پرندے اور پنجرے کی جنس الگ الگ ہے۔ اسی طرح حضرت علی اور ان کے والد کی جنس جدا جدا ہے۔ میں نے جب یہ سوال کیا کہ آجکل کے سادات کا اُن سے خونی رابطہ کس طرح قائم ہے جب کہ ان میں میل و ملاپ کی صورت ہی نہیں وہ تو اپنے ماں باپ کے شکم و صلب میں پرندے و پنجرے کی حیثیت سے رہے تو آجکل کے بلکہ قیامت تک کے سادات ان کے اصلاب میں کس حیثیت سے رہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سادات ان کی صلب سے نہیں تو احترام سادات ختم ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ ان کی صلب سے ہیں تو جنس کا تفاوت

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک تحقیق میں اس سے جو تم کرتے

عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ہو آگاہ ہوں اور تحقیق یہ تمہارا دین ایک دین تھا اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو

مانع ہے پس اس کا جواب نہ بن آیا۔ فبھت الذی ۔۔۔۔۔ میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم اپنے باپوں کے صلبوں میں رہے اور انہی کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور وہ پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتے رہے اور یہ چیز باعث توہین نہیں ہے۔ لہذا عوام کے جذبات سے کھیلنے کے بجائے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے یہ نہ کہو کہ علماء ان کو نجس نطفہ کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اگر تمہاری نظر میں نطفہ کا لفظ باعث توہین ہے تو اس کا نام خونی رابطہ تجویز کر لو۔ لیکن یہ بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئمہ طاہرین کا اپنے ماں باپ سے خونی تعلق تھا اور جنس ایک تھی نہ کہ پرندہ و پنجرہ کی حیثیت تھی! اور اسی سورہ کی آیت ۱۲-۱۳-۱۴ میں ہر انسان کی پیدائش کو نطفہ سے قرار دیا گیا ہے (آدم و حوا و عیسیٰ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جملہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام نوع انسانی کے کامل افراد ہیں۔

رکوع نمبر ۴

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خدا خود پاک و پاکیزہ ہے۔ لہذا پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ پس اس نے مومنوں کو ایسی چیز کھانے کی اجازت دی ہے جس کے کھانے کا رسولوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ رسولوں کو خطاب فرمایا۔ یاایھا الرسل کلوا من الطیبت۔ یعنی اے رسولو! پاکیزہ غذا کھاؤ۔ اور مومنوں سے فرمایا۔ یاایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبت ما رزقنکم۔ یعنی اے ایمان والو! کھاؤ ہمارے پاکیزہ رزق سے ممکن ہے اس جگہ بھی خطاب رسولوں سے ہو اور مراد ان کی اُمتیں ہوں۔ آجکل ایک جاہل طبقہ پیدا ہوا ہے جو معصومینؑ کے کھانے پینے کا منکر ہے خدا مومنوں کو ایسے غلط عقائد سے محفوظ رکھے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ۔ اس جگہ امت سے مراد مذہب و دین لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی جانب سے سب لوگوں کے لئے دین صرف ایک ہی ہے۔

تَقَطَّعُوْٓا۔ یعنی لوگوں نے اپنی خواہشات و جذبات کے پیچھے پڑ کر باہمی اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ملت و مذہب کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور اپنے اپنے مسلک کے لئے کتابیں مخصوص کر لیں اور دوسری کتابوں کا انکار کر دیا جیسا کہ یہودیوں نے تورات کو لے کر انجیل و قرآن کا انکار کیا اور نصرانیوں نے انجیل سے تمسک کر کے قرآن سے انحراف کیا۔ پس فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہوا اور وحدت ملی ختم ہو کر رہ گئی۔ پس ہر شخص اپنی جگہ اپنے خیالات و عقائد پر خوش ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ ۔۔۔ یعنی جن لوگوں کو دنیا میں ہم مال و اولاد سے خوشنود کرتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ہم پر راضی

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنا باہمی معاملہ کتابوں کے ذریعے ہر گروہ ساتھ اس کے جو اسکے پاس ہے خوش ہوتا ہے

فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ

پس ان کو چھوڑ دیجئے اپنی تاریکی میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی امداد کرتے ہیں

بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

مال و اولاد سے ان کی بہتری میں جلدی کرتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے نہیں

ہے اور اسی بنا پر وہ ہمارے اوپر اپنی نعمات کی بارش کر رہا ہے بلکہ باوجود گناہوں کے نعمات کی فراوانی ان کے لیے استدراج ہے اور عذاب کی پیش کش ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ سے حدیث قدسی میں منقول ہے۔ خدا فرماتا ہے مومن بندے پر جب میں کوئی تنگی نازل کرتا ہوں تو وہ غمزدہ ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس میں اس کی بھلائی کا راز مضمر ہوا کرتا ہے۔ اور جب میں اس پر نعمتوں کی زیادتی کرتا ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے حالانکہ یہ چیز واقعاً مجھ سے اس کی دوری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ (مجمع البیان)

بہر کیف کسی آدمی پر دنیاوی نعمات کی بارش اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر خوش ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ استدراج ہو یا یہ کہ کسی نیکی کا بدلہ دنیا میں اس کو دیا جا رہا ہو تاکہ آخرت میں صرف عذاب دائمی کا ہی مستحق رہ جائے اسی طرح کسی پر دنیاوی تکالیف تنگی رزق اور گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر ناراض ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ چیز اس کی بلندی مراتب کا پیش خیمہ ہو یا بعض کردہ گناہوں کی اس کو دنیا میں سزا دی جا رہی تاکہ آخرت میں جنت الفردوس میں اس کا ٹھکانا بنے اور کسی عذاب کا استحقاق اس میں نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ۔ ان آیات میں پروردگار مومنوں کی صحیح نشانی بیان فرماتا ہے کہ ان کے دل میں خوفِ خدا ہمیشہ جاگزین رہتا ہے وہ اللہ کی جملہ نشانیوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور شرک نہیں کرتے پھر اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کے بعد ان کے دلوں میں کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں لغزش کی وجہ سے وہ ناقابلِ قبول نہ ہو جائیں۔

ہمارے بعض صالح علماء اعلام کا دستور رہا ہے کہ جب کافی عرصہ تک ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور نعمات پروردگار میں کمی نہ آئے تو توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں کہ کہیں استدراج نہ ہو جس طرح کہ فرعون کے چار سو سالہ دورِ اقتدار میں اس کے سر میں بھی درد نہ ہوا اور یہ اللہ کی جانب سے استدراج تھا نہ کہ خوشنودی پس وہ مومن ہے جو خوشحالی اور بدحالی کے ہر دو زمانوں میں شکر و صبر کا شیوہ اختیار کرے اور طمع بخشش کے ساتھ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں رکھے اور بعض عارفین کا قول ہے کہ مومن نیکی بھی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی رہتا ہے۔ اور بخلاف

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ

تحقیق وہ لوگ جو اپنے رب (کے عذاب) کے ڈر سے خوف زدہ رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ

رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور وہ جو ادا

يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

کرتے ہیں (امور خیر) اور ان کے دل کانپتے ہیں کیونکہ (رہتا ہے) کہ انہیں رب کی طرف جانا ہے

اس کے منافق برائی بھی کرتا رہتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی نہیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حفص بن غیاث سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کر سکو کہ تمہیں کوئی نہ پہچانے تو ایسا ہی کرو کیونکہ اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو اس میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح اگرچہ لوگ تمہاری مذمت بھی کریں تو کوئی حرج نہیں جب کہ اللہ کے نزدیک تم قابل تعریف ہو۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں صرف دو قسم کے آدمیوں کے لئے خوبی ہے ایک وہ جو ہر روز اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا رہے اور دوسرا وہ جو اپنے گناہوں کا توبہ سے علاج کرتا رہے۔ لیکن توبہ کہاں۔ خدا کی قسم سجدے کرکے اگر اس کی گردن ٹوٹ بھی جائے۔ خدا اس کی کسی نیکی کو قبول نہ کرے گا جب تک کہ ہماری ولا نہ رکھتا ہو۔ اور جو ہمارے حق کو پہچانے ثواب کی اُمید رکھے۔ وہ نصف مُد کی معمولی خوراک معمولی لباس اور اور معمولی سرڈھانپنے کے مکان پر رضامند ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے جس طرح آیت ۶۰ میں ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر تیرے بس میں ہو تو گھر سے قدم باہر نہ رکھو کیونکہ گھر سے نکلنے کے بعد تجھے گلہ جھوٹ حسد (یا تصنع اور منافقانہ چالوں سے بچنا ہوگا۔ پھر فرمایا مومن کے لئے بہترین صومعہ (خلوت کی عبادت گاہ) اپنا گھر ہے کہ وہاں اپنے دل زبان آنکھ اور شرم گاہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے جو دل سے اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے وہ زبان پر کلمہ شکر لانے سے پہلے زیادہ کا حق دار بن جاتا ہے اور جو دوسروں پر اپنی برتری کا خیال کرے وہ متکبرین میں شامل ہے۔ راوی نے پوچھا اگر کوئی بندہ کسی دوسرے انسان کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے۔ پس دل میں خیال کرے کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ میں اس گناہ سے بچا ہوا ہوں تو آپ نے فرمایا ایسا بھی خیال نہ کرے۔ کیوں کہ ممکن ہے توبہ سے اُس کا گناہ بخش دیا جائے اور تجھے مقام حساب میں کھڑا کر دیا جائے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتوں کی فراوانی سے دھوکہ میں مبتلا ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اللہ کی عیب پوشی کی وجہ سے ڈھیل میں پڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہماری معرفت رکھنے والوں کے لئے نجات کی اُمید ہے۔ سوائے تین قسم کے لوگوں کے (۱) ظالم حکمران کا دوست (۲) ناجائز خواہش رکھنے والا (۳) اعلانیہ فسق کرنے والا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی۔ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ۔ الخ۔ پھر فرمایا اے حفص محبّت

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا

ایسے لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں کہ وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں ہم نہیں

نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ

تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی برداشت کے مطابق اور ہمارے (فرشتوں کے) پاس کتاب ہے جو سچی گواہی دیگی

لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا وَلَهُمْ

اور ان پر نہ ظلم کیا جائے گا بلکہ ان کے دل (غفلت کی) تاریکی میں ہیں اس سے اور ان کے

أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جب

خوف سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم وہ اللہ کا محب نہیں جو دنیا کا طالب اور ہمارے دشمن کا دوست ہو اور جو ہمارا حق پہچان کر ہماری محبت رکھے وہ اللہ کا دوست ہے۔ یہ سُن کر ایک شخص رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کیا تو روتا ہے۔ حالاں کہ تمام اہل ارض وسما اگر مل کر گڑگڑا کر تیری سفارش کریں کہ تجھے جہنم سے نجات دے کر خدا جنت میں داخل کر دے تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اے حفص پیچھے چلنے والا بن اور پیشرو نہ بن۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جو شخص اللہ سے ڈرے۔ اس کی زبان خاموش ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا وعظ سن کر ایک شخص نے گریبان پھاڑ ڈالا تو وحی ہوئی اے موسیٰ اس سے کہو گریبان پھاڑنے کی بجائے دل کے پردے دُور کرے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے ایک آدمی کو لمبے سجدے میں جاتے ہوئے اور پھر پلٹتے ہوئے بھی دیکھا تو فرمانے لگے۔ اگر تیری حاجت میرے قبضے میں ہوتی تو میں پوری کرتا۔ پس وحی ہوئی اے موسیٰ اگر سجدے کرتے ہوئے اس کی گردن بھی ٹوٹ جائے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ جب تک میری مبغوض چیزوں سے پرہیز کر کے میری پسندیدہ چیزوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

کِتَابٌ۔ اس سے مراد وہ اعمال نامہ ہے جو فرشتے (کراماً کاتبین) لکھتے ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی کافر لوگوں کے دل غفلت جہالت یا کفر کے تاریک گڑھے میں ہیں ــــ اور ان کے اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں۔ یعنی جس طرح ان کا باطن سیاہ ہے اسی طرح ان کا ظاہر بھی سیاہ ہے۔

اِذَا اَخَذْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے کفار مکہ پر قحط سالی کے لئے بددعا کی تھی چنانچہ وہ اس عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ اور قحط اتنا بڑھا کہ وہ لوگ مردار اور کتے کھانے لگے۔ پس وہ چیختے تھے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے تھے۔ لیکن عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد دعا کی شنوائی نہیں ہوتی۔

أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا

ہم نے پکڑ لیا ان کے بڑے بڑوں کو عذاب میں تو وہ چیختے ہیں (ہم نے کہا) اب نہ چیخو

الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

کیونکہ تمہاری ہماری طرف سے کوئی مدد نہ ہوگی تحقیق تم پر ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم

فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا

پچھلے پاؤں مڑ جایا کرتے تھے تکبر کرتے ہوئے ساتھ اس کے قصہ گوئی میں کہ اس

تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ

کو چھوڑ دیتے تھے کیا وہ نہیں سوچ بچار کرتے بات میں کیا ان کے پاس آئی ایسی بات جو ان کے گذشتہ

آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ

باپ دادا پر نہیں آئی تھی؟ کیا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ ان کے

مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَ

منکر ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے

مُسْتَكْبِرِينَ ۔ یعنی حضورؐ پر اپنی برتری جتلاتے اور تکبر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو جب اکٹھے ہو کر بیٹھتے تو حضورؐ کی توہین کے قصہ کو دہراتے اور حق پر تمسخر کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے یہ نئی بات نہیں اس سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کے باپ دادا کا یہی وتیرہ رہا ہے۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا ۔ یہ کفار مکہ کے لئے توبیخ اور سرزنش ہے کہ تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول وہی تو ہے جس کو تم لوگ حسب ونسب کے لحاظ سے جانتے ہو کہ نسب کے لحاظ سے ان کا خاندان خاندانوں سے اشرف ہے اور حسب اس قدر بلند ہے کہ دوست و دشمن بلا استثناء اس کی صداقت امانت اور دیانت کو مان چکے ہیں تو جس نے بچپنے اور جوانی میں اپنی زبان کو جھوٹ سے ملوث نہیں کیا وہ چالیس برس کے بعد کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور جو لوگوں کی امانت میں خیانت نہیں کرتا وہ خدائی پیغامات میں کیونکر خیانت کر کے اپنی طرف سے باتیں بنا کر پیش کر سکتا ہے کفار مکہ جانتے ہیں کہ محمدؐ صادق وامین ہے لیکن چونکہ پیغام رسالت تسلیم کرنے میں ان کی عیاشیوں اوباشیوں رنگ رلیوں اور جملہ خرافات و رسومات جاہلانہ پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ نیز ان کی چوہدراہٹ کو بھی خطرہ لاحق ہے اس لئے حق کی بات کو تسلیم کرنے سے کتراتے

أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ

اور اکثر ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اگر پیچھے چلے حق ان کی خواہشات کے

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ

تو فاسد ہو جائیں آسمان و زمین اور جو ان کے اندر ہے بلکہ ان کے پاس ہم ذکر لائے

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

پس وہ اپنے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں کیا تو ان سے اجرت مانگتا ہے پس رب کی

ہیں۔ پس انکار کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ مثلاً یہ لوگ دانستہ طور پر ایسی باتیں کرتے ہیں تاکہ ان کو کلمۂ حق کہنے کی کسی میں جرأت نہ رہے اور لوگوں میں بھی بات بنی رہے۔ نیز پارٹی بھی قائم رہے۔ لیکن حق ایک ایسی ٹھوس اور مضبوط اصول پر مبنی حقیقت ہے جس میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے خواہشات و جذبات کی پاسداری کے لئے ذرہ بھر لچک پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق اگر خواہشات کے تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی حقیقت ختم ہو کر رہ جائے کیونکہ نظام سماوی و ارضی پائدار اصول اور غیر متزلزل حکمت پروردگار کے دستور کے مطابق قائم و دائم ہے، ورنہ اس میں خواہشات و جذبات کا اگر دخل ہو تو ہر ایک کی خواہش الگ، جذبہ جدا اور احساس علیحدہ ہونے کی وجہ سے پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اسی طرح شرعی نظام بھی صرف اس ایک اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے ماتحت ہے۔ لہٰذا لوگوں کے جذبات سے بالاتر ہے۔

ذِكْرِهِمْ۔ اس مقام پر ذکر کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) شرف و فضل، یعنی ہم نے ان کو شرف و فضل عطا کیا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ص انہی میں سے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے شرف سے منہ موڑنے والے ہیں (۲) بیان حق یعنی ہم نے حق کے بیان کے لئے ان کو قرآن عطا کیا لیکن وہ لوگ قرآن سے منہ پھیرتے ہیں۔

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ص ۸۱۔ روایات اہل بیت میں اس کی تاویل ولایت علی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا اگر خدا چاہتا تو اپنے بندوں کو خود اپنی معرفت کا القاء کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہمیں اپنے باب صراط سبیل اور وجہ قرار دیا جو اس کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں۔ پس جو شخص ہماری ولایت سے اعراض کرے اور ہمارے غیر کو ہم پر فضیلت دے وہ سیدھے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ۔ تفسیر صافی میں ہے جب حضور ص کی بددعا سے اہل مکہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ تو ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آپ کیسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ ہمارے بڑوں کو تلواروں سے مار دیا ہے اور

رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اُجرت بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور تو ان کو بلاتا ہے ایک راہ کی طرف جو بالکل

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

سیدھا ہے اور تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے آخرت پر وہ سیدھے راہ سے بھٹکنے والے

لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا

ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور دور کر دیں ان کی تکلیفوں کو تو زیادہ گھستے ہیں اپنی

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

سرکشیوں میں کہ سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق ہم نے پکڑا ان کو عذاب کے ساتھ پس نہ وہ

اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

جھکے اپنے رب کے آگے اور نہ گریہ و زاری کی یہاں تک کہ جب ہم نے کھولا ان پر دروازہ

بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ

سخت عذاب کا تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ گئے اور وہ وہ ہے

الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

جس نے پیدا کئے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل تھوڑا ہی تم اس کا شکر کرتے ہو

چھوٹوں کو بھوک سے مارتے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی

ذَا عَذَابٍ۔ اہل مکہ پر پہلا عذاب بدر کے دن قتل کا عذاب تھا اور دوسرا عذاب شدید قحط سالی کا عذاب تھا کہ کتے مردار جانور اور خون کے چیتھڑے کھانے پر وہ مجبور ہو گئے تھے۔

رکوع نمبر ۵ ذکر توحید

اَلسَّمْعَ۔ تمام اعضاء میں سے کانوں آنکھوں اور دلوں کا تذکرہ مخصوص فرمایا کیونکہ دنیاوی نعمات خداوندی سے فائدہ اٹھانے میں ان کو بدن انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس نے تم کو نفع اٹھانے کے لئے یہ اعضاء دیئے ہیں، اسی نے تمام اعضاء عطا کئے ہیں لیکن تم اس کا شکر

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا زمین میں اور اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ وہ ہے جو زندہ کرتا

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ

ہے اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اختلاف شب و روز کا کیا تم نہیں سوچتے ؟ بلکہ

قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کہنے لگے ویسی بات جو کہی پہلے لوگوں نے کہنے لگے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور

وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا

(بوسیدہ) ہڈیاں تو ہم اٹھائے جائیں گے تحقیق ہمیں وعدہ دیا گیا اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے

مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ

پہلے نہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے پوچھو کس کی ہے زمین

وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو ؟ وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟

نہیں کرتے یہاں قلیل نفی کے معنی میں ہے۔ آیات مجیدہ میں جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے۔ صرف انہی تک محدود نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کائنات کا تخلیقی کارنامہ جس طرح میری ذات سے مخصوص ہے اس کی بقاء وارتقاء اور موت وحیات اور نشور بھی میرے اختیار میں ہے۔ پس اگر تم غور وفکر اور تدبّر و تعمق سے کام لو تو تم کو مجال انکار نہیں رہے گی کہ میں سب کچھ کرسکتا ہوں لہٰذا تم کو موت کے بعد زندہ ہو کر میرے دربار کی پیشی اور باز پُرس کا خیال کرتے ہوئے دامن اسلام سے وابستہ ہو جانا چاہیئے، لیکن اس کا جواب انہوں نے وہی دیا جو ان سے پہلے کے لوگ دیتے رہے ہیں کہ مرجانے اور خاکستر ہو جانے کے بعد ہم کیونکر دوبارہ اٹھائے جاسکیں گے۔ یہی باتیں ہمارے اسلاف کو بھی سنائی گئیں۔ بس یہ صرف افسانہ ہی افسانہ ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں پس اساطیر جمع ہو گی اسطورہ کی اور اس کا معنی جھوٹا افسانہ اور اس وزن کا استعمال لہویات و لغویات کے لئے ہوتا ہے جس طرح اکذوب اور اضحوک اور یہ بھی ممکن ہے۔ اسطار کی جمع ہو جو سطر کی جمع ہے (صافی)

قُلْ لِمَنِ۔ خداوند کریم نے ان کو قیامت اور حشر و نشر کا قائل کرنے کے لئے تین طریقے اختیار فرمائے۔ پہلا یہ کہ ان سے پوچھو زمین اور اس میں ہونے والی جملہ مخلوق کس کی ملکیت ہے اور ان سب کا خالق کون ہے ؟ تو وہ یقیناً جواب میں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ

پوچھو کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور رب عرش عظیم کا ؟ وہ کہیں گے

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ

اللہ کے لئے ہے تو کہو کیا تم نہیں ڈرتے ؟ پوچھو کس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور وہ پناہ

یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ

دیتا ہے (جسے چاہے) اور نہیں پناہ دیا جاتا کوئی اس (کے عذاب) سے اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے کہ یہ اللہ کے لئے ہے کہو

کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا مالک وخالق ہے تو پھر ان سمجھاؤ کہ جو خدا کتم عدم سے اس ساری مخلوق کو ہستی شہود پر جلوہ گر کرسکتا ہے کیا وہ خدا ئم کو مرنے کے بعد اور خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا ؟ حالانکہ پہلی ایجاد دوسری دفعہ کے اعادہ سے مشکل تر ہوا کرتی ہے تو جو مشکل امر پر قادر ہے وہ آسان پر یقیناً قادر ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ پھر دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ عالم علوی میں غور کرو۔ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے ؟ اس کا جواب بھی وہ یقیناً یہی دیں گے کہ اللہ ہے تو کہدو کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اس اللہ سے ڈرو کیونکہ جو اتنی بڑی کائنات کو بغیر مادہ کے ایجاد کرسکتا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے پھر تیسری دفعہ پوری کائنات کے تصرفات میں غور و خوض کی دعوت دے کر ارشاد فرمایا ان سے دریافت کرو وہ کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ہونے والی شئی کی حکومت و بادشاہت ہے اور وہ جسے چاہے پناہ دیدے لیکن اس کی گرفت سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو اس کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ اس قسم کی محیط و وسیع سلطنت کا مالک صرف اللہ ہے تو ان سے پوچھو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے ایک واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو ان آیات مجیدہ میں جہاں ایک طرف اثبات قیامت کے لئے دلیلیں قائم کی گئی ہیں وہاں دوسری طرف توحید حق سبحانہ کو بھی قابل قبول انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی جو ذات اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے سب کی ایجاد پر قادر ہے وہ سب کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور جس طرح ایجاد مخلوق میں وہ یکا و تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے اور اٹھانے میں بھی وہ تنہا قادر ہے۔

تُسْحَرُوْنَ ۔ جس طرح جادو میں فریب ہوتا ہے کہ خلاف واقعہ امر کا اظہار کرکے آنکھوں کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی جانتے ہوئے فریب خوردہ ہو۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ ۔ یعنی ہم نے ان کو دعوت توحید دی جو پیغام حق ہے لیکن وہ غلط اور جھوٹے عقائد سے باز نہیں آتے۔ کسی نے عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ٹھہرالیا۔ کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا اور کئی ایسے ہیں جنہوں نے خدا

فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ

پھر کیوں فریب کھاتے ہو؟ بلکہ ہم نے ان کو دیا حق (پیغام توحید) اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں نہیں بنایا اللہ نے کوئی

مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ

بیٹا اور نہ ہے اس کے ساتھ کوئی الٰہ (شریک) ورنہ بانٹ لیتا ہر الٰہ اپنی مخلوق کو اور حملہ کرتا ایک

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

دوسرے پر پاک ہے اللہ اس سے جو وہ کہتے ہیں غائب اور حاضر کے جاننے والا ہے

کے علاوہ اور الٰہ (خالق) تجویز کر لئے حالانکہ یہ سب جھوٹے ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی وہ شریک رکھتا ہے۔

الٰہ کا معنی

مِنْ اِلٰہ۔ آیت مجیدہ میں الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہیں یعنی خالق نہیں کیونکہ اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو وہ اپنی مخلوق بانٹ لیتا اور تقسیم میں جھگڑا پڑنے کی صورت میں دونو میں لڑائی ہو جاتی اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس لڑائی کا نہ ہونا اور نظام کا قائم و دائم رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ساری خدائی کا خالق صرف ایک خدا ہے جس کی تدبیر محکم سے کائناتی نظام بدرجۂ اتم و اکمل جاری ہے۔ بعض جاہل ایک مجہول خطبہ بیان کا منبروں پر بیان کر کے سادہ لوح شیعوں میں شرک کی ترویج کرتے ہیں اور تمام کائنات کی تخلیق کو حضرت علی کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے اس دعویٰ کو حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بدعقیدہ لوگوں سے داد تحسین و آفرین حاصل کر کے جیبیں پُر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عوام کے لئے عذاب خداوندی سے کم نہیں۔ وہ دین و دنیا دونو کے لحاظ سے خطرناک ڈاکو ہیں۔ جب اُن سے کہا جائے کہ حضرت علیؑ اور باقی معصوم خالق ہوں تو کئی خالق بن جائیں گے پھر توحید کا عقیدہ کہاں جائے گا۔ پس انتہائی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کو خالق مانتے ہیں الٰہ نہیں مانتے۔ لہٰذا ان کو خالق کہنے سے لاالٰہ الا اللہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ آیت مجیدہ میں صاف طور پر الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے۔ گویا جو اللہ کے علاوہ کسی کو خالق مانتا ہے وہ معنی الٰہ میں شرک کرتا ہے۔ بعض جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے خلق کرتے ہیں حالاں کہ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے واضح طور پر اس امر کی تردید فرمائی ہے کہ نہ میں نے کوئی بیٹا بنایا ہے جو کائناتی تخلیق اور نظام و تدبیر میں میرے ساتھ تعاون کرے اور نہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو میرا شریک کار ہو ورنہ ایسا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا۔ اور جھگڑے فساد تک نوبت پہنچتی اور جن کو لوگ خالق تجویز کرتے ہیں اگر وہ اپنی مخلوق کو الگ نہیں کر سکتے تو وہ خالق کس کام کے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا سب کے سب اس کے بندے ہیں اور اس کی قدرت و عظمت کے سامنے سرنگوں اور اس کے عبادت گذار ہیں۔ پس جن لوگوں نے آل محمدؐ کی طرف پیدا کرنا منسوب کیا ہے وہ مشرک ہیں اور ایسوں کو نہ آل محمدؐ معاف کریں گے اور نہ خدا معاف کرے گا۔ چنانچہ اس نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اس کو قرآن مجید میں ناقابل عفو

جُرم ٹھہرایا ہے۔

توحید

آیت مجیدہ میں توحیدِ حق سبحانہ پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔
(۱) دلیل تمایز و (۲) دلیل تمانع

(۱) دلیل تمایز

اِذًا لَّذَهَبَ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ خالق اور الٰہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت میں دوسرے کی شرکت کو برداشت نہ کرتا اور اس کے قادر ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق کو دوسروں کی مخلوق سے الگ کر لیتا اور اپنی خلق کردہ اشیاء کو دوسروں کے قبضہ اور ان کی بالادستی سے نکال سکنے اور اپنی الگ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوتا نیز ہر ایک کے قادر ہونے کا لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ہر دوسرے کا دفاع کر سکتا اور جو بھی دوسرے کے دفاع پر قادر ہوتا وہی صحیح الٰہ ہوتا۔ پس اس تمایز کا انجام تدافع ہوتا اور نظام عالم درہم برہم ہوتا (اس دلیل کا مآل بھی دلیل تمانع ہے)

(۲) دلیل تمانع

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو قدرت ان کی عین ذات ہوتی لہٰذا ہر ایک ہر اس چیز پر قادر و متمکن ہوتا جس پر دوسرا قادر ہے۔ پس ایک کا ایک مخلوق میں دوسرے سے سبقت کرنا یا تو دوسرے کی بے علمی سے ہوگا۔ یا بے بسی سے ہوگا اور یہ دونو چیزیں الٰہ میں ناممکن ہیں۔ پس مخلوق کے ہر فرد کے مقامِ تخلیق میں خداؤں کے درمیان رسہ کشی شروع ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ہر ایک کی قدرت کا لازمہ یہ ہے کہ دوسرے کے دفاع پر قادر ہو۔ پس ہر ایک غالب بھی ہوتا اور مغلوب بھی۔ اور اسی کا نام تمانع ہے کیونکہ دونو کی قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مقام سے دھکیل سکیں اور نیز ان کی قدرت کا لازمہ یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے دھکیلے نہ جا سکیں۔ پس چونکہ مخلوق میں تمایز نہیں اور خداؤں میں تمانع نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات کا خالق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کے اعجاز کی زبردست دلیل ہے یہ بات کہ اس قدر مختصر بیان میں توحیدِ خالق کی دو ایسی دلیلیں سمو دی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کلام میں اس قدر مختصر فقرات ایسی معنویت پر مشتمل نہیں ہو سکتے۔

سوال و جواب

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ممکن ہے کہ چند خالق ہوں لیکن ان کی ایک دوسرے سے صلح ہو اور وہ کامل اتفاق سے نظام کو چلا رہے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دوسرے کے برابر قدرت رکھنا ہر ایک کی قدرت کے محدود ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کا اگر دفاع کر سکتا ہے (جیسا کہ قادر ہونے کا مطلب ہے) تو سابق خرابی یقیناً لازم آئے گی۔ اور اگر ہر ایک دوسرے کے دفاع پر قادر نہیں تو سب عاجز ہوں گے اور ان میں سے خدا کوئی بھی نہ ہوگا بلکہ خدا وہ ہوگا جو ان سب پر حاوی ہوگا۔ اور وہ ایک ہی ہوگا۔

رکوع نمبر ۶

قُلْ رَّبِّ ص ۸۶۔ مروی ہے کہ خداوند کریم نے اپنے حبیبؐ کو اطلاع دی تھی کہ میں قریش مکہ پر عذاب نازل کروں گا۔ پس باذنِ پروردگار حضورؐ نے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار! اگر میری زندگی میں اور میرے سامنے تو ان پر عذاب نازل کرے تو مجھے محفوظ رکھنا۔ حضورؐ کا یہ طریقہ اُمّت کی تعلیم کے لئے ہے کہ گرفتارِ عذاب کو دیکھو تو اپنے لئے

فَتَعٰلَى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ

پس بلند و بالا ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں کہدے اے رب اگر تو مجھے دکھائے (وہ عذاب) جس کا وہ وعدہ دئیے گئے ہیں ۔ اے

فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

رب نہ کرنا مجھے ظلم کرنے والے لوگوں میں اور تحقیق ہم اوپر اس کے کہ دکھائیں تجھے وہ جس کا ان سے وعدہ

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہے البتہ قادر ہیں دفع کرو اس طریقہ سے جو اچھا ہو برائی کو ہم جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

اور کہو اے رب میں پناہ مانگتا ہوں تیری وساوس شیطان سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اے رب

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

اس سے کہ وہ حاضر ہوں (میرے پاس) یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی پر موت

اپنے پروردگار سے دفع عذاب کی دعا مانگا کرو۔ اگرچہ اپنے متعلق نجات کا یقین بھی ہو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ: اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب بھی کوئی انسانی نیکی اور خدمت خلق کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو طعن وتشنیع اور اعتراضات واشکالات کا بے پناہ سلسلہ اسکو کارِ خیر سے روکنے کے لئے شروع ہوجاتا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ گھبرا کر کسی طرح وہ نیکی سے دست بردار ہوجائے اور آیت مجیدہ میں پروردگار بذریعہ اپنے حبیب کے تمام ہدایت کے علم برداروں کو ایک بہترین اصولِ تبلیغ تعلیم دے رہا ہے کہ لوگوں کی جانب سے بدسلوکی کا جواب بدسلوکی سے نہ دو بلکہ ان کی برائی کو اپنی اچھائی کے ذریعے روکو اور ان کی ہر طرح کی بدزبانی کو اپنے حسنِ کردار کے دامن میں سمیٹ جاؤ۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی کا دشمن خداترس ہو تو اس کو اپنے دشمن کی ایذارسانی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خوفِ خدا اس کو خود بخود بری ایذا سے روکنے والا موجود ہے۔ اور بعض اوقات اس کی خداترسی کو بزدلی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے لیکن وہ ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر حوادث دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کسی کا دشمن کوئی ناخداترس ہو تو وہ ہر وقت اپنی جان مال اور ناموس کو خطرے میں پاتا ہے۔ دیکھئے ہادیان دین کے دشمن خداترس تو ہو نہیں ہوسکتے اور ناخداترس لوگوں کا کام ہی شرفاء کی پگڑی اچھالنا ہوتا ہے۔ پس خداوندکریم صبر وضبط اور حلم وحوصلہ سے جہلا کی باتوں کو برداشت کرکے نیک راستے کی ہدایت کی تلقین فرماتا ہے بنابریں علمائے کرام کو دورِ حاضر میں بجائے گھبرانے کے کمرِ ہمت باندھ کر ہر باطل کے طوفان کے آگے سینہ سپر ہوجانا

رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا

تو کہے گا اے رب مجھے واپس بھیج تاکہ میں عمل کروں اس چیز کے بارے میں جو چھوڑ آیا ہوں (فرماتا ہے) ہرگز نہیں

كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(بلکہ یہ بات ہے جو اس نے کہہ دی اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے

چاہیے اور ہر بدزبانی کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے اپنے آثار علمیہ کی حفاظت کرتے ہوئے قدم آگے بڑھانا چاہیے انشاء اللہ تائید ایزدی شامل حال رہے گی۔

اخلاق نبویہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جب سے مبعوث ہوئے تادم زیست کبھی تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا کسی مجلس میں کبھی کسی ہمنشین نے آپ کو ننگے زانو نہیں دیکھا جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو اتنے تک ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ دوسرا آدمی ہاتھ نہ کھینچتا کسی کی بدسلوکی کا بدلہ کبھی بدسلوکی سے نہ دیا کبھی سائل کو دروازہ سے نہ روکا۔ اگر کچھ پاس ہوتا تھا تو دیدیتے ورنہ فرماتے تھے تجھے اللہ عطا فرمائے گا جس کسی کے ساتھ اللہ کی طرف سے ملنے کا وعدہ فرماتے تھے تو اللہ اس کو پورا کرتا تھا۔ اور ان کا بھائی ان کے بعد انہی کے اخلاق کریمہ کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے دنیا میں کبھی حرام کو منہ نہیں لگایا اور اگر ان کے سامنے دو امر اطاعت پروردگار کے پیش ہوتے تو اس کو اختیار فرماتے تھے جو بدن کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم انہوں نے رضائے پروردگار کیلئے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ایکہزار غلام خرید کر کے آزاد کئے۔ خدا کی قسم جناب رسالتمآبؐ کے کردار کا مکمل آئینہ دار ان کے بغیر اور کوئی نہ ہو سکا۔ خدا کی قسم جب بھی حضرت رسالتمآبؐ پر کوئی مشکل آئی تو ان کو ہی سینہ سپر کیا کیونکہ ان پر ہی ان کو کامل اعتماد تھا اور جب بھی حضورؐ ان کو کسی جنگ میں فوج کا علم دیکر روانہ فرماتے تھے تو جبریلؑ ان کے دائیں اور میکائیلؑ ان کے بائیں ہو کر مشغول جہاد ہوتے یہاں تک کہ فتح کئے بغیر واپس نہیں پلٹتے تھے (ملخصاً) نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں سے زیادہ سیرت و کردار میں پیغمبرؐ سے مشابہ تھے حضرت علیؑ اجرت پر لوگوں کے باغات کو سیراب کرتے تھے۔ اور لکڑیاں جنگل سے لا کر فروخت کرتے تھے اور جناب فاطمہؑ گھریلو کاروبار خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا کرتی تھیں چنانچہ کھانا خود پکاتی تھیں اور بچوں کے کپڑے خود سیا کرتی تھیں۔ (ملخصاً)

رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے اور یائے متکلم تخفیف کے لئے حذف کردی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا عذاب موت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ مجھے ایک مرتبہ واپس زندگی دیکر بھیجا جائے تاکہ میں جو فریضہ ترک کر آیا ہوں اسے ادا کروں اور آیت مجیدہ کے الفاظ ہر کافر و ملحد و بے دین کو شامل ہیں جنہوں نے دعوت اسلام کو ٹھکرا کر خلاف تعلیم پیغمبر غلط کاریوں میں وقت گذارا۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ بوقت مرگ فرشتے مومن سے کہتے ہیں کہ اگر تیرا ارادہ ہو تو تجھے واپس دنیا میں بھیجا جائے پس جواب میں مومن کہتا ہے کہ میں دوبارہ رنج و بلا کے گھر

کی طرف نہیں جانا چاہتا لیکن کافر موت کو دیکھ کر کہتا ہے مجھے واپس پلٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمال کا تدارک کر لوں۔

بَرْزَخٌ ص۸۹ ۔ اسکا لفظی ترجمہ ہے مانع اور اصطلاح شریعت میں مرنے سے تا قیامت کے درمیانی عرصہ کا نام برزخ ہے
تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ دنیا و آخرت کے درمیان ثواب و عقاب کی منزل کا نام برزخ ہے اور یہ آیت ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو قیامت سے پہلے عذاب قبر اور ثواب و عقاب کا انکار کرتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق صرف برزخ کا ڈر ہے ورنہ جب معاملہ ہمارے پاس پہنچے گا تو ہم تمہارے لئے اچھا انتظام کر لیں گے۔

بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک راویٔ حدیث نے سوال کیا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے تمام شیعہ جنت میں جائیں گے، خواہ کسی قدر ہی ان سے لغزشیں سرزد ہوں ؟ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے خدا کی قسم وہ سب کے سب جنت میں جائیں گے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں ؟ گناہ بڑے بڑے بھی تو ہوتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تو تم سب کے سب نبی یا وصی نبی کی شفاعت سے جنت میں جاؤ گے لیکن برزخ کے متعلق مجھے تمہارا خطرہ ہے راوی نے پوچھا کہ برزخ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ۔

بروایت زہری امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسان پر تین وقت بہت سخت آتے ہیں پہلا موت کا وقت دوسرا قبر سے اٹھنے کا وقت تیسرا اللہ کے دربار میں پیشی کا وقت پھر جنت والے جنت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اے آدم زادے، اگر موت کے وقت تیری اچھی گذر گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت دائمی اور اگر قبر میں تیری نجات ہو گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور پل صراط سے اگر گذر گیا تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور منزل حساب میں تجھے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ الخ

فَلَآ اَنْسَابَ کی تفسیر میں قمی سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بروز قیامت ہر شخص اپنے اعمال کی بدولت آگے بڑھ سکے گا اور اس کی دلیل حضرت رسالتمآبؐ کا فرمان ہے کہ عربی ہونا ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جو بھی بول لے وہی عربی ہے آگاہ ہو تم سب کے سب اولادِ آدم ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے خدا کی قسم اللہ کی اطاعت کرنے والا حبشی غلام اس سید قرشی سے بہتر ہے جو اللہ کا نافرمان ہو، اور اللہ کے نزدیک زیادہ عزت دار وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ فَاِذَا نُفِخَ الخ

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ آیت مجیدہ میں صریح طور پر اعلان ہے کہ اس وقت لوگ ایک دوسرے سے بات تک نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر ارشادِ قدرت ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی بروز محشر ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے مُوقف متعدد ہیں۔ وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۔ اس موقف کی ترجمانی ہے جب نفخ صور ہو گا اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے پس اس وقت کسی کو کسی سے کچھ پوچھنے کی مہلت و فرصت نہ ہو گی اور اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ الخ

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

پس جب پھونکا جائے گا صور میں پس نہ رشتہ داریاں ہونگی آپس کی اس دن اور نہ احوال پرسی ہو گی

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

پس جس کا میزان بھارا ہوگا (نیکی کا) تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جن کا میزان ہلکا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ہوگا (نیکی کا) تو وہ وہ ہوں گے جنہوں نے گھاٹا دیا اپنے نفسوں کو وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

جلائے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں کھلے منہ روسیاہ ہونگے (دکھا جائیگا) کیا نہیں پڑھی گئیں تم پر میری

والی آیت اس موقف کے بیان میں ہے جب لوگ اللہ کے دربار میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے۔

فَاِذَا نُفِخَ۔ نفخ صور کی حقیقت کو سمجھنا تو ہمارے ناقص عقول کی پہنچ سے بالاتر ہے بس اسی قدر ہی روایات سے مستفاد ہے کہ نفخ صور پر مامور فرشتہ حضرت اسرافیل ہے۔ جب پہلی دفعہ نفخ صور ہوگا تو تمام زندہ مرجائیں گے اور ایک وقفہ کے بعد جو پچاس برس بتایا گیا ہے جب دوبارہ نفخ صور ہوگا تو سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت دربار پروردگار میں پیشی کے لئے بلاوا ہوگا۔ پس ہر شخص اپنی فکر میں کھویا ہوا ہوگا۔ کسی کو اپنے عزیز وقریبی رشتہ دار کا کوئی خیال تک نہ آئے گا اور باوجود اکٹھے ہونے کے نہ ایک دوسرے کے شریک غم ہوں گے اور نہ آپس میں احوال پرسی کر کے غم غلط کر سکیں گے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے كُلُّ حَسَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ اِلَّا حَسَبِيْ وَنَسَبِيْ۔ یعنی ہر حسب ونسب ختم ہو جائے گا۔ سوائے میرے حسب ونسب کے (مجمع البیان) مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی شخص کو کسی رشتہ کا فائدہ پہنچے گا اور نہ کوئی کسی رشتہ پر ناز کر سکے گا بس اپنے اعمال کام آئیں گے لیکن جناب رسالتمآبؐ کا نسب قیامت کے دن بھی فائدہ دے گا۔ نفخ صور کی مزید تشریح تفسیر کی جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۱۳۵ پر آئے گی۔

تَلْفَحُ۔ یعنی جہنم کی آگ ان کی شکلوں کو مسخ کر دے گی۔ چنانچہ مروی ہے کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو کھچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک لٹک آئے گا اور بقول ابن مسعود دونو ہونٹ جل کر گر پڑیں گے اور دانت نمایاں ہو جائیں گے۔ پس جب یہ لوگ قیامت میں آئیں گے تو آگ میں جھلس جانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کے منہ پھٹے کے پھٹے ہوں گے۔ لفح اور اور نفح دونو کا معنی ایک ہے۔ لیکن لفح نفح سے زیادہ سخت ہے پس لفح کا معنی ہے بادسموم کا منہ پر سختی سے پڑنا اور نفح کا معنی ہے تیز ہوا کا منہ پر پڑنا۔ (مجمع البیان)

قَالَ اخْسَئُوْا صفحہ ۹۔ خَسَأَ يَخْسَأُ۔ کتے کو دھتکارنے کے معنی میں ہے۔ گویا پروردگار کی جانب سے دوزخیوں کو ان کے سوال

تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا

آیتیں پس تم ان کو جھٹلاتے تھے؟ کہیں گے اے رب سوار ہو گئی ہم پر

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا

اپنی بدبختی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے رب نکال ہم کو اس سے پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم

فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

ظالم ہوں گے فرمائے گا دفع ہو جاؤ اس میں اور نہ بولو میرے ساتھ تحقیق

كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ

ایک گروہ میرے بندوں میں سے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو

کے جواب میں کتے کی طرح دھتکارا جائے گا کہ دفع ہو جاؤ اور بکواس بند کرو۔

نکات علمیہ (۱) احتجاج طبرسی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کیا اعمال تولے نہ جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ وہ اجسام نہیں بلکہ صفات ہیں نیز تولنے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو اس کے عدد یا وزن کا علم نہ ہو حالانکہ خدا پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پس راوی نے پوچھا کہ میزان کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے عدل۔ پس موازین کے بھارے ہونے کا مقصد ہے نیک اعمال کی زیادتی (اور ہلکے ہونے کا مطلب ہے نیک اعمال کی کمی)

(۲) کعب الاحبار سے مروی ہے قیامت کے دن لوگ چار قسموں پر محشور ہوں گے۔ کچھ سوار ہوں گے کچھ پیدل ہوں گے کچھ گھٹنے ٹیک کر جانے والے ہوں گے اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہو گی جو منہ کے بل جائیں گے۔ اندھے بہرے اور گونگے ہوں گے۔ نہ بول سکیں گے اور نہ اپنا کوئی عذر پیش کر سکیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں کعب نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مرتد ہو گئے اور بیعت توڑ کر خلیفۂ رسول سے نبرد آزما ہوئے اور برا حال ہو گا ان لوگوں کا جو وصی پیغمبرؐ کے خلاف جنگ لڑے اور کعبہ کے رب کی قسم وہ صرف علی کی ذات ہی ہے اور اسی کی نسل سے حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ عجل اللہ فرجہ (ملخصاً) برہان

سِخْرِیًّا ص ۹۱ کفار کا مومنین سے تمسخر دو طرح کا تھا۔ ایک یہ کہ مومنین کے غریب طبقہ کے لوگوں کو مزدوری پر لے جاتے تھے اور سارا دن ان سے مزدوری کرانے کے بعد بغیر اجرت دیئے ان کو گھروں کی طرف بھیج دیتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ جب مومنوں کو دیکھتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے ان لوگوں کو دیکھو جو دنیا میں پست ترین زندگی پر راضی ہیں اور آخرت میں اس کے بدلہ کی امید رکھے ہوئے ہیں حالانکہ نہ کوئی آخرت ہے اور نہ ثواب۔ پس ان آیات مجیدہ میں خداوند کریم فرماتا ہے۔ ان کو دوزخ میں بھیج کر ہم یاد دلائیں گے کہ تم کس طرح مومنوں سے مسخری کرتے تھے۔

اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ

بہتر رحم کرنے والا ہے تو تم بناتے تھے ان کو جائے ٹھٹھ بازی یہانتک کہ ان کی (چھیڑ بازی) نے

ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ

بھلا دیا تم کو میرا ذکر اور تم ان سے ہنستے تھے میں نے ان کو جزا دی ہے آج ان کے صبر کی بدولت کہ وہ

اَنَّهُمْ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾

کامیاب ہونے والے ہیں پوچھو کتنے رہے ہو زمین میں سالوں کی تعداد

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔــلِ الْعَاۗدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ

کہیں گے ٹھہرے ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا پس پوچھ گننے والے (فرشتوں) سے کہے گا نہیں ٹھہرے تم

لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ

مگر تھوڑا عرصہ کاش تم جانتے تھے کیا تم یہ سمجھے کہ ہم نے پیدا کیا ہے تم کو

عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

بے فائدہ اور تحقیق تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے پس بلند ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے

اَنْسَوْكُمْ ۔ یعنی کفار لوگ مومنوں پر طعن و تشنیع میں وقت ضائع کر کے ان کے لئے پریشانی کا موجب بنتے تھے اور اپنے ذہن و دماغ کے دروازوں کو مقفل کر کے کفر و شرک کی تاریک وادی میں رہنے پر مصر تھے ورنہ اگر مومنوں کی تحقیر و تذلیل کے در پے ہونے کی بجائے عقل و خرد سے کام لیتے ہوئے دعوتِ اسلامیہ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے بچ جاتے۔ پس قیامت کے دن گرفتار عذاب ہونے کے بعد ان کو کہا جائے گا کہ تمہیں آج یہ سوچ آ رہی ہے کہ واپس پلٹ کر ہم اچھے کام کرتے حالانکہ دنیا میں مومنوں کے ساتھ مسخری کرنے میں وقت ضائع کرنے کی وجہ سے تم مجھے بھلا بیٹھے تھے۔ آیت مجیدہ میں انساء کا فاعل ضمیر کُم کو قرار دیا گیا ہے جو مومنوں کی طرف راجع ہے کیونکہ کفار کی یادِ خدا سے غفلت کا سبب مومن تھے یعنی کافر لوگ ان کی چھیڑ بازی کی بدولت دعوتِ توحید کو نظر انداز کر بیٹھے تھے۔

لَبِثْنَا ۔ قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر انہیں دنیاوی گذشتہ زندگی ایک آدھ یوم معلوم ہو گی اور ممکن ہے ایام آخرت کے لحاظ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ

نہیں کوئی معبود مگر وہی جو عرش کریم کا پروردگار ہے اور جو پکارے

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں پس اس کا حساب اس کے رب

عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ

کے پاس ہے تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے کافر لوگ اور کہہ اے رب

اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

بخش دے اور رحم کر اور تو بہتر رحم کرنے والا ہے

سے وہ دنیاوی زندگی کو ایک آدھ یوم سمجھیں گے۔

لَوْ اَنَّكُمْ ص۹۱، یعنی اگر تم جانتے ہوتے کہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں اس قدر تھوڑی ہے تو تم اسلامی تعلیمات کو ٹھکرانے کی جرأت نہ کرتے اور فنا کو بقا پر ترجیح نہ دیتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ ص۹۱ یعنی ہر عقلمند اور باہوش انسان نظام عالم میں فکر و تدبر کرنے سے اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ اتنا لمبا چوڑا اور پُر از حکمت و مصلحت پختہ نظام کسی غرض و غایت کے بغیر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس نظام کا خالق مدبّر اور حکیم ہے اور حکیم کا کام بے فائدہ نہیں ہوا کرتا لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ اس تخلیق کی کوئی غرض اہم ضرور ہے اور اگر غرض کا مرجع اللہ کی ذات ہو تو محال ہے کیونکہ اللہ اغراض سے پاک ہے۔ اس لئے کہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے غرض کا اور اللہ محتاج نہیں بنابریں ضروری ہے کہ غرض کا مرجع مخلوق ہو اور وہ ہے دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام اور ردّ کرنے والوں کیلئے عذاب و عقاب اور اس کا محل روز قیامت ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ وہ فعل جس کا فائدہ نہ فاعل کو پہنچے اور نہ کسی دوسرے کو عبث شمار ہوتا ہے اور خدا عبث سے پاک ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت علل امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم فنا کے لئے نہیں بلکہ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ اس کی جنّت ختم ہونے والی ہے۔ اور نہ اس کی آگ خاموش ہونے والی ہے۔ پس ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے۔

سُورَۂ نُور

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی آیات کی تعداد چونسٹھ ۶۴ ہے۔ اور بسم اللہ کے ساتھ پینسٹھ ۶۵ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی ذات کو اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو سُورۂ نور کی تلاوت سے پاکدامن بناؤ کیونکہ جو شخص شب و روز اس کی تلاوت کرتا رہے تو وہ مرتے دم تک اپنے خاندان میں برائی نہ دیکھے گا۔ اور مرنے کے بعد ستر ہزار فرشتے قبر تک اس کے جنازہ کے ساتھ جائیں گے اور قبر میں پہنچنے تک اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کریں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ عورتوں کو بالاخانوں میں جگہ نہ دو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ۔ البتہ ان کو چرخا کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنی چادر میں رکھے یا بستر میں رکھ کر سو جائے تو اس کو احتلام نہ ہوگا۔

نور کی حقیقت

چونکہ اس سورہ مجیدہ کا نام سورہ نور ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نور کے مفہوم کی وضاحت کریں۔ نور کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے هُوَ الظَّاهِرُ بِذَاتِهِ الْمُظْهِرُ لِغَيْرِهِ۔ یعنی وہ جو خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا سبب اور موجب ہو۔ اگر نور کے تمام استعمالاتِ عرفیہ اور اطلاقاتِ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے۔ تو انسان بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نور عدم کے مقابلہ میں وجود کا نام ہے اور شر کے مقابلہ میں خیر کا نام ہے اور نور صفات میں سے ہے ذوات میں سے نہیں۔ یعنی عرض ہے جوہر نہیں۔ البتہ ذات و جوہر پر اس کا اطلاق از راہِ مجاز کثرت سے ہوا کرتا ہے اور نور چونکہ صفتِ وجودی ہے اور خیر اس کی حقیقت میں داخل ہے۔ بنا بریں اس کا مقابلہ شر و عدم سے ہوگا۔ اور جن لوگوں نے نور کے مقابلہ میں بشر کو رکھا ہے وہ حقیقتِ نور کو سمجھنے سے قاصر ہیں پس یوں سمجھئے کہ اوصافِ حسنہ میں سے ہر روشن پہلو پر نور کا اطلاق صحیح ہے اور ہر تاریک پہلو پر ظلمت کا استعمال درست ہے۔ مثلاً نورِ وجود کے مقابلہ میں ظلمت عدم ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ خدا نے مخلوق کو ظلمتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود عطا فرمایا۔ اسی طرح علم روشن پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت تاریک پہلو ہے۔ پس علم نور ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت ظلمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ علم پڑھنے پڑھانے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے خدا جس کے دل میں چاہے ڈالدے۔ نیکی کے مقابلہ میں برائی ظلمت ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی ظلمت اور نتیجہ کے لحاظ سے جزا کے مقابلہ میں سزا ظلمت ہے۔ چنانچہ ارشادِ پروردگار ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ۔ پ۳ ۲۶ ترجمہ: اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور شیاطین کافروں کے اولیاء ہیں کہ ان کو نور سے نکال کر ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں (یعنی اللہ اپنے بندوں کو گمراہی اور برائی سے نکال کر دعوتِ حقہ کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کی طرف بلاتا ہے تاکہ جہنم کی سزا سے بچ کر جنت کی جزا پائیں اور اس کے برعکس کفار لوگ جو شیطانوں کے ہتھکنڈوں میں آگئے وہ ان کو خیر و رشد سے ہٹا کر شر و ضلالت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ پس جنت کی بہاروں سے محروم کرکے ان کو جہنم کے انگاروں کی طرف دھکیل دیتے ہیں اسی طرح ذرا وجودِ انسانی کا سرسری جائزہ لیجئے۔ آنکھوں میں بینائی نور ہے اور اندھاپن ظلمت ہے۔ کانوں میں سماعت کی قوت نور ہے اور بہرہ پن ظلمت ہے اور زبان میں قوتِ گویائی نور ہے اور گونگا ہونا ظلمت ہے وعلیٰ ہذا القیاس ہر عضو میں اس کی مناسب قوت جو اس کا روشن پہلو ہے نور ہے اور اس کا نہ ہونا ظلمت ہے پس نور ہر صفتِ کمال کا نام ہے جس کا عدم ظلمت ہے۔

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نور اگرچہ صفت ہے لیکن جب کسی موصوف میں بدرجۂ کمال موجود ہو تو از راہِ مجاز ذاتِ موصوف پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا ہے جس طرح کسی عادل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر عادل ہے گویا مجسمۂ عدل ہے۔ اسی طرح شجاع کو مجسمۂ شجاعت اور عالم کو مجسمۂ علم اطلاق مجازی میں درست ہے۔ خداوند کریم جو جمیع صفاتِ کمال کا جامع اور واجب الوجود ہے۔ اس پر نور کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ جو نورِ محض ہے اور اس میں کوئی ظلماتی پہلو نہیں کیونکہ صفاتِ ثبوتیہ اس کی عینِ ذات ہیں اور صفاتِ سلبیہ سے وہ منزہ و مبرا ہے۔ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو نورِ وجود سے

منوّر کرنے والا ہے کہ ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعتِ وجود سے آراستہ کر کے ان کو بقعۂ نور بنایا۔

اس کی مخلوق میں سے فرشتے نور ہیں کہ صفاتِ خیر سے آراستہ اور صفاتِ شر سے یکسو و مبرّا ہیں۔ قرآن مجید میں انجیل کی آیات پر نور کا اطلاق موجود ہے۔ اٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ۔ پ ۶ ع ۱۱۔ یعنی ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسی طرح تورات کی آیات پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ پ ۶ ع ۱۱۔ یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا کہ اس میں ہدایت اور نور تھا اور قرآن مجید پر صرف نور نہیں بلکہ نور مبین کا اطلاق ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ پ ۶ ع ۴ ترجمہ۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین بھیجا ہے (قرآن مجید) بعض روایات میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ جس طرح تفسیر کی جلد نمبر ۴ صـ۲۷۵ پر گذر چکا ہے یعنی خدا کی جانب سے آنے والی کتابیں جن میں قرآن مجید سیّد الکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جو دعوتِ خیر و ہدایت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے نہ ہو، پس وہ نور کی طرف لیجانے بلکہ مجسمۂ نور کتابیں ہیں۔ اسی طرح چاند چونکہ خود روشن اور اہل زمین کے لئے روشنی کا باعث ہے۔ اس پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ پ ۱۱ ع ۶۔ وہ ذات ہے جس نے سورج کو تابانی اور چاند کو روشنی عطا فرمائی اسی بنا پر خدا کے وہ بندے جو صفاتِ بد سے مبرا و منزہ اور صفاتِ خیر سے آراستہ ہیں ان کو نور کہا جاتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصیاء طاہرین سب نور ہیں۔ اور حضور رسالت مآبؐ پر نور کا اطلاق قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ پ ۶ ع ۷۔ ترجمہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آچکے ہیں۔ اس جگہ نور سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔ جس طرح ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں صـ۸۱ پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی نور کا اطلاق ذات باری پر موجود ہے۔ چنانچہ دعائے نور کے الفاظ ہیں بِسْمِ اللّٰهِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ نُوْرِ النُّوْرِ الخ۔ اور حضرت رسالتمآبؐ اور اس کی آل اطہار کی ذوات مقدسہ پر نور کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ چنانچہ خلقتِ نوری کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۴ میں صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی سیر ملکوتی کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں صـ۲۳۳ پر مندرج ہے اسی طرح زیارت کے الفاظ ہیں اَنَّكَ كُنْتَ نُوْرًا فِي الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ الخ۔ معصوم کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ تو بلند پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں نور کی حیثیت سے موجود تھا۔ چنانچہ اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر کے عنوان آبائے نبی کا اسلام میں حدیث نور مذکور ہو گی صـ۲۱۸۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔ پس جس طرح نور کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا باعث ہو۔ لہٰذا وہ ذوات طاہرہ جو اپنے مقام پر ہر رجس و کثافت سے پاک اور ہر فضل و کمال کی صفت سے آراستہ ہوں وہ نور کے صحیح مصداق ہیں اور تمام مخلوق میں سے محمدؐ و آل محمدؐ نور کے اکمل و اشرف افراد ہیں۔ کیونکہ انہی کی بدولت تمام عالم بقعۂ نور بنا۔ اور خدا اس لئے نور ہے کہ وہ تمام انوار کا خالق و موجد اور جامع جمیع صفاتِ کمال ہے۔ بایں طور کہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔

قرآن میں نور کا استعمال

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نور سے مختلف معانی مراد لئے گئے ہیں لیکن نتیجہ اور مآل کے لحاظ سے سب کی بازگشت ایک معنی کی طرف ہے یعنی نور سے مراد صفات کمالیہ ذاتیہ کا مثبت اور روشن پہلو اور اس کے مقابلہ میں ظلمت سے مُراد اس صفت کا منفی اور تاریک پہلو ہے (۱) ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ ۔ پ۱ ع ۲ ۔ ترجمہ ۔ ختم کر دیا اللہ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ان کو تاریکی میں ۔ نور سے مُراد روشنی اور ظلمت سے مراد تاریکی ہے (۲) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۔ پ۳ ع ۲ ۔ ترجمہ ۔ اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو (کفر و شرک و گمراہی کی) تاریکیوں سے نکال کر (اسلام و ایمان و خیرات کی) روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیاء شیاطین ہیں جو اُن کو (اسلام و ایمان و خیرات کی) روشنی سے نکال کر (کفر و شرک و گمراہی کی) تاریکیوں میں لے جاتے ہیں ۔ یہاں نور سے مراد اسلام و ایمان و جملہ امور خیر ہیں اور ظلمت سے مراد کفر و شرک و الحاد و جملہ امور شر ہیں (۳) قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۔ پ۶ ع ۴ ۔ ترجمہ ۔ تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے اور ہم نے اُتارا تمہاری طرف نور مُبین کو یہاں نور سے مُراد ہدایت قرآنیہ ہے یا ولایت علیؑ ہے اور اس کے برعکس ظلمت ہے ۔ (۴) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ پ۶ ع ۷ ۔ ترجمہ تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مُبین ۔ اور اس جگہ نور سے مراد نور نبوّت ہے اور اس کا انکار ظلمت ہے (۵) وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ ۔ پ۹ ع ۹ ۔ اور اتباع کی اس نور کی جو اُتارا گیا ساتھ اس کے یہاں نور سے مُراد بروایت صافی و کافی حضرت علی علیہ السلام ہیں ۔ تفسیر ہذا جلد نمبر ۶ ص ۱۰۸ اور اس کے برعکس ظلمت اس کے انکار کا نام ہے (۶) مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ پ۱۸ ع ۱۱ ۔ جس کے لئے اللہ نور کا سامان پیدا نہ کرے تو اس کو نور نہیں ملتا ۔ یہاں نور سے مراد ہدایت ہے اور اس کے برعکس ظلمت گمراہی کا نام ہے (۷) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ ترجمہ ۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے خدا کھول دے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر گامزن ہوتا ہے یہاں نور سے مراد نور ہدایت اور صراط مستقیم ہے اور اس کے برعکس گمراہی اور کج روی کا نام ظلمت ہے (۸) يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (پ۲۷ ۔ ع ۱۸) جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہ ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں ۔ یہاں نور سے مُراد اِن کے ایمان و اعمال صالحہ کی جزا (نعمات جنت) ہے ۔ اور اس کے برعکس وہ خود جس ظلمت میں ہوں گے وہ کفر و اعمال بد کی سزا جہنم ہے (۹) لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ پ۲۷ ع ۱۸ ۔ ترجمہ ۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے ان کا اجر اور نور ہوگا نور کا عطف اجر پر عطف تفسیری ہے ۔ پس نور سے مراد جزائے خیر اور ثواب جنّت ہے اور اس کے برعکس کافروں اور منکروں کی سزا اور عذاب کا نام ظلمت ہے (۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (پ۲۷ ع ۲) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول

کے ساتھ ایمان لانے میں ثابت قدم رہو خدا تمہیں دو کفل اپنی رحمت سے دے گا۔ اور تمہارے لئے ایک ایسا نور پیدا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے۔ یہاں نور سے مراد وقار رعب اور ہیبت ہے اور اس کے مقابلہ میں ذلت وخواری ظلمت ہے۔

قرآن مجید کے دس مذکورہ استعمالات کا تجزیہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نور صفتِ خیر کے مثبت پہلو اور اس کے روشن انجام پر بولا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کا منفی پہلو اور تاریک انجام ظلمت کہلاتا ہے اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی نور کا استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

نور، ہدیٰ اور رحمت

قرآن مجید میں جن معانی پر نور کا اطلاق ہوا ہے انہی معنوں پر ہدیٰ اور رحمت کی لفظیں بھی استعمال کی گئی ہیں (۱) انجیل کی آیات کو جہاں نور کہا گیا ہے وہاں ہدیٰ بھی کہا گیا ہے۔ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ۔ پ۶ ع ۱۱ یعنی ہم نے اس کو انجیل دی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ (۲) إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ۔ پ۶ ع ۱۱۔ ہم نے نازل کیا تورات کو کہ اس میں ہدایت اور نور تھا (۳) قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى۔ پ۷ ع ۱۶۔ کہدو کس نے نازل کی ہے وہ کتاب جو موسیٰ لایا کہ وہ نور اور ہدایت تھی (۴) لَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً پ۸ ع ۱۳ اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے (۵) جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ پ۸ ع ۶ تحقیق آیا تمہارے پاس بیّنہ اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت (نبوت اور دعوت اسلام) (۶) هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ پ۱ ع ۱۸ (قرآن ہدایت ہے متقیوں کے لئے) (۷) نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً پ۱۴ ع ۱۸۔ ہم نے اتاری تیرے اوپر کتاب جو واضح بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت و رحمت ہے (۸) يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ۔ پ۲۷ ع ۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دو کفل رحمت کے دے گا۔ تو جہاں مومنوں کے اجر پر نور کا اطلاق ہوا وہاں رحمت بھی اس کو کہا گیا ہے۔ پس ان تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ نور رحمت اور ہدایت ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور جہاں نور کے اطلاق میں حضرت محمد مصطفیٰ ص تمام نوری افراد کے سید و سردار ہیں وہاں رحمت کے تمام مصداق بھی آپ کے دستِ کرم کے ممنون احسان ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کی رحمت بنا کر اور حضرت علی علیہ السلام جس طرح حضور ص کے صحیح جانشین ہونے کی حیثیت سے عالمین پر رحمت ہیں اسی طرح ہدایت میں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے مصداق بھی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ نور ایک مثبت حقیقت ہے جو خیر و رشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ بنا بریں نور کو بشر کے مقابلہ میں لانا اور ان کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینا محض جہالت اور نافہمی ہے اور جو لوگ یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ انبیاء و آئمہ نور تھے یا بشر؟ اسی لقمۂ جہالت کو بار بار چبانے ہیں۔

اوّل مخلوق

خداوند کریم خیر محض ہے اور اَلْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ مِنْهُ اِلَّا الْخَیْرُ۔ یعنی خیر سے صرف خیر ہی صادر ہو سکتی ہے۔ بنا بریں اوّل مخلوق کو خالص خیر اور محض نور ہونا چاہیے جس میں شر کا کوئی شائبہ اور ظلمت کا کوئی پہلو نہ ہو اور احادیث میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ یعنی سب سے پہلی چیز جو اللہ نے خلق فرمائی وہ میرا نور تھا۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ خلقت نوری کی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علی و فاطمہ و حسن و حسین کو پیدا کیا پھر میرے نور سے عرش کے نور کو علی کے نور سے ملائکہ کے نور کو فاطمہ کے نور سے زمین و آسمان کو حسن کے نور سے شمس و قمر کو اور حسین کے نور سے جنت و حور العین کو پیدا کیا۔ مفصل حدیث تفسیر کی جلد ۲ میں ص۱۳۲ پر مرقوم ہے نیز اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر میں بھی اسی قسم کی روایت انشاء اللہ آجائیگی ص۲۱۲

پس خداوند کریم نور کل اور خیر محض ہے بایں معنی کہ وہ خود ظاہر و باہر اور روشن و جلی ہے اور باقی ہر شے کو ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر وجود کے بقعۂ نور میں داخل کرنے والا ہے اس کا اپنا ظہور کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ ارباب بصیرت کے نزدیک اس کی مخلوق کا ہر فرد اپنی زبان عجز سے اس کے وجود کا بولتا ہوا ناقوس ہے۔ اسی لئے عرفا نے اس کے وجود کے اثبات کو دلیل و برہان سے بھی جلی تر قرار دیا ہے کیونکہ باقی ہر شے اپنے وضوح و جلا میں اس کی رہین منت ہے۔

اور تمام مخلوق میں سے حضرت محمد مصطفیؐ نور کل اور خیر محض ہیں بایں طور کہ وہ اوّل مخلوق ہیں اور باقی تمام مخلوق کا کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونا انہی کے طفیل سے ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ ممکن میں جو جو خوبیاں ہو سکتی ہیں ان میں سب موجود ہیں اور ممکن میں جو نقائص ہو سکتے ہیں آپ سب سے منزہ و مبرّا ہیں۔ پس تمام ممکنات کے لئے ہدایت کل رحمت مجسمہ روح حیات اور عقل آپ کی ذات بابرکات ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اول مخلوق کی مختلف تعبیریں اس کی شاہد ہیں۔ اوّل مخلوق کے متعلق واردشدہ احادیث میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

کافی۔ باسنادہ عن ابی جعفر علیہ السلام قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ اسْتَنْطَقَهٗ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا هُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكَ وَلَا اَكْمَلْتُكَ اِلَّا فِیْمَنْ اُحِبُّ اَمَا اِنِّیْ اِیَّاكَ اٰمُرُ وَاِیَّاكَ اَنْهٰی وَاِیَّاكَ اُعَاقِبُ وَاِیَّاكَ اُثِیْبُ

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے جب عقل کو پیدا کیا اور اس کو گویا کیا تو پھر فرمایا آ۔ پس وہ آیا پھر فرمایا جا۔ پس وہ گیا پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اور میں نے تجھ کو نہیں کامل کیا مگر اپنے محبوب بندوں میں۔ میں تجھ کو ہی امر و نہی کروں گا اور تجھے ہی (غلطی پر) سزا اور (نیکی پر) جزا دوں گا۔

ھذا الحدیث مما رواہ العامۃ

(صاحب وافی فرماتے ہیں) اس حدیث کو سنّی و شیعہ علماء نے

والخاصۃ باسانید مختلفہ والفاظ متغایرہ

اسانید مختلفہ اور الفاظ متغائرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

والعقل جوھر ملکوتی نورانی خلقہ اللّٰہ سبحانہ من نور عظمتہ وبہ اقام السمٰوات والارضین ومافیھن ومابینھن من الخیرات ولاجلہ البس الجمیع حلۃ نورا لوجود وبوساطتہ فتح ابواب الکرم والجود ولولاہ لکن جمیعاً فی ظلمۃ العدم ولاغلقت دوننا ابواب النعم

اور عقل ایک جوہر ملکوتی و نورانی ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور اسی کے ساتھ زمین و آسمان کو اور ان کے اندر رہونے والی تمام چیزوں کو قائم کیا اور اسی کی بدولت تمام مخلوق کو نورِ وجود کی خلعت بخشی اور اسی کی وساطت سے اپنے کرم وجود کے دروازے کھولے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو سب مخلوق ظلمت کدۂ عدم میں ہوتی اور نعمات کے تمام دروازے بند ہوتے۔

وھو اوّل خلق من الروحانیین عن یمین العرش وھو بعین نور نبیّنا وروحہ الّذی تشعب منہ انوار اوصیائہ المعصومین وارواح الانبیاء والمرسلین سلام اللّٰہ علیھم اجمعین ثمّ خلقت من شعاعھا ارواح شیعتھم من الاولین والاخرین

اور روحانیین میں سے وہ پہلی مخلوق ہے جو عرش کے دائیں طرف ہے اور وہی بعینہٖ ہمارے نبی کا نور اور روح ہے۔ جس سے اس کے اوصیائے معصومین علیہم السلام کے ارواح الگ ہوئے اور اس سے انبیاء و مرسلین کے ارواح پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شعاعوں سے اولین و آخرین سے ہونے والے ان کے شیعوں کے ارواح پیدا ہوئے۔

قال نَبِیُّنا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وفی روایۃ اخری روحی وفی حدیث القدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وفی ھذا المعنی وردت روایات کثیرۃ وفی حدیث المفضل عن الصادق علیہ السلام اِنَّا خُلِقْنَا اَنْوَارًا وَّ خُلِقَتْ شِیْعَتُنَا مِنْ شُعَاعِ ذٰلِکَ النُّوْرِ فَلِذٰلِکَ سُمِّیَتْ شِیْعَۃً" (وافی)

حضورؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا۔ دوسری روایت میں ہے میرا روح تھا۔ اور حدیث قدسی میں ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اسی مطلب کی حدیثیں کثرت سے منقول ہیں اور بروایت مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم انوار پیدا ہوئے اور ہمارے شیعہ اس نور کی شعاع سے پیدا ہوئے اور اسی لئے ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

پس ایک حدیث میں اوّل مخلوق عقل ہے۔ دوسری میں اوّل مخلوق نور محمدی ہے اور تیسری میں روح محمدی ہے تو معلوم ہوا کہ سب ایک ہی مطلب کی الگ الگ تعبیریں ہیں یعنی عقل نور اور روح سب سے مراد نور رسالتمآبؐ ہے۔

اقبال وادبار کا معنی

بنابریں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل کو پیدا کرنے اور قوت گویائی دینے کے بعد کہنا اَقْبِلْ یعنی آ۔ اور پھر فرمانا اَدْبِرْ یعنی جا۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ حالانکہ خدا ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے۔

تو اس کے حل میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی صاحب وافی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں:۔
(۱) پہلی صورت یہ کہ عقل سے مراد اگر روح محمدی ہو تو عالم ظہور میں قدم رکھنے کے بعد اقبال یعنی آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کسب کمالات اور ترقی درجات کی طرف پیش قدمی کی دعوت دی گئی جس پر آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے عمل کیا اور ادبار یعنی جانے کا حکم دینے سے مُراد یہ ہے کہ کمالِ ذاتی کے بعد ان کو ہدایت خلق اور دعوتِ حق کے لئے مامور کیا گیا جس کو آپ نے بطریق احسن نبھایا۔
(۲) دوسری صورت یہ کہ عقل سے مراد اوّل مخلوق ہو (عالم ظہور سے پہلے) تو اقبال کا معنی ہے عالمین کی رحمت بن کر دنیا کی طرف جانا اور زمین پر پہنچنا تاکہ حسب استعداد مخلوق ان سے فیض یاب ہو کر حیوانی پستی سے نکل کر ادراجِ انسانی تک پہنچے اور ادبار سے مُراد ہے۔ اپنا فریضۂ نبوت اور عہدہ رسالت ادا کرنے کے بعد دعوتِ حق سبحانہٗ پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ اقدس میں واپس پہنچنا۔ پس حضورؐ نے اقبال وادبار کی دونوں منزلیں کما حقہ نبھائیں اور ان کے نور سے پیدا ہونے والے تمام انوار طاہرہؑ اور ارواحِ طیبہ نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض کو کما حقہ ادا فرمایا پس اقبال کا معنی ہے عالم جسمانی کی طرف آنا اور ادبار کا معنی ہے ادائیگی فرض کے بعد عالمِ قدس کی طرف رجوع کرنا۔
اس کے بعد مثال سے مطلب کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ غیب میں نورِ عقل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو عالمِ ظاہر میں نورِ شمس کو حاصل ہے۔ پس جس طرح آنکھ نورِ شمس کی بدولت چیزوں کو دیکھتی ہے اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو آنکھ کچھ نہ دیکھتی۔ اسی طرح بصیرت کی آنکھ نورِ عقل کی بدولت معقولات کو دیکھتی ہے۔ اگر نورِ عقل نہ ہوتا تو چشم بصیرت کچھ نہ دیکھ سکتی نیز اگر کسی کی آنکھ نہ ہو تو نورِ شمس اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جس کے پاس چشم بصیرت نہ ہو۔ نورِ عقل اس کو فائدہ نہیں بخشتا۔
علاوہ ازیں علمائے اعلام نے اقبال وادبار کی اور تاویلیں بھی کی ہیں۔
(۱) اقبال کا معنی اُمورِ خیر کی طرف رغبت جو عقل نے فوراً قبول کی اور ادبار کا معنی امورِ بد سے دوری جس کو عقل نے بلا پس و پیش مان لیا ہو۔
(۲) اقبال کا معنی منفعت خوشی تندرستی اور خوشحالی میں شکرِ پروردگار کی بجا آوری اور ادبار کا معنی نقصان غمی بیماری اور بدحالی کی آمد پر دامن صبر کو تھام کر رضائے خالق پر راضی رہنا۔ پس عقل نے اس کو بھی قبول کر لیا۔
(۳) اقبال کا معنی اطاعتِ حکم پروردگار جب کہ اس اطاعت میں ظاہری طور پر منفعت بھی ہو۔ اور ادبار کا معنی اطاعتِ پروردگار جب کہ ظاہری طور پر کوئی منفعت و مصلحت کارفرما نظر نہ آتی ہو یا بجائے منفعت کے اس کو نقصان اٹھانا پڑتا ہو۔ پس اقبال و ادبار کا معنی ہے دونوں صورتوں میں رضائے خالق کو مدِ نظر رکھنا

عقل کی عظمت | حدیث کے آخر میں سزا و جزا کا تعلق عقل کے ساتھ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ عقل سے اگر عقل کل جو

مخلوق اوّل ہے مراد ہو تو معنی یہ ہے کہ تیری وجہ سے سزا و جزا ہو گی جو تیرے اطاعت گذار ہوں گے جزا کے حق دار ہوں گے اور جو نافرمان ہوں گے وہ سزا کے سزاوار ہوں گے اور عقل سے اگر مراد عام انسانی عقول ہوں جو عقل اوّل یعنی نور محمدیؐ کی شعاع سے پیدا ہوئے تو مراد یہ ہے کہ اگر یہ عقول اپنے صحیح مقتضا پر قائم رہتے ہوئے وہم و خیال و خواہشات و جذبات کی اتباع سے بلند ہو کر فرمانِ خداوندی کو قبول کریں گے تو جزائے خیر کے مستحق ہوں گے لیکن اگر اپنے مقتضا سے ہٹ کر وہم و خیال و خواہشات و جذبات کے جالوں میں پھنس کر فرمانِ خداوندی کو نظر انداز کر دیں گے تو سزا کے حق دار ہوں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود عقل بذاتہٖ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے متنفر ہے۔ اسی لئے تو اس کو رسول باطنی کہا گیا ہے اور خداوند کریم نے خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کرنے کا ذریعہ عقل کو قرار دیا ہے۔ اگر یہ خود صالح نہ ہوتا تو اس کو معیارِ امتیاز کیوں قرار دیا جاتا۔ کائنات کے امُور میں غور و فکر اور تدبّر کی دعوت صاحبانِ عقول کو دی گئی ہے۔ اگر عقل کی ذات میں غلط کاری اور کج روی ہوتی تو اس کو دعوت دینے کا مقصد ختم ہو جاتا۔ بے شک ذاتِ عقل جملہ برائیوں سے پاک اور معصوم ہے۔ اسی لئے رسول باطنی کے لقب کی اہل ہے۔ البتہ بعض اوقات جذبات و خواہشات کی قیدی ہو کر غلط کاری کی طرف اقدام کرتی ہے۔ لیکن تاہم اپنے مقام پر وہ غلطی کو غلطی سمجھتی ہے۔ اور اندر ہی اندر غلطی کرنے والے کو اس کے غلط کردار پر ملامت کرتی رہتی ہے۔ خواہ خواہشات و جذبات کا اُلّو مانے یا نہ مانے یہ الگ بات ہے۔ عقل قیدی ہو کر بھی اپنے فریضہ سے کوتاہی نہیں کرتی پس کسی انسان میں نیکی کا وجود اس کی عقل کی سرشت کے ماتحت ہوتا ہے۔ جو اس کا نورانی پہلو ہے اور برائی کا وجود عقلی دعوت کو پس پشت ڈال کر نفسانی و جذباتی خواہشات کے پیشِ نظر ہوتا ہے جو اس کا ظلمانی پہلو ہے۔ اور بالعموم انسانوں میں جو اربابِ عقل و دانش ہیں۔ نورانی پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ جو نیکیوں کی شکل میں اُن کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے اور ظلماتی پہلو بھی ہوتا ہے جو برائیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے لیکن بعضوں میں دونو پہلو یکساں ہوتے ہیں اور بعضوں میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے اور تاریک پہلو مغلوب ہوتا ہے لہذا اسے نیک کہا جاتا ہے اور بعضوں میں تاریک پہلو غالب اور روشن پہلو مغلوب ہوتا ہے پس اُسے بد کہا جاتا ہے۔ اور جن میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ ان میں نیکی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گناہ کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے غلطی ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس ان کا تاریک پہلو مضمحل اور نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں جن کا تاریک پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے گناہانِ کبیرہ ان کی سرشت بن جاتے ہیں۔ پس ان کی جزوی نیکیاں برائیوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ لہذا وہ فاسق و فاجر بلکہ کافر و ملحد کہلاتے ہیں۔ اور معصوم وہ ہے جو کبھی مقتضائے عقل سے ہٹ کر جذبات و خواہشات کا قیدی نہ ہو سکے اور جس میں تاریک پہلو برائے نام بھی نہ ہو۔ پس وُہ عقل کل بھی ہوتا ہے اور نور مجسّم بھی۔ بنا بریں ہر نبی اپنی اپنی اُمت کے لئے عقل کل اور نور مجسم تھا لیکن حضرت محمد مصطفٰےؐ کل کائنات کے لئے حتاکہ انبیاء و مرسلینؑ ملائکہ مقربینؑ اور اوصیائے طاہرینؑ سب کے لئے آپ کی ذات نور کل ہدایت کلیہ اور رحمت مجسمہ تھی۔ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السّلام سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک آئمہ معصومین علیہم السلام تمام کائنات کے لئے عقل کل، اور

نور مجسم ہیں۔ پس گذشتہ تمام انبیاء کے مقابلہ میں ان کی ہدایت ہدایت کاملہ اوران کی عصمت عصمتِ کبریٰ ہے۔ اُن سے ترکِ اولیٰ ہوسکتا تھا لیکن اِن سے ترکِ اولیٰ بھی نہیں ہوسکتا۔

مُلّا معین کاشفی نے معارج النبوۃ کے رکن اوّل خلقتِ نورِ محمدی کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد اول مخلوق کے متعلق واردشدہ چار احادیث نقل کیں۔ (۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (۲) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الرُّوْحَ (۳) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ (۴) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ۔ پہلی حدیث میں اول مخلوق نورِ محمدی بیان ہوا ہے دوسری میں روح تیسری میں عقل اور چوتھی حدیث میں اول مخلوق قلم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مُلّا کاشفی نے احادیث مذکورہ کی توفیق وتطبیق کے لئے چار تاویلیں ذکر کی ہیں (۱) پہلی حدیث میں اوّلیت سے مُراد اوّلیت حقیقیہ ہے۔ اور باقی تینوں حدیثوں میں اولیت اضافیہ مراد ہے یعنی روحانیین میں سب سے پہلی مخلوق رُوحِ محمدی ہے۔ مجردات میں سے پہلی مخلوق عقل ہے اور اجسام میں سے پہلی مخلوق قلم ہے (۲) نورِ محمدیؐ کی اولیت مبنی برحقیقت ہے کہ اس کی تخلیق تمام اشیاء سے پہلے ہے اور تمام عقول میں سے پہلی مخلوق وہ عقل ہے جو اقبال وادبار سے خطاب کیا گیا اور اطاعت کے تقاضوں پر پورا اُترا اور تمام قلموں سے پہلی مخلوق وہ قلم ہے جس کے ذریعے سے تمام اشیاء کی تقدیریں لوحِ محفوظ پر نقش کی گئیں (اور روح کا ذکر اس تاویل میں نہیں کیا گیا۔ شاید نورِ محمدی اور روحِ محمدی دونو کو ایک قرار دیا گیا ہے) (۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ احادیث مذکورہ میں اگرچہ تعبیریں چار ہیں لیکن درحقیقت سب سے مراد ایک ذات ہے جس کا حیثیات کے اختلاف سے نام الگ الگ کر دیا گیا ہے یعنی ایک ہی حقیقتِ مقدسہ جو وجود واجب ازلی وابدی کے نوری پرتو سے متاثر ہوکر باقی تمام ہونے والی مخلوق میں ظاہر لذاتہ اور مظہر لغیرہ ہے اور کائنات میں ہونے والے جملہ کمالات وفیوض کا منبع و سرچشمہ ہے پس اس کو نورِ محمدیؐ سے تعبیر کیا گیا کہ باقی تمام موجوداتِ عالم کا تخلیقی کارنامہ ان کے وجود کی بدولت ہے اور اس حیثیت سے ان کا وجود عالمین کے لئے سراپا رحمت ہے اور انہوں نے خداداد علم واستعداد کی بناء پر حقیقت مبداء ومعاد کو خود ادراک کیا حتیٰ کہ ان کے نوری اجسام کی نوری زبانوں سے تسبیح وتقدیس اور تحمید اور تمجید پروردگار کے نوری اذکار نوری ملائکہ کے لئے مشعل راہ بنے۔ پس وہ عالمین کے عقول میں عقل کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہی پہلی مخلوق ہیں جن کو حدیث میں عقل سے تعبیر کیا گیا ہے نیز روح چونکہ بدن کیلئے باعثِ زندگی ہے اور نورِ محمدی عالمین کے جسم کلی کے لئے باعثِ زندگی ہے۔ اس لئے اس کی تعبیر روح سے کی گئی۔ اور صفحۂ عالم پر تخلیقِ کائنات کی مفصّل تحریر اسی نورِ کامل کے وجُود کی بدولت ہوئی لہذا اس کو قلم سے تعبیر کیا گیا (۴) اس کی چوتھی تاویل یہ ہے کہ درحقیقت مخلوقِ اوّل نورِ محمدی ہے پس تمام انوار کو خدا نے ان کے نوری پرتو سے پیدا کیا۔ اور تمام ارواح اور روح دار مخلوق کو ان کے روحِ مقدّس کی وساطت سے خلق فرمایا اور تمام عقول کو ان کے عقلِ کل کی بدولت منصۂ شہود پر جگہ دی اور یہی وہ قلم ہے جس کو یدِ قدرت نے اپنے تخلیقی کارنامہ کی مفصّل تحریر کے لئے واسطہ بنایا اور نٓ وَالْقَلَمِ میں اسی ذات کی قسم کھائی گئی۔

نور ولبشر عوام میں نور وبشر کا مسئلہ معرکۃ الآراء حیثیت کا حامل ہے، حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ نور وبشر کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور جو صاحبان منبر نور وبشر میں تقابل بیان کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کو بے نقاب کرتے ہیں قرآن مجید میں جہاں حضورؐ کو نور

رحمت اور ہدیٰ کہا گیا ہے وہاں ان کو بشر بھی کہا گیا ہے۔ اگر بشر ہونا یا ان کو بشر کہنا ان کی توہین ہوتا۔ تو خداوند کریم قرآن مجید میں ان کو بشر نہ کہتا۔ بلکہ ان کی زبانی کہلوایا کہ تم کہو۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یعنی میں تم جیسا انسان ہوں گویا بشریت اور نبوت میں کوئی منافات نہیں اور کفار کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ بشریت اور نبوّت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھتے رہے۔ پس ہر نبی کی دعوت کو ردّ کرنے کا ان کے پاس یہی ایک بہانہ تھا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو لہٰذا نبی کیسے بن سکتے ہو۔ اگر وہ نبوت و بشریت میں منافات نہ سمجھتے تو نبوّت کا انکار نہ کرتے اور ہر آنے والے نبی نے اُمّت کے اس بہانہ کا کبھی یہ جواب نہیں دیا کہ تم کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تم جیسا بشر نہیں ہوں بلکہ صاف کہتے تھے کہ واقعی میں تمہاری طرح کا بشر تو ہوں لیکن مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے معجزہ عطا فرمایا ہے اور احکامِ شریعت کی تبلیغ پر مامور فرمایا ہے وغیرہ۔ یعنی نبی یہ باور کراتے رہے کہ تم بشریت اور نبوت میں منافات نہ سمجھو کیونکہ ہم بشر بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی جلد نمبر ۷ میں ص ۲۰۹[1] پر واضح کیا ہے۔ قرآن مجید میں بشر کے اطلاق کے متعدّد مقامات دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ بشریت کو نورِ نبوّت سے کوئی منافات نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۹ کا ترجمہ ملاحظہ ہو کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے۔ قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور کہنے لگے۔ تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو (آیت نمبر ۱۰ کا ترجمہ) تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تمہارے گناہ اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقرر تک قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو۔ اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا تو کوئی معجزہ لے کر آؤ (آیت نمبر ۱۱) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ الخ (پ ۱۳۔ ع ۱۴) ان کو رسولوں نے کہا کہ واقعی ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے۔ الخ

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ گذشتہ قومیں نبیوں کی دعوت کو اسی بہانہ سے ردّ کرتی تھیں کہ تم ہم جیسے بشر ہو۔ لہٰذا تم عہدۂ جلیلہ نبوّت پر فائز ہونے کا غلط دعویٰ کرتے ہو۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں اس زمانہ کے مقررین نے اپنی چودہراہٹ کے باقی رکھنے کے لئے یہ بات پختہ کر رکھی تھی کہ جو نبی ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اس بات پر ڈٹ گئے۔ پھر اپنے انکار کو مزید تقویت دینے کے لئے کہتے تھے کہ اپنی صداقت کے لئے کوئی معجزہ لے آؤ۔ اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ وہ لوگ معجزہ حق جوئی کے لئے نہیں طلب کرتے تھے ورنہ معجزہ کے بعد وہ ایمان ضرور لاتے بلکہ وہ معجزہ محض ازراہ تمسخر و انکار طلب کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر تھی کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نبی نے باذن خدا معجزہ دکھایا بھی تو فوراً ان کے ذہن تصدیق کی بجائے الٹی راہ چل کر اسے جادو کہنے پر تُل گئے اور نبی کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ورنہ اگر بشریت و

[1] پہلا ایڈیشن

نبوّت کے درمیان منافات ان کے ذہن نشین نہ کرائی گئی ہوتی تو معجزہ دیکھتے ہی ان کے دِل شمعِ ایمان سے منوّر ہو جاتے اور کلمہ توحید ونبوّت کو زبان پر جاری کر کے حضیضِ جہالت سے نکل کر اوجِ ایمانی پر جا پہنچتے۔ چنانچہ قرآنی حکایت کے ماتحت ہر زمانہ کے نبی نے اپنی اُمّت کا اعتراض سُن کر کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن ہم پر اللہ نے احسان کیا ہے کہ اس نے ہم کو عہدۂ نبوت عطا فرما کر تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ ان کی معجزہ طلبی ازراہ تمسخر وعناد تھی۔ لہٰذا نبی یہ جواب دیتے تھے کہ معجزہ دکھانا ہمارے بس میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ہم دکھا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق صاف ارشاد ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ الخ (پ۱۴ ع ۳۶) یعنی میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ آواز کرنے والی مٹی سے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام نبیوں کا باپ اور خود بھی نبی ہے لیکن مٹی سے پیدا ہونے والا بشر ہے اور اس کا انکار قرآنی ارشاد کا انکار ہے۔

اور اسی جلد میں پ۱۹ رکوع نمبر ۳ میں آئے گا۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔ وہ وُہ ذات ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اس کو نسب اور صہر بنایا۔ تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ بشر سے مراد رسالت مآبؐ اور نسب سے مُراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہے۔

ایک مقام پر بالعموم نبوت کے دستور کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ الخ (پ۳ ع ۱۶) کسی بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب علم اور نبوّت عطا کرے تو وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا پھرے بجز خدا کے۔ الخ۔ مقصد یہ ہے کہ جس بشر کو نبوّت دی جاتی ہے وہ غلط تبلیغ نہیں کرتا اور نہ وہ اپنی عبادت کی ترویج کرتا ہے بلکہ وہ توحید کی دعوت کا علمبردار ہوتا ہے اور اسی پر کاربند رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر تمام نبیوں کی پوزیشن کو اس طرح واضح فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ پ۱۴ ع ۱۲۔ پ۱۷ ع ۱۔ حضورؐ کو خطاب ہے کہ تم سے پہلے میں نے جس قدر رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ ایک مقام پر انکار کرنے والے لوگوں کے بہانہ بشریت کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ پ۱۵ ع ۱۔ ترجمہ:۔ نہیں روکتی لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس رسول آئے (ہدیٰ کا اطلاق رسول پر ہو سکتا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں) مگر یہ بات کہ ازراہِ تعجب کہتے ہیں کیا بشر کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی وہ بشریت اور رسالت میں منافات سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کا نظریہ سراسر غلط ہے۔

ایک اور مقام پر حضورؐ کی تسلّی کے لئے ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ پ۱۷ ع ۱۲۔ ترجمہ:۔ ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے ہے پس جلائے ایمانی کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ ورنہ بشریتِ رسولؐ پر مشتمل آیات کی تعداد

قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے۔ اب ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی انسان بشریت اور نبوت میں منافات سمجھتا ہے تو ایسے منکرِ قرآن کا سمجھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔

پس وہ بشر جس میں نورِ بصیرت موجود ہو اور اس کے سر میں نورِ عقل کی قندیل روشن ہو وہ نورِ ایمان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ورنہ ظلمت کفر کے گرداب سے رہائی نہیں پا سکتا اور بشر نورانی وہ ہے جس کے دل میں نورِ ایمان کی شمع روشن ہو ورنہ وہ بشر ظلمانی ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام بشر ہونے کے باوجود ان میں نورِ عقل کی قندیل نہیں بلکہ اُمت کے مقابلہ میں وہ عقل کل تھے لہذا ایمان کل تھے۔ اور نور مجسم تھے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ صرف بشر نہیں بلکہ سید البشر ہیں۔ اور کل کائنات کے مقابلہ میں عقل کل ایمان کل اور نور مجسم ہیں اور حضرت علی علیہ السلام سے حضرت مہدی علیہ السلام تک تمام ائمہ طاہرینؑ یکے بعد دیگرے جناب رسالت مآبؐ کے بعد تمام کائنات کے لئے عقل کل اور ایمان کل و نور مجسم ہیں۔

وافی میں ہے کہ محاسن برقی میں خلقتِ عقل والی حدیث کے آخر میں ایک جملہ کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ عقل کل کے ۹۹ جزئیں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو عطا ہوئیں اور باقی ایک جز تمام بندوں میں تقسیم ہوئی اور اس کی ضد شر ہے۔ صاحب وافی فرماتے ہیں کہ تقسیم ہونے والی جز شعاعی جز ہے جس کے الگ ہونے سے عقل کل میں سے کوئی شی کم نہیں ہوتی۔

نور و عصمت میں تلازم ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ نور کے معنی میں خیر اور بھلائی داخل ہے اور عقل اس کی دوسری تعبیر ہے پس ہر خیر و بھلائی کا پہلو نور و عقل ہوگا۔ اور اس کے برعکس ہر شر و برائی کا پہلو ظلمت و جہالت ہوگا۔ پس جس میں خیر و بھلائی غالب ہو گی اس کا نورانی و عقلی پہلو غالب ہوگا۔ اور جس میں شر و برائی غالب ہو گی۔ اس کا ظلمانی و جہالت کا پہلو غالب ہوگا۔ پس جس میں خیر اور بھلائی ہی ہو۔ اور شر و برائی بالکل نہ ہو۔ تو وہ نور مجسم و عقل کامل اور ایمان کل ہوگا۔ اس کا مقابل جہالت مجسمہ ظلمت تامہ اور کفر کل ہوگا۔ اور اسی نکتہ کے پیش نظر حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق بروز خندق ارشاد فرمایا تھا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ۔ یعنی آپ نے علیؑ کو مجسم ایمان اور اس کے مقابل کو کفر مجسم قرار دیا۔ کیونکہ وجودِ علی میں تاریک پہلو کوئی نہیں تھا اور اس کے مقابل میں روشن پہلو کوئی نہیں تھا۔ پس یہ نور محض تھا۔ اور وہ ظلمت کا مرقعہ تھا اور چونکہ عقل و نور ایک ہی حقیقت کی تعبیریں ہیں۔ تو احادیث کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

چنانچہ وافی میں بروایت خصال صدوق حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خدا نے عقل ایک نور سے پیدا کیا جو اس کے علم سابق میں مکنون و مخزون تھا جس کا علم نہ کسی نبی مرسل کو تھا اور نہ ملک مقرب کو۔ پس علم کو اس کا نفس فہم کو اس کی روح۔ زہد کو اس کا سر حیا کو اس کی آنکھیں حکمت کو اس کی زبان۔ نرمی کو اس کی حکمت اور رحمت کو اس کا دل قرار دیا۔ اس کے بعد دس چیزوں کو عقل کی غذا و تقویت کا باعث قرار دیا۔ یقین۔ ایمان۔ صدق۔ سکینہ۔ اخلاص۔ رفق۔ عطیہ۔ خشوع ذکر اور شکر۔ الخ۔ حدیث میں عقل کی اس تصویر کشی سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف عقل کے نشان ہیں اور ان کا نہ ہونا جہالت کا غماز ہے

گویا یہ اوصاف نور کی شعاعیں ہیں۔ اور ان کا عدم ظلمت کی گھٹائیں ہیں۔

اصول کافی میں بروایت سماعہ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ خَلَقَ الْعَقْلَ وَھُوَ اَوَّلُ خَلْقٍ مِّنَ الرُّوحَانِیِّیْنَ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ مِنْ نُوْرِہٖ۔ ترجمہ۔ تحقیق اللہ تعالےٰ نے عقل کو خلق فرمایا۔ اور یہ عرش کے دائیں طرف روحانیین میں سے اس کی پہلی مخلوق ہے جس کو اس نے اپنے نور خاص سے پیدا کیا۔ پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے عقل کے معاون کچھتر بیان فرمائے اور ان کی ضدوں کو جہل کا معاون قرار دیا۔

(۱) خیر وزیر عقل اس کی ضد شر وزیر جہل (۲) ایمان اور اس کی ضد کفر (۳) تصدیق اور اس کی ضد انکار (۴) رحمت خدا کا امیدوار ہونا اور اس کی ضد مایوس ہونا (۵) عدل اور اس کی ضد جور (۶) اللہ کے فیصلہ پر رضا اور اس کی ضد ہے اس کے فیصلہ پر ناراض ہونا (۷) شکر اور اس کی ضد بے شکری (۸) امید عطا اور اس کی ضد نا امید ہونا (۹) توکل اور اس کی ضد حرص (۱۰) نرم دلی اور اس کی ضد سخت دلی (۱۱) رحمت اور اس کی ضد غضب (۱۲) علم اور اس کی ضد جہل (۱۳) دانشمندی اور اس کی ضد حماقت (۱۴) پاکدامنی اور اس کی ضد پردہ دری (۱۵) زہد اور اس کی ضد رغبت (۱۶) خودداری اور اس کی ضد چھچھورا پن (۱۷) خوف خدا اور اس کی ضد ناخدا ترسی (۱۸) تواضع اور اس کی ضد تکبر (۱۹) متانت اور اس کی ضد جلد بازی (۲۰) علم اور اس کی ضد بیوقوفی (۲۱) خاموشی اور اس کی ضد یاوہ گوئی (۲۲) جھکنا اور اس کی ضد اکڑنا (۲۳) تسلیم اور اس کی ضد شک (۲۴) صبر اور اس کی ضد بے صبری (۲۵) درگذر اور اس کی ضد انتقام (۲۶) غنائے نفس اور اس کی ضد فقر نفس (۲۷) تذکر (بھولی ہوئی کا یاد آجانا) اور اس کی ضد سہو (۲۸) حفظ اور اس کی ضد نسیان (۲۹) صلہ رحمی اور اس کی ضد قطع رحمی (۳۰) قناعت اور اس کی ضد لالچ (۳۱) ہمدردی اور اس کی ضد لاپرواہی (۳۲) دوستی اور اس کی ضد دشمنی (۳۳) عہد کی وفا کرنا اور اس کی ضد عہد شکنی (۳۴) نیکی اور اس کی ضد گناہ (۳۵) فروتنی اور اس کی ضد بڑائی (۳۶) سلامتی اور اس کی ضد آزمائش (۳۷) سنجیدگی اور اس کی ضد غباوت (۳۸) حب اور اس کی ضد بغض (۳۹) سچ اور اس کی ضد جھوٹ (۴۰) حق اور اس کی ضد باطل (۴۱) امانت اور اس کی ضد خیانت (۴۲) اخلاص اور اس کی ضد ملاوٹ (۴۳) ذکی ہونا اور اس کی ضد بلید ہونا (۴۴) معرفت اور اس کی ضد انکار (۴۵) سہل انگاری اور اس کی ضد چڑچڑاپن (۴۶) عدم موجودگی میں خیر خواہی اور اس کی ضد فریب کاری (۴۷) پردہ پوشی اور اس کی ضد افشاء راز (۴۸) نماز اور اس کی ضد بے نمازی (۴۹) روزہ اور اس کی ضد افطار (۵۰) جہاد اور اس کی ضد بزدلی (۵۱) حج اور اس کی ضد میثاق کا توڑنا (۵۲) بات کو دل میں رکھنا اور اس کی ضد چغل خوری (۵۳) والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اس کی ضد عقوق الوالدین (۵۴) بے ریا ہونا اور اس کی ضد ریاکاری (۵۵) معروف اور اس کی ضد منکر (۵۶) پردہ اور اس کی ضد بے پردگی (۵۷) تقیہ اور اس کی ضد عدم تقیہ (۵۸) انصاف اور اس کی ضد انصاف کے تقاضوں کو چھوڑ دینا (۵۹) ٹھنڈے دل سے سوچنا اور اس کی ضد بغاوت (۶۰) ستھرا ہونا اور اس کی ضد میلا رہنا (۶۱) حیا اور اس کی ضد بے حیائی (۶۲) میانہ روی اور اس کی ضد سرکشی (۶۳) دنیاوی جھمیلوں میں نہ پڑنا اور آرام سے رہنا اور اس کی ضد ہے دنیاوی کاموں میں انہماک اور تھکاوٹ (۶۴) نرمی اور اس کی ضد سختی (۶۵) برکت اور اس کی ضد بے برکتی (۶۶) عافیت اور اس کی ضد تکلیف (۶۷) متوسط گذارا اور اس کی ضد ذخیرہ اندوزی (۶۸) دانائی اور اس کی ضد غلط رائے

(۶۹) وقار اور اس کی ضد ہلکا پن (۷۰) نیک بختی اور اس کی ضد بدبختی (۷۱) توبہ اور اس کی ضد گناہوں پر اصرار کرنا (۷۲) استغفار اور اس کی ضد دھوکے میں رہنا (۷۳) چستی اور اس کی ضد سستی (۷۴) دعا اور اس کی ضد دُعا سے گریز کرنا (استنکاف) (۷۵) نیک کاموں میں مداومت اور اس کی ضد سُست ہو جانا (۷۶) اللہ کی محبت میں خوش رہنا اور اس کی ضد دنیاوی غم (۷۷) اتفاق اور اس کی ضد ہے پھُوٹ (۷۸) سخاوت اور اس کی ضد ہے بخل۔

(اقول) صاحب صافی تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد میں یہ اُٹھتر ہیں حالانکہ پچھتر کہا گیا تھا تو شاید تین اوصاف کا تکرار ہی اس کا موجب ہوا ہو۔ مثلاً نمبر ۹ رجا اور اس کی ضد قنوط ہے۔ اور نمبر ۸ طمع اور اس کی ضد یاس ہے۔ اور ان دونو کا ترجمہ ایک ہو سکتا ہے اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی رحمت سے ناامیدی۔ اسی طرح نمبر ۶۳ سلامتی کی ضد بلا ہے اور نمبر ۲۲ عافیت کی ضد بلا ہے اور دونو کا ترجمہ ایک جیسا ہے اور اسی طرح نمبر ۱۳ فہم کی ضد حمق اور نمبر ۷۳ فہم کی ضد غباوت ہے اور دونو کا مفہوم تقریباً ایک ہے۔ ان تمام اوصاف کے گننے کے بعد آپ نے فرمایا۔ عقل کے یہ تمام معاون نہیں جمع ہو سکتے۔ مگر نبی میں یا نبی کے وصی میں یا اس مومن میں جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو۔ لیکن ہمارے باقی موالی جو ہیں وہ ان اوصاف میں سے کسی نہ کسی صفت سے خالی نہ ہوں گے اور باقی صفات کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے آخرکار کامل ہو جائیں گے اور جہل کے اوصاف سے کنارہ کش ہوتے ہوتے آخر اس سے بچ جائیں گے پس وہ انبیاء و اوصیاء کے ہمراہ بلند درجہ میں پہنچ جائیں گے لیکن یہ عقل اور اس کے معاونین کی معرفت اور جہل اور اس کے اوصاف سے پرہیز کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس طولانی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اور وصی نبی چونکہ عقل کل ہیں لہذا وہ عقل کے جمیع اوصاف کے جامع ہوتے ہیں اور ان میں جہل اور اس کے جملہ اوصاف برائے نام بھی نہیں پائے جاتے اور چونکہ عقل نور ہے۔ پس انبیاء و اوصیاء نور ہیں یعنی ان کے وجود مسعود میں تمام اوصاف حسنہ بدرجۂ اتم موجود ہیں پس ہر صفت کمال کے لحاظ سے وہ روشن پہلو کے حامل ہیں اور ان میں ظلمانی و تاریکی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ لہذا باوجود بشریت کے نور محض ہیں۔ اور محمد و آلِ محمد چونکہ تمام انبیاء و اوصیاء سے اشرف و اکمل ہیں۔ لہذا ان کی بشریت ہر بشر سے بلند تر اور ان کی نوریت تمام انوار سے اعلیٰ تر ہے نہ کوئی بشر ان کی بشریت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نور کو ان کی نوریت تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور جب کمالاتِ انسانیہ کا ہر روشن پہلو ان میں موجود ہے اور ہر تاریک پہلو سے وہ منزّہ و مبرّا ہیں تو اسی کا نام عصمت ہے پس نور، عقل، عصمت، طہارت و رحمت میں معنوی طور پر سنخیت و یگانگت موجود ہے۔

فنِ منطق میں نئے باب کا اضافہ

ایک صاحب جو دورِ حاضر کے چوٹی کے مقررین میں سے ہیں۔ اپنی سحر بیانی کی بدولت بڑے سے بڑے مجمع کے دلوں کو موہ لینا اور ان کو گرویدہ بنا لینا۔ نیز خاموش مجلسوں کو چند جملوں میں اچھال لینا اور ان سے داد واہ وا حاصل کر لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

بہرکیف آپ رقص منبری میں بہت ماہر ہیں اور عوام میں بحر علم کے غواص بھی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے علمائے اعلام کی تحقیر و تذلیل میں اپنی مزخرفات کا ایک طومار لکھ مارا ہے جسے وہ علمی خدمت تصور کرتے ہیں۔ مجھے ان کے علم کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں

البتہ اُن کے دہانِ قلم سے نکلے ہوئے بعض الفاظ ان کی علمی بے کسی کا رونا ضرور روتے ہیں کیونکہ نہ تو بازاری لب و لہجہ سے کسی مطلب کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ خطابیہ جملے حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کر سکتے ہیں انہوں نے اپنے زورِ خطابت سے فنِ منطق میں ایک باب کا اضافہ کرنے کی جرأت کی چنانچہ انبیاء کو الگ نوع ثابت کرنے کے لئے بشر کو نبی اور عام انسان کے لئے جنس کا نام دے دیا۔ فرماتے ہیں جس طرح حیوان جنس ہے اور اس کے ماتحت انواع ایک دوسرے سے بذریعہ فصل ممیز جدا ہوتی ہیں اسی طرح بشر جنس ہے اور نبی و دیگر انسان اس کی الگ الگ دو نوعیں ہیں چنانچہ مثلاً وحی کا ہونا نبی کی فصل ممیز اور وحی کا نہ ہونا انسان کے لئے فصل ممیز ہے۔ پھر اپنے مزعومہ فاسدہ کو تحقیق انیق قرار دیتے ہوئے معلمین کو چیلنج کرتے ہوئے علماء کا منہ چڑانے کی بھی انہوں نے کوشش کی کہ معلمین حضرات قرآن مجید میں نبی پر کہیں بشر کا اطلاق دکھائیں کہ فصل ممیز اس کے ساتھ موجود نہ ہو اور ہم نے ابھی نور و بشر کے بیان میں متعدد آیات ذکر کی ہیں جن میں نبی کو صرف بشر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ پ۱۴ ع ۳۔ یہاں بشر سے مراد حضرت آدم ہیں اور ان کا نبی ہونا شک و ریب سے بالاتر ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ پ۱۷ ع ۳۔ یعنی ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے؟ آیت مجیدہ میں حضورؐ کو صرف بشر کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے بالعموم کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا مقرر نہیں کیا تو آپ بھی اسی قانون کے ماتحت جام موت پئیں گے اور وہ لوگ بھی مریں گے جو آپ پر معترض ہیں اسی جلد کے پارہ نمبر۱۹ کے رکوع نمبر۳ میں خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔ تفسیر اہل بیتؑ میں بشر سے مراد حضرت رسالت مآبؐ نسب سے مراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہیں ص۱۸۲ کسی فصل ممیز کا ذکر ساتھ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر اس لحاظ سے انبیاء کو الگ نوع کہا جائے کہ ان میں نورِ نبوت اور روحِ نبوت موجود ہے جو باقی انسانوں میں نہیں تو اس نئی اصطلاح کے پیدا کرنے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ اس قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں کوئی وضع کرتا پھرے اس پر کسی صاحب ذوق کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ لامشاحۃ فی الاصطلاح اس طرح نئی اصطلاح پیدا کرتے ہوئے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عالم اور جاہل دو الگ الگ نوعیں ہیں، کیونکہ عالم میں نورِ علم موجود ہے اور جاہل اس سے خالی ہے۔ اسی طرح مومن اور کافر دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ مومن میں نورِ ایمان ہے اور کافر اس سے خالی ہے۔ اسی طرح معصوم اور غیر معصوم دو الگ الگ نوعیں ہیں۔ اسی طرح نیک و بد سخی و بخیل تندرست و بیمار و علیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحبِ صفت کو فاقدِ صفت سے الگ نوع قرار دیکر ایک اصطلاح قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوان کی باقی انواع اونٹ گھوڑا گدھا بیل بھیڑ بکری حتیٰ کہ مرغ تک کو جنس قرار دیکر ان کی ماتحت اصناف کو انواع کا نام دیتے ہوئے جدت پسندی کی ہوس کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس کو منطقی اصطلاح قرار دیا جائے تو علم معقول ایسے دریدہ دہن مجدد کے منہ پر تھوک دے گا۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) بشر کا نبی سے عام ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ بشر کو نبی کی جنس قرار دیا جائے اس میں شک نہیں کہ ہر بشر نبی نہیں ہوتا اور ہر نبی بشر ہوتا ہے لیکن بعینہٖ اسی طرح کہا جاتا ہے ہر بشر شریف انسان نہیں لیکن ہر شریف انسان بشر ہوتا ہے ہر بشر صاحب علم نہیں

لیکن ہر صاحب علم بشر ہوتا ہے۔ اور ہر بشر سخی نہیں لیکن ہر سخی بشر ہوتا ہے وعلی ہذا القیاس۔ تو اس عموم کا یہ مطلب نہیں کہ بشر کو ان تمام کے لئے جنس قرار دیکر ان کو اس کی انواع قرار دیا جائے بلکہ اہل منطق کے نزدیک ان کو اصناف کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسالتمآبؐ نے خود اس کو ایک صفت خاصہ کا درجہ دیا ہے جس طرح انسان کے مختلف افراد ہیں۔ مختلف صفات علم وجہل اور حسن وقبح وغیرہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ فرقان کی تفسیر میں ص۱۶۵ پر بیان ہوگا۔

(۲) نبی پر بشر کا اطلاق جائز ہے اور بغیر یُوحیٰ اِلَیَّ کے جس کو فصل ممیز ٹھہرایا گیا ہے۔ بشر کا اطلاق نبی پر قرآن مجید میں ہوا ہے جس طرح ہم نے ابھی ثابت کیا ہے اور اگر اصرار کیا جائے کہ بغیر یُوحیٰ اِلَیَّ کے بشر کا اطلاق نبی پر ناجائز ہے تو دوسری طرف عام انسانوں پر بھی بغیر فصل لگائے بشر کا اطلاق ناجائز ہوگا کیونکہ بشر کی نوع ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ پس فصل ممیز دونوں کے لئے ضروری ہے۔

(۳) کسی جنس کی الگ الگ نوعیں ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ہر نوع کا آبائی ونسلی سلسلہ اسی نوع کا ہی ہوتا ہے حالانکہ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جن کے والدین نبی نہیں تھے اور اگر بعض نبیوں کے باپ نبی ہیں تو ماں کسی نبی کی بھی نبیہ نہیں تھی اسی طرح انبیاء کی اولاد ساری نبی نہیں اور تمام انسان ایک نبی حضرت آدمؑ کی تو یقیناً اولاد ہیں اسی طرح جملہ سادات حضرت علیؑ کی اولاد ہیں حالانکہ نوعی اختلاف اس اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ (۴) اگر انسان نبی کے مقابلہ میں الگ نوع ہو تو نبی پر انسان کا اطلاق غلط ہو جائے گا حالانکہ نبیوں پر انسان کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے۔ **خلقنا الانسان من صلصال** الخ (پ۱۴ ع ۳) ہم نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا اور اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ **الرحمٰن علّم القراٰن خلق الانسان** پ۲۷۔ یہاں بھی انسان سے مراد نبی ہے **اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ** پ۵ ع ۵۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں باطن اور تاویل کے لحاظ سے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے یہاں ناس سے مراد ہم ہیں اور ہم ہی حسد کئے گئے ہیں۔ (وافی عن الکافی)

رقاصان منبر علمائے اعلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے ان کو غلط تاثر دلاتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہتان عظیم اور افترائے جسیم ہے جو شخص انبیاء کو یا آئمہ کو اپنے جیسا عام انسان سمجھے وہ کافر و ملحد و بے دین ہے بلکہ علمائے اعلام کے نزدیک خدا کی ساری خدائی میں انبیاء اشرف و افضل ہیں اور وہ بشر ہونے ہوئے اپنی امتوں میں عقل کل، نور کل اور ایمان کل تھے اور محمدؐ وآل محمدؐ پوری کائنات حتیٰ کہ گذشتہ انبیاء ومرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین کے لئے بھی عقل کل، نور مجسم اور رحمت مطلقہ تھے پس وہ بشر تھے لیکن تمام بشر ان کے غلام اور وہ سید البشر تھے اور کوئی ان کی حقیقت بشری کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کا بشری وجود نورانیوں کے نورانی وجود سے اشرف و اعلیٰ تھا حتیٰ کہ جہاں ان کا بشری وجود پہنچ گیا وہاں سید الملائکہ جبریلؑ ساتھ جانے کا دم نہ بھر سکا۔ اسی طرح وہ بشریت کے باوجود نور مجسم تھے اور ان کا نور تمام عالم وجود کے اجالے کا باعث تھا۔

مخلوق اوّل کی نوع مفرد

البتہ عالم انوار میں ان کے نور کو نوع مفرد کہنا بجا ہے کیونکہ فلاسفہ یونان نے چونکہ اول مخلوق عقل اول کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد عقل ثانی ثالث تا عاشر وہ عقول عشرہ کے قائل ہیں اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عقل اول کا خالق خدا ہے اور علی الترتیب ہر پہلا عقل بعد والے عقل کا خالق ہے اور عقل عاشر اپنے بعد میں ہونے والی جملہ مخلوق کا خالق ہے

علاوہ ازیں وہ عقل کو قدیم بھی جانتے ہیں۔ پس وہ عقل کو نوع مفرد اور عقول عشرہ کو اس کے افراد قرار دیتے ہیں یا عقل کو جنس مفرد اور عقول عشرہ کو اس کے ماتحت انواع کا درجہ دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اجناس مترتبہ اور انواع مترتبہ کے سلسلہ میں عقول شامل نہیں ہیں اور وہ لوگ چونکہ ملائکہ کے وجود کے قائل نہیں تھے اور نہ انوارِ محمدؐ و آل محمد کا تصور رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے متعلق نوع یا جنس کا کوئی مرتبہ نہ معین کر سکے۔

اگر ان عقول کی شرعی تعبیر ملائکہ سے کی جائے تو ملک کو نوع مفرد یا جنس مفرد کا نام دیکر ماتحت کو افراد یا انواع کا درجہ دیا جا سکے گا لیکن نہ ملائکہ قدیم ہیں اور نہ اوّل مخلوق۔ بلکہ اول مخلوق صرف نور محمد ہے جس کے چودہ افراد ہیں اور وہی باعث تخلیق کائنات ہے اور اسلامی عقیدہ کی رُو سے نہ تو اوّل مخلوق کو ہم قدیم مانتے ہیں بلکہ مخلوق کا ہونا ہی اس کے حدوث کی دلیل ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب پیدا ہوئے اور جو بھی اس کی تحدید کرے جھوٹا ہے اور نہ ہم اس کو بعد والی مخلوق کا خالق مانتے ہیں اور جو شخص کہے گا کہ اللہ ان کا خالق ہے اور وہ باقی مخلوق کے خالق ہیں وہ فلاسفہ یونان کی نقالی کرے گا۔ اور یقیناً یہ قول باطل اور شرک ہے اور محمدؐ و آل محمد خود اس سے بیزار ہیں۔

بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ تخلیق کائنات کا دستور عادی یہی ہے کہ ہر شئی علل و اسباب مناسبہ کی بدولت منصۂ وجود میں قدم رکھتی ہے تو ان تمام علل و معلولات کا سلسلہ ایک علت تک منتہی ہونا چاہیئے جو علۃ العلل ہو اور اس کا صدور ذات واجب الوجود کی تخلیق سے ہو اور چونکہ اول مخلوق اسلامی نقطہ نگاہ سے نور محمد و آل محمدؐ ہے لہٰذا باقی تمام ہونے والی مخلوق کا صدور ان سے ہوا تو اس عقیدہ سے جہاں ایک طرف تفویض لازم آتی ہے وہاں دوسری طرف خدا کا فاعل مجبور ہونا بھی لازم آتا ہے۔ بنا بریں اس قول کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں اور شیعی عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے اول مخلوق محمدؐ و آل محمدؐ کے نور کو پیدا کیا اور انہی ذوات مقدسہ کی خاطر تمام عالم موجودات کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا۔ پس وہ جس طرح ان کا خالق ہے اسی طرح باقی سب مخلوق کا خالق بھی وہ خود ہے۔ پس محمد و آل محمد نہ اس کے شریک ہیں اور نہ آلہ تخلیق ہیں اور نہ ان کو تخلیق تفویض کی گئی ہے ہماری ذاتی تحقیق کے ماتحت شیخ احمد احسائی مرحوم کا دامن ان اتہامات سے پاک ہے جو اُن کی طرف منسوب ہیں۔ واللہ اعلم

بہر کیف محمد و آل محمد کے انوار نہ بقول فلاسفۂ یونان عقول ہیں اور نہ باصطلاح شرع ملائکہ ہیں بلکہ یہ اول مخلوق ہیں اور اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کے مصداق ہیں اور اس نور کے چودہ افراد ہیں تو جب یہ نور اجناس و انواع کے ترتیب وار سلسلہ میں داخل نہیں تو ماننا پڑتا ہے جو اول مخلوق ہے وہ ایک نوع مفرد ہے جس کے چودہ افراد ہیں۔

نور کی توضیح اور متعلقہ بحث میں اگرچہ طول ہو گیا ہے لیکن خالی از فائدہ نہیں اور ابھی آیت نور کی تشریح میں اس پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ

رکوع نمبر ۷۔ شان نزول

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سُورہ نور سورہ نساء کے بعد نازل ہوا کیونکہ سورہ نسا کی آیت نمبر ۱۵ میں بدکار عورتوں کی سزا کا حکم تھا۔ کہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝۱

(یہ) سورت جس کو ہم نے اتارا اور فرض کیا (اس پر عمل کرنا) اور اتاریں اس میں نشانیاں واضح تاکہ تم نصیحت پاؤ

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ

زنا کرنے والے عورت و مرد کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان میں سے ایک سو کوڑے اور نہ غلبہ کرے تم پر

اگر چار گواہ عینی شہادت دے دیں تو ان کو گھروں میں قید کر دو۔ یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا یہ کہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر فرمائے اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا۔ پس اس سبیل کو اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زانی مرد وعورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ الخ۔ اور علمائے امامیہ کے نزدیک یہ سزا کنوارے جوڑے کے لئے ہے۔ ورنہ شادی شدہ زانی جوڑے کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔

سُوۡرَۃٌ۔ یا سُور البناء سے ہے جس کا معنی ہے بلندی یا اس کا معنی ہے ایک دار جو دیوار پر رکھا جائے۔ پس قرآن مجید کے ایک ٹکڑے کو سورہ کہنا یا تو اس کی بلندی کے پیش نظر ہے۔ یا اس لئے کہ بنائے قرآن میں اس کو ایک دار کی حیثیت حاصل ہے۔

زنا کی شرعی سزا

اَلزَّانِیَۃُ۔ اس بارے میں جامع روایت وہ ہے جو اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے۔ بروایت فی خلافت ثانیہ کے دربار میں چھ آدمی زنا کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ہر ایک پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام موجود تھے فوراً آپ نے ٹوک دیا کہ ایسا مت کرو۔ پس خلیفہ نے عرض کی آپ خود ہی ان پر حد جاری فرمائیں۔ پس ان میں سے ایک کو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو گردن زدنی قرار دے کر قتل کر دیا۔ دوسرے کو لایا گیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا۔ پھر تیسرے کو ایک سو کوڑے (حد) لگانے کا حکم دیا اور چوتھے کو نصف حد یعنی پچاس کوڑے لگوائے اور پانچویں کو تعزیر و تادیب کر کے چھوڑ دیا۔ اور چھٹے کو رہا کر دیا۔ آپ کے اس فعل سے لوگ بحر تعجب میں ڈوب گئے۔ اور خلیفہ خود اپنے مقام پر حیران و ششدر رہ گیا۔ پس عرض گذار ہوا مولا ایک ہی مقدمہ میں گرفتار ہونے والے ملزموں کی سزائیں الگ الگ کیوں؟ آپ نے جواب کو تفصیل وار بالترتیب بیان فرمایا کہ پہلا شخص کافر ذمی تھا۔ جب اس نے زنا کیا تو اس کے ذمی ہونے والا عہد ختم ہو گیا۔ پس وہ واجب القتل ہو گیا۔ لہذا اسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ملزم محصن (شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا رجم یعنی سنگساری تھی۔ تیسرا ملزم غیر محصن (غیر شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا ایک سو کوڑا ہے۔ چوتھا ملزم غلام تھا اور غلام کی سزا نصف حد ہوتی ہے۔ پس اس کو پچاس کوڑے

بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ

ان کے لئے نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخر پر اور چاہیئے کہ حاضر ہو

عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ

ان کی سزا کے وقت ایک گروہ مومنوں میں سے زانی مرد نہ نکاح کرے مگر زانیہ یا مشرک

مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ

عورت سے اور زانیہ نہ نکاح کرے اس سے مگر زانی یا مشرک اور حرام ہے

لگوائے۔ پانچواں ملزم شبہ کی بنا پر فعل کا مرتکب ہوا لہٰذا اس کو تعزیر و تادیب کی گئی اور چھٹا ملزم چونکہ دیوانہ ہے۔ لہٰذا مرفوع القلم ہے پس اس کو رہا کر دیا گیا۔ (صافی)

مسئلہ۔ رجم کی آیت قرأت کے لحاظ سے منسوخ ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ یعنی جب شادی شدہ جوڑا زنا کرے اور ثابت ہو جائے تو ان دونوں کو رجم کیا جائے گا اور علمائے اعلام کا متفق علیہ فتویٰ ہے۔

مسئلہ۔ محصن سے مراد شادی شدہ مرد اور محصنہ سے مراد شادی شدہ عورت ہے اور اس سے مراد دائمی نکاح ہے پس متعہ کرنے سے مرد یا عورت کو محصن نہیں کہا جاتا۔ معصوم نے فرمایا محصن وہ ہے جو حلال طریقہ سے جنسی خواہش جس وقت چاہے اور جتنی دفعہ چاہے مٹا سکتا ہو۔ (مرادی ترجمہ)

مسئلہ۔ غلام اور کنیز کو محصن نہیں کہا جاتا اگرچہ شادی شدہ بھی ہوں پس ان کے زنا کی حد آزاد کنوارے کی سزا کی نصف ہے یعنی پچاس کوڑے اس کو لگائے جائیں گے۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں ہے کہ کنوارا جوڑا اگر زنا کرے تو ایک ایک سو کوڑے کی سزا کے علاوہ ایک سال تک ان کو شہر بدر کیا جائے گا۔ اور جس جوڑے کا نکاح ہو چکا ہو لیکن شادی نہ ہوئی ہو تو کنوارا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تک چار آدمی عینی شاہد نہ ہوں تو مرد و عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر رجم کیا جائے گا اور ان کے سر اور شرمگاہ پر پتھر نہ برسائے جائیں گے اور مروی ہے کہ پشت کی طرف سے رجم کیا جائے گا اور ان کے منہ کو بچایا جائے گا۔ (برہان)

مسئلہ۔ زانیوں کو سزا تنہائی میں نہ دی جائے بلکہ ایک طائفہ ان کی سزا کو دیکھے تاکہ عبرت و نصیحت حاصل ہو اور طائفہ کی حد مقرر نہیں، امام وقت جس قدر آدمیوں کو بلائے درست ہے۔

مسئلہ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کوڑے سخت طور پر لگانے چاہئیں اور ننگے جسم پر لگائے جائیں۔

مسئلہ۔ زانی وزانیہ کو رجم کرنے کے وقت پتھر سختی سے مارے جائیں اور اللہ کی حدود میں نرمی ممنوع ہے۔

مسئلہ۔ سزا کا حکم بیان کرنے میں زانیہ کو پہلے ذکر کیا۔ کیونکہ عورت کا جرم زنا بہ نسبت مرد کے سنگین تر ہے ایک تو قوم وقبیلہ کے لئے باعث ننگ وعار ہے اور دوسرے نسل انسانی کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر عورت پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس بارے میں امین کی حیثیت رکھتی ہے پس اس کی خیانت نسل انسانی کی تباہی کی موجب ہے۔

مسئلہ۔ حدود کا قائم کرنا فرض ہے چنانچہ ارشاد ہے (فرضنٰھا)

فرض اور واجب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ فرض وہ ہے جو حاکم وآمر کے حکم سے ضروری قرار دیا جائے اور واجب بعض اوقات حاکم کے حکم کے بغیر بھی ہو جاتا ہے جیسے شکر منعم کا وجوب گویا واجب کا مفہوم فرض سے عام ہے۔

طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کم از کم کی کیا حد ہے۔ چار۔ دو۔ ایک تک کا قول بھی موجود ہے اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کم از کم ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے (مجمع) اور اس کا شاہد قرآن مجید کا یہ فرمان ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا۔الخ یعنی مومنوں کے دو گروہ جب لڑیں۔ یہاں طائفتان سے مراد دو مومن بھی ہو سکتے ہیں۔

نص خلافت خلافت اجماعیہ کو ثابت کرنے والے بعض لوگ اس آیت اور اس قسم کی جملہ آیات کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ یہ مسلّم ہے کہ حدود شرعیہ امام کے بغیر جاری نہیں ہو سکتیں اور خدا نے تمام مومنوں کو بالعموم یہ حکم دیا ہے فَاجْلِدُوْا کہ ان کو حد لگاؤ یا چور کے ہاتھ کاٹو تو اس کا التزامی نتیجہ یہی ہے کہ مومنوں کو امام نصب کرنے کا حکم ہے یعنی امام کا انتخاب کر لو تاکہ وہ حدود کو جاری کرے۔

واقعی کسی شئی کی محبت انسان کو اس کے عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کی برائی سننے سے بہرہ کر دیا کرتی ہے۔ چوں کہ خشتِ اوّل غلط نصب ہو چکی ہے لہٰذا دیوار کی کجی کی مذمت کی بجائے اس کی صحت ثابت کرنے میں اپنی علمی طاقت کو خرچ کیا جاتا ہے اور اگر چشم بصیرت سے جنبہ داری وتعصب کی پٹی ہٹا کر غور کیا جائے تو آیت مجیدہ ببانگ دہل نصی خلافت کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ جب مسلّم ہے کہ امام کے بغیر کسی کو حدود کے قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تو حدود قائم کرنے کے لئے جس قدر قرآن مجید میں احکام ہیں ان کا خطاب عوام سے نہیں بلکہ انہی سے ہے جنہوں نے حدود کو قائم کرنا ہے اور اس کا التزامی نتیجہ یہ ہے کہ حکم صادر کرنے سے پہلے خدا امام کو متعین کرے اور بعد میں عمل درآمد کے لئے فرمان جاری کرے اور جن لوگوں سے فعل کا تعلق نہیں وہ خود بخود حکم کے متعلق سے خارج ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز وروزہ کے احکام میں عورتیں مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔ لہٰذا خطاب دونو کو شامل ہے لیکن جہاد میں چونکہ عورتیں مردوں کے ساتھ شامل نہیں ہوتیں۔ لہٰذا حکم جہاد اگرچہ یا ایھا الذین آمنوا کے لہجہ سے آئے۔ تاہم مردوں کے لئے مخصوص ہوگا اور عورتوں کو اس سے خارج سمجھا جائے گا۔ نیز قرآن مجید کے عمومی فرامین جن پر عمل کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے وہاں خطاب عامۃ المسلمین کو ہے لیکن جن امور کا تعلق نظام حکومت اور تدبیر مملکت سے ہے وہاں خطاب کو عامۃ الناس کے لئے قرار دینا کج بحثی بلکہ کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرآن مجید قیامت تک کے لئے تکمیل

انسانیت کا مکمل کورس اور نظامِ مملکت کا کامل دستور ہے۔ پس جہاں عوام کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں حدودِ شرعیہ کی محافظت کے لئے قرآنی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا کی جانب سے نامزد نمائندوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک خدا کی جانب سے یکے بعد دیگرے متعین ہیں۔ اور نظامِ شرعی کو برقرار رکھنے اور حدودِ قرآنیہ کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر خطابات وارد ہیں ان کا تعلق انہی سے ہے اور ان کا ان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اقتدارِ مملکت ان کے ہاتھ میں ہو۔ پس اس قسم کی آیات سے اجماع اور الیکشن کے جواز کے بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ حدود کا قیام واجب ہے جو امام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عوام پر واجب ہے کہ خدا کی جانب سے نصب کردہ امام کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور اس سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کا اقتدار قائم رہے اور کوئی دشمنِ دینِ خدا کرسیٔ اقتدار کی طرف للچائی ہوئی نظریں ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ مثلاً جہاد واجب ہے اور جہاد کرنا بغیر امام کے ناممکن ہے تو طالوت وجالوت کے قصہ میں خدا نے اس حقیقت کی قلعی کھول دی کہ طالوت کو تمہارا امام وقائد مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس حکم کے سننے کے بعد انہوں نے کئی جتن کئے اور گلو خلاصی کے بہانے تلاش کئے کہ وہ مالدار نہیں۔ وہ قوم وقبیلہ میں پست ہے لیکن خدائی اٹل فیصلہ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور ارشاد ہوا کہ جس کو خدا نے چنا ہے وہ علم اور طاقت میں زیادہ ہے۔ لہٰذا جہاد کی قیادت کے لئے وہ موزوں تر ہے اور تم پر اس کی کمان میں رہتے ہوئے اس کی اطاعت فرض ہے۔ وہ چونکہ عالم ہے لہٰذا اس کی تجویز کردہ ہر سکیم کو کامیاب کرنے کے لئے اس کا بھرپور تعاون کرو تاکہ دشمن بے بس ہو کر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ پس اس امت میں بھی امام کا نصب کرنا اس کا کام ہے۔ اور اس نے بزبانِ پیغمبر باعلان عام حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک مقرر فرما دیئے ہیں اور عوام کو تعاون کی دعوت دی گئی ہے لیکن پہلے دن سے مسلمانوں نے ان کی جانب دستِ تعاون بڑھانا چھوڑ دیا اور رایک من مانے غلط راستہ پر چل نکلے جس کے نتیجہ میں نااہل لوگوں کی طرف اقتدار منتقل ہو گیا۔ پس احکام مضمحل اور حدود معطل ہو گئیں اور آخرکار خدا کی جانب سے امام منصوب کو گوشۂ غیب میں آرام کرنا پڑا پھر جب اس کی مصلحت ہو گی تو غیب کا پردہ اٹھے گا پس اسلام دوبارہ زندہ ہو گا۔ قرآن منبر پر آئے گا اور امن وانصاف کا بول بالا ہو گا۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔ نیز اگر حدود قائم کرنے کا حکم عوام کے لئے ہو تو چور وزانی ودیگر جرائم پیشہ لوگ بھی تو عوام میں ہوتے ہیں۔ بلکہ تجربہ تو بتاتا ہے کہ شاید بہت کم مقدار ایسے افراد کی نکل سکے گی۔ جو زندگی بھر ایسے جرائم سے یکسو رہے ہوں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ عوام کو حکم دیا جائے کہ تم حدود قائم کرو یا ایسے شخص کا انتخاب کرو جو حدود کو قائم کرے کیا چور وزانی ومجرم سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے شخص کے اقتدار کا حامی ہو گا جو ان کو سزائیں دے۔ ہاں اگر ہر زمانہ میں اکثریت کا رجحان نیکی کی طرف ہوتا تو اکثریت کی نظرِ انتخاب ایسے افراد پر پڑتی جو حدودِ قرآنیہ کا پاسدار ہو لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے کا انتخاب کرتے جو ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہوتا پس بجائے حدود کے قیام کے حدود معطل ہو جاتیں۔ لیکن اگر اکثریتی رجحان ہی معصیت کی طرف ہو۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہوں جن کا دامن جملہ آلائشوں سے پاک ہو تو ایسی صورت میں عوام تو ایسے شخص کے اقتدار کے حامی ہوں گے جو ان جیسا غلط کار

ہوتاکہ حدودِ شرعیہ کی زد سے بچ کر رنگ رلیاں مناتے رہیں اور اسلام کا لبادہ بھی اوڑھے رہیں۔ نیز حدود جاری کرنے کا سزاوار وہی ہو سکتا ہے جو خود افعالِ ناشائستہ سے گریزاں ہو اور اس کا اپنا دامن غلط کاریوں سے منزہ ہو۔ پس وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ایک ایسا جوہر ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ کیونکہ عوام ظاہری نیکی کو دیکھ سکتے ہیں۔ باطنی برائیوں کو معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس حدود قائم کرنے کے لئے معصوم امام کا نامزد کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

نیز دنیاوی عام حکومتیں جب ملک کی تدبیر و تنظیم کے قوانین نافذ کرتی ہیں تو جن امور کا تعلق پبلک سے ہوتا ہے وہاں خطاب بھی عوام کو کیا جاتا ہے لیکن جن اُمور کا تعلق نظامِ مملکت سے ہوتا ہے اور تعزیرات کا بیان ہوتا ہے وہاں خطاب عوام سے نہیں ہوتا کہ تم پر نظامِ مملکت کی بحالی واجب ہے لہٰذا اپنے علاقہ میں ایک ناظم چن لو تاکہ وہ نظام کو قائم کرے بلکہ ایسے خطابات کا تعلق متعلقہ آفیسروں اور عہدیداروں سے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور نظامِ مملکت کی تدبیر کے لئے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں عوام سے حکومت کا یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ آئین حکومت کے نفاذ کے لئے حکام طبقہ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ ملکی آئین کامیابی سے نفوذپذیر ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ پس قانون الٰہی یعنی اسلامی ضابطۂ حیات بھی اسی لہجہ سے خطاب فرما رہا ہے اور آئمہ کو حکم ہے کہ حدودِ شرعیہ کو جاری رکھیں اور اللہ کے دین میں نرمی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور پبلک کو ضمنی طور پر دست تعاون بڑھانے کا حکم ہے اور حدودِ شرعیہ کے اجراُ کے وقت ایک طائفہ کی شمولیت جہاں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو سکتی ہے۔ وہاں دست تعاون بڑھاتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کا راز بھی اس میں پنہاں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اقتدارِ اعلیٰ کا حق صرف امام معصوم کو ہی حاصل ہے اور عصمت انتخاب سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک جوہر ہے جس کو اللہ عطا فرمائے وہی معصوم ہوتا ہے اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ خود اس کا اعلان نہ فرمائے۔ پس اُمت کے لئے نصب امام کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اور اُمت پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اپنے دورِ اقتدار میں امام جن کو اپنا نائب مقرر کرے وہ ان تمام اُمور کا متولی ہوتا ہے جن کا انتظام امام کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس اقامتِ حدود کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے۔ اور غیبتِ امام کے زمانہ میں اگر فقہا زمانہ کو موقعہ ملے۔ اور حکومتِ وقت ساتھ دے تو حدودِ شرعیہ قائم کی جا سکتی ہیں۔ کیوں کہ ایسی صورت میں تین حالات سے خالی نہیں۔ یا تو حدود شرعیہ کو بالکل معطل چھوڑ دیا جائے۔ نیز یتیموں اور دیوانوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے یا حدودِ شرعیہ اور حقوقِ یتامیٰ کی سرپرستی کا حق جاہلوں اور دین کے دشمن لوگوں کے حوالے کیا جائے یا علمار فقہا کو ان کی تولیت کا حق دیا جائے۔ پہلی دو نو صورتیں عقلاً قابل قبول نہیں ہیں۔ لہٰذا تیسری صورت پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ اگرچہ آئمہ کی طرف سے صریحی فرمان اس بارے میں نہیں ملتا۔ لیکن جن جن احادیث میں دینی معاملات میں علمائے امامیہ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا

یہ مومنوں پر اور جو تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ لائیں

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

چار گواہ تو کوڑے لگاؤ ان کو ۸۰ کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت

اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا

کبھی اور وہ لوگ فاسق ہیں مگر جنہوں نے توبہ کر لی بعد اس کے اور اصلاح کر لی تو

ہے ان سے اس مسئلہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور دلیل عقلی کے ساتھ روایت کی تائید اثبات مطلب کے لئے کافی ہے اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ منقول ہے کہ مکہ میں چند مرد و عورتیں بدکاری و فحاشی میں مشہور تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ان بدکار عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور حضورؐ سے اجازت چاہی تو یہ آیت اتری کہ زانی مرد زانیہ عورتوں سے نکاح کریں اور زانیہ عورتیں زانی مردوں سے نکاح کریں کیونکہ ان سے رشتہ کرنا مومنوں پر حرام ہے۔ آیت مجیدہ میں حرمت کا معنی کراہت پر محمول ہے۔ پس پاک دامن عورت کو بدکار مرد کے نکاح میں دینا یا نیک مرد کا بدکار عورت سے نکاح کرنا مکروہ ہے البتہ توبہ کرنے کے بعد کراہت رفع ہو جاتی ہے اور آیت مجیدہ میں زناکاروں کو مشرکوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے کہ مشرک اور زانی ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ گویا اللہ کے نزدیک زنا کی برائی شرک کے برابر ہے۔ اور تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں اتری۔ پس اللہ نے زانی مرد و عورت کو مومن کا نام نہیں دیا۔ حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا زانی زنا نہیں کر سکتا جب کہ مومن ہو۔ اور چور چوری نہیں کر سکتا اگر مومن ہو۔ اگر ایسا کرے تو ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے جس طرح قمیص اتارنے کے بعد بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔

قذف کی سزا قذف کا معنی ہے بدکاری کی تہمت لگانا۔ وَالَّذِیْنَ۔ اگر کوئی کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو ثبوت کے لئے چار عادل گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ جو عینی شہادت دیں ورنہ تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور گواہ اگر چار سے کم ہوں تو ہر ایک کو اسی اسی کوڑوں کی سزا ملے گی۔ آیت میں حکم عورت پر تہمت لگانے کا ہے۔ لیکن مرد بھی اس میں شریک ہیں پس اگر کوئی شخص کسی مرد پر مفعولیت یا فاعلیت لواط یا زنا کی تہمت لگائے تو اس کی سزا بھی اسی کوڑے ہے اور آیت کا ملاک اس کو شامل ہے۔

مسئلہ۔ مرد عورت پر تہمت لگائے یا عورت مرد پر تہمت لگائے دونوں صورتوں میں سزا ایک ہے۔

مسئلہ۔ نابالغ لڑکا یا لڑکی یا دیوانہ کسی پر تہمت لگائے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والا آزاد ہو یا غلام اسی کوڑوں کی سزا ہو گی۔ (مجمع)

مسئلہ۔ تفسیر صافی میں ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ تہمت تین صورتوں سے ہوتی ہے۔ (۱) ایک شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگائے (۲) کسی کی ماں کو زانیہ کہے (۳) کسی کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا کہہ کر بلائے۔ ان تینوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر خطاب کرے اور اس کی ماں زندہ ہو۔ پس وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو تہمت لگانے والے کو مذکور سزا ملے گی اور اگر وہ گھر سے باہر گئی ہوئی ہو تو اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا۔ پس واپسی پر اگر اس نے حق طلب کیا تو ملزم مذکور کو مذکورہ سزا دی جائے گی اور اگر مر چکی ہو اور اس کی برائی معلوم نہ ہو تب بھی تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ آپ نے فرمایا اگر ایک شخص ایک جماعت پر تہمت لگائے۔ پس وہ سب کے سب مل کر اس کو پکڑ لائیں تو ایک سزا دی جائے گی لیکن اگر الگ الگ باری باری سے اس کو پیش کریں تو الگ الگ اس کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر چند آدمیوں پر ایک جملہ کہہ کر تہمت لگائے اور نام کسی کا نہ لے تو ایک سزا اس کو ملے گی لیکن اگر الگ الگ نام لے تو الگ الگ سزا ملے گی۔

مسئلہ۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والوں کو کوڑے لگاتے وقت سوائے ردا کے باقی کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔

مسئلہ۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ زانی کی مار شرابی سے سخت ہونی چاہیئے اور شرابی کی مار تہمت لگانے والے سے سخت ہونی چاہیئے اور تہمت لگانے والے کی مار تعزیر سے سخت ہونی چاہیے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ بہت سخت کرکے مارے جائیں اور نہ نرم۔ بلکہ متوسط انداز سے اس کو سزا دی جائے۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والے پر اسی کوڑوں کی حد بھی جاری ہو گی اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی بھی کسی عدالت میں مقبول نہ ہو گی کیونکہ قرآن نے اس کو فاسق کہا ہے۔ اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کرلے تو فسق کا نام تو اس سے ہٹ جائے گا لیکن پھر بھی اس کی گواہی مقبول ہونے میں اختلاف ہے اور قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہونی چاہیے کیونکہ صاف ارشاد ہے کہ ان کی شہادت ابداً قبول نہ کرو۔ البتہ بعد والی آیت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان ہے۔ یعنی اس کے سابق جرم تہمت کو خدا غفور رحیم ہونے کی حیثیت سے بخش دے گا۔ پس وہ فاسق نہ کہلائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ استثناء کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔ یعنی سابق گناہ بھی بخشا جائے گا اور آئندہ کے لئے اس کی شہادت بھی مقبول ہو گی۔ اور تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور توبہ کا مقصد یہ ہے کہ اعلانیہ اپنی تہمت کو غلط قرار دے اور اللہ سے معافی مانگے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ

تو تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور جو لوگ تہمت (زنا) دیں اپنی عورتوں کو اور نہ ہوں

يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

ان کے پاس گواہ سوائے اپنے نفسوں کے پس ان کے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہوں

شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ

ساتھ اللہ کے کہ تحقیق وہ سچا ہے (نسبت زنا میں) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اس پر

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) اور ہٹائے گی عورت سے

الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸

عذاب (سزا) یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں اللہ کے ساتھ کہ تحقیق وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں)

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ

اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق زنا کی نسبت دے تو جب تک چار مرتبہ نہ کہے گا شہادت قبول نہ ہوگی (صافی)

لِعان کا بیان

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے پس اگر قذف (تہمت) کے بعد اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس کو قذف کی سزا دی جائے گی۔ لیکن عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔ اور اگر اپنے قول پر ڈٹا رہے تو اس سے چار دفعہ شہادت لی جائے گی اور وہ اس طرح کہے گا۔ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ۔ اور پانچویں دفعہ بصورت جھوٹ اپنے اوپر لعنت کرے گا اور یہ کہے گا اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيَّ اِنْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ۔ (پس مرد حد قذف سے بچ جائے گا اور عورت پر رجم ثابت ہوگا) اگر وہ اپنے اوپر عذاب (سزا) کو ہٹانا چاہے تو چار دفعہ شہادت دے گی کہ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ۔ اور پانچویں دفعہ کہے گی اِنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيَّ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ۔ پس عورت ایسا نہ کرے تو اس پر رجم کی سزا آئے گی اور کرے تو رجم کی سزا سے بچ جائے گی۔ لیکن مرد پر حرام موبّد ہو جائے گی۔ راوی

الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

سچا ہو (نسبت زنا میں) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور

رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع

اس کی رحمت اور یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا حکیم ہے (تو تمہاری نسل فاسد ہوتی)

نے پوچھا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو کس کے ہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ ماں کو ملے گا اور وہ مر جائے تو ماں اس کی وارث ہوگی۔ اور ماں نہ ہو تو ماں کے قریبی (ننھیال) اس کے وارث ہوں گے اور اگر کوئی اس بچے کو ولد الزنا کہے گا تو اس پر قذف کی سزا آئے گی۔ راوی نے پوچھا۔ اس کے بعد اگر باپ اقرار کرے تو بیٹا اس کو مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں البتہ اس کے اقرار کا یہ اثر ہوگا کہ بیٹا اس کی جائداد کا وارث ہو سکے گا لیکن بیٹے کے مرنے پر یہ اس کا وارث نہ ہوگا۔

آپ سے مروی ہے کہ یہ واقعہ زمانۂ پیغمبر میں ایک صحابی کو پیش آیا تو اس نے حضورؐ سے شکایت کی۔ آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہ کہا۔ پس وحی نازل ہوئی اور حضورؐ نے اس کو بلا بھیجا۔ اور پوچھا کہ کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اور تو نے اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا ہے؟ کہنے لگا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی عورت کو لے آؤ۔ کیونکہ تمہارے متعلق حکم پروردگار پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عورت کو ساتھ لایا۔ آپ نے پہلے مرد سے چار دفعہ شہادت لی۔ اس کے بعد اس کو وعظ و نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی لعنت کو اپنے اوپر واجب نہ کر۔ جب وہ اپنے دعویٰ پر مصر رہا تو آپ نے پانچویں مرتبہ اس سے لعنت جاری کرائی۔ پھر عورت سے چار شہادتیں لیں اور وعظ و نصیحت فرمائی کہ اللہ کے غضب سے بچو۔ جب اسے اپنی بات پر مصر پایا تو غضب کا صیغہ اس سے جاری کرایا۔ پس صیغۂ لعان پورا ہونے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جدائی کا حکم دیدیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے لعان تب ہو سکتا ہے کہ مرد دعویٰ کرے کہ میں نے عورت کو زنا کراتے دیکھا ہے

مسئلہ۔ لعان کے وقت امام قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے گا اور لعان کرنے والے عورت و مرد اس کے سامنے قبلہ رُخ ہوں گے۔ پہلے صیغہ مرد جاری کرے گا۔ اور بعد میں عورت۔ ایک روایت میں ہے کہ مرد امام کے دائیں اور عورت امام کے بائیں جانب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر لعان کے صیغہ کے مکمل ہونے سے پہلے مرد اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف جاری ہوگی اور عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ شوہر اگر عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کی چار شہادتیں لی جاتی ہیں اور قذف کی حد اس پر جاری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر عورت کا بھائی باپ یا کوئی اور قریبی یہ بات کہے تو گواہوں کے نہ ہونے کی

صورت میں اس پر حدِ قذف جاری ہو گی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا مرد کو عورت پر داخل ہونے کا ہر وقت حق حاصل ہے وہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں جب چاہے عورت کے پاس جا سکتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت عورت کو ناجائز حالت میں دیکھے۔ لہٰذا اس کے دعوے کی صحت کا امکان ہے لیکن اور کسی قریبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عورت پر ہر وقت وارد ہو سکے۔ اس لئے اس سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ ورنہ حد قذف اس پر جاری ہو گی۔

مسئلہ۔ جس طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد لعان ہو سکتا ہے اسی طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد مرد کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے بلکہ زنا سے پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی لعان کرنے سے حد جاری نہ ہو گی۔ لیکن عورت و مرد ایک دوسرے پر حرام موبّد ہو جائیں گے اور بچے کا نسب باپ سے کٹ جائے گا وہ صرف ماں کو ملے گا۔ بایں ہمہ اس کو ولدالزنا کہنے والا حدِ قذف کا حقدار ہو گا۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں معصوم سے سوال کیا گیا کہ زنا کے اثبات میں چار گواہ اور قتل کے لئے دو گواہ کافی ہوا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا زنا میں حد دونوں پر جاری کی جاتی ہے لہٰذا ہر ایک کے لئے دو گواہ ہونے لازمی ہیں لیکن قتل میں ملزم صرف ایک ہوتا ہے اور سزا کا تعلق اسی ایک سے ہی ہوتا ہے لہٰذا دو گواہ کافی قرار دیئے گئے۔

مسئلہ۔ قمی سے منقول ہے کہ رسالت مآبؐ نے جب صحابی اور اس کی زوجہ کے درمیان لعان کا صیغہ جاری کرا کے ان کو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا حکم دیا تو صحابی مرد نے عرض کی حضورؐ میں نے اس کو مال دیا ہوا ہے وہ تو مجھے واپس دلوائیے آپ نے فرمایا اگر تو نے اس عورت پر غلط الزام لگایا ہے تو تجھے اس مال کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تو سچا ہے تو اس وقت تک تو نے جو اس کے جسم سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس کے بدلہ میں ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ مرد پر سات قسم کی عورتیں نسب کے لحاظ سے حرام ہیں اور سات قسم کی عورتیں سبب کے لحاظ حرام ہوا کرتی ہیں جن کی تفصیل تفسیر کی جلد ۴ ص۱۵۰ پر ذکر کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ تین قسم کی عورتیں بطورِ سزا کے مرد پر حرام موبد ہو جایا کرتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی مرد کسی منکوحہ شوہر دار عورت سے زنا کرے یا اس کی عدّت کے اندر اس سے زنا کرے تو وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے اور علمائے امامیہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

(۲) اگر مرد اپنی کم سن بیوی سے مجامعت کرے اور افضا ہو جائے یعنی اس کے مقام پیشاب اور مقام حیض کا درمیانی پردہ پھٹ جائے تو اس صورت میں وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر مرد عورت کو زنا کی تہمت دے یا بچے کے حلالی ہونے کا انکار کرے۔ پس حاکم شرع کی عدالت میں لعان تک نوبت پہنچ جائے تو لعان کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ۔ لولا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمہاری نسل بگڑ جاتی یا تم پر عذاب فوری آ جاتا وغیرہ اور عیاشی سے منقول ہے کہ فضل سے مراد رسالت مآبؐ اور رحمت سے مراد ولایت ائمہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ

تحقیق جو لوگ لائے بہتان ایک ٹولہ ہے تم میں سے نہ خیال کرو اس کو بُرا

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ

اپنے لئے بلکہ وہ اچھا ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصہ ہوگا جو کمایا اس نے گناہ سے

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَّوْلَا

اور وہ جس نے بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس کے لئے بڑا عذاب ہوگا کیوں نہیں کہ

رکوع نمبر ۸ قصہ افک

سنی مفسرین نے بروایت زہری اس کا شان نزول جو بیان کیا ہے اور اسے تفسیر مجمع البیان میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک مقام پر قیام ہوا تو حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے دُور نکل گئیں اور ان کا ہار گم ہو گیا۔ تو پھر واپس اس کے ڈھونڈنے چلی گئیں۔ اتنے میں قافلہ نے کوچ کیا اور عائشہ کے خالی کجاوہ کو اُونٹ پر لاد کر روانہ ہوئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ عائشہ اس میں سوار ہے۔ بعد میں صفوان نامی ایک شخص جو رات کو کہیں پیچھے رہ گیا تھا صبح سویرے اس مقام پر پہنچا تو عائشہ کو تنہا پایا۔ پس اس کو اونٹ پر سوار کر کے تیزی سے سفر کیا اور قافلہ کو پالیا جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ پس لوگوں کی بدگمانیوں کا دروازہ کھل گیا اور افترا پردازی میں جتنے منہ اتنی باتیں ظاہر ہوئیں۔ حضورؐ کی طبیعت پر بھی اثر پڑا پس یہ آیتیں نازل ہوئیں اور افترا پردازی میں سب سے بڑا پارٹ ادا کرنے والا عبداللہ بن ابی سلول تھا جو اس بات کو ہوا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ صفوان اور عائشہ نے جو اکیلے رات گذاری ہے۔ بس دال میں کالا کالا ضرور ہے اور وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ۔ کا مصداق یہی شخص ہے۔

اور تفاسیر امامیہ میں ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ ام المومنین کے ہاں جب ابراہیم فرزند رسولؐ پیدا ہوا۔ تو دوسری ازواج رسولؐ کو حسد پیدا ہوا اور عائشہ و حفصہ اس میں پیش پیش تھیں۔ پس یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم جناب رسالتمآبؐ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات اپنے غلام جریح کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ بچہ اسی کا ہے۔ حضورؐ کو اس بات کا کافی قلق ہوا پس آپؐ نے حضرت علی کو ذوالفقار سے جریح کا کام تمام کرنے کا فرمان دیا اور جلد بازی سے منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی جب حجرۂ ماریہ میں پہنچے تو دیکھا کہ جریح اور ماریہ ایک جگہ موجود ہیں اور جریح ماریہ کو سلطانی آداب کا درس دے رہا ہے اور پیغمبر کی تعظیم و تکریم کی تلقین کر رہا ہے۔ تلوار برہنہ دیکھ کر جریح کے دل میں خوف طاری ہوا پس وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ہوا کے جھونکے سے اس کا لباس سنبھلا نہ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک نامرد غلام ہے (نہ وہ مرد ہے نہ عورت)

إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا

جب تم نے یہ بات سنی تو گمان کرتے مومن مرد اور عورتیں اپنے نفسوں پر اچھائی کا

وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ⑫ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ

اور کہتے کہ یہ صاف بہتان ہے کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ

شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ

پس جب گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے

الْكَاذِبُونَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت دنیا و پیں

وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑭

آخرت میں تو پکڑ لیتا تم کو بوجہ اس کے جس بات میں تم گھسے تھے بڑا عذاب

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ

جب زبان و زبانی ایک دوسرے سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم کو کوئی علم

پس حضرت علی اس کو خدمتِ رسالتمآبؐ میں لائے۔ اور سارا ماجرا بیان کیا اور یہ آیتیں ماریہ کی پاک دامنی کی ترجمانی کے لئے اُتریں۔ یہ روایت تفسیر برہان وصافی میں مفصلاً امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہما السلام سے مختلف سندوں سے منقول ہے۔ نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے بھی مروی ہے اور امام رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

بِأَنفُسِهِمْ۔ یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے ان پر اچھا گمان کیوں نہ کیا جو ان کے لئے اپنے نفسوں کی طرح تھے کیونکہ سب مومن ایک دوسرے کے ساتھ نفس واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حکم ہے کہ دوسرے مومن کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور کیوں نہ اس کو افک اور بہتان قرار دیا ہے پھر کیوں نہ چار گواہ پیش کئے۔ یہ سب تنبیہات ہیں کہ مومن کو ایسی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خصوصاً اُمّ المومنین کے حق میں زبان کشائی قطعاً مومن کو زیبا نہیں دیتی اور جب عام مومنوں پر حسن ظن کا حکم ہے۔ تو اپنی ماں پر بدگمان ہونا کہاں کی شرافت ہے ؟

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ۔ یعنی سنی سنائی باتوں کو باور کر لیتے تھے اور پھر آگے پھیلانا شروع کر دیتے تھے جو قطعاً خلاف عقل و دیانت ہونے کے علاوہ بعید از شرافت بھی ہے۔ تُلْقُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ کا معنی ہے اپنے مونہوں سے دوسروں تک پہنچانا۔ اور تَلَقَّوْنَ

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

نہ تھا اور تم اس کو خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک غیر معمولی ہے اور کیوں نہیں جب تم نے اس کو

قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

سنا تو کہتے کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ایسی باتیں کریں تو پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان

عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ

ہے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم ہو

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾

مومن اور بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور وہ خدائے علیم و حکیم ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ

تحقیق جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیلے بری بات ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

دردناک عذاب ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ جانتا ہے حالانکہ تم نہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ

جانتے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ

بِاَلْسِنَتِكُمْ کا معنی ہے ایک دوسرے سے زبان وزبانی بات قبول کرنا۔

وَلَوْلَا۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مومن کے متعلق کوئی ایسی بات کرے جس میں اس کے کردار پر حملہ ہو تو تمام مومنوں پر واجب ہے ایسی بات مت سنیں اور بیان کرنے والے کو فوراً ٹوک دیں جب تک اس کے پاس گواہ عادل موجود نہ ہوں ورنہ افترا کا گناہ ہوگا۔

سُبْحٰنَكَ۔ اس مقام پر تنزیہ پروردگار کا کلمہ اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے۔

غیبت اور بہتان میں فرق اِنَّ الَّذِيْنَ۔ کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں ہو اس کو غیبت کہتے ہیں اور کسی کی ایک ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں نہ ہو اس کو بہتان کہتے ہیں اور یہ دونو گناہان کبیرہ میں داخل ہیں جب انسان

رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

درگزر کرنیوالا رحیم ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ اتباع کرو شیطان کے نقش قدم کی

وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا

اور جو اتباع کرے گا نقش قدم شیطان کی تو وہ تو حکم دیتا ہے بدکاری اور برائی کا اور اگر نہ ہوتا

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن اللہ

کسی دوسرے کو ایک گناہ کرتا ہوا دیکھے اور گواہ نہ موجود ہوں پھر اس کو آگے بیان کرے تو شرعاً اس کو بھی افترا اور بہتان سمجھا جائے گا اور حاکم شرع کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہو گی۔ خداوند کریم مومنوں کو لوگوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع فرماتا ہے۔ پس مومن کا حق یہ ہے کہ اس کی بُرائی بیان نہ کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دُعا خیر کرے اور دوسروں کی غلطی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور اپنی اسی قسم کی یا اس سے سنگین غلطیوں کی اللہ سے معافی طلب کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی برائی بیان کرے وہ اسی آیت کا مصداق ہے۔ ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! بعض اوقات میرے پاس مومن کا شکوہ پہنچتا ہے جو مجھے ناگوار ہوتا ہے جب اس سے اس کا ذکر کرتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو بری الذمہ بتاتا ہے حالانکہ جن لوگوں نے مجھے بتایا تھا وہ بھی جھوٹ بولنے والے نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا مومن بھائی کے متعلق اپنی آنکھوں اور کانوں کو بھی جھوٹا سمجھو۔ اگر پچاس آدمی اس کا عیب بیان کریں اور وہ اپنی صفائی پیش کرے تو ان سب کو جھوٹا سمجھو اور اس کی بات مان لو اور اس کی کسی غلطی کو اچھالنے کے درپے نہ ہو۔ اور اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اس کی عزت وشان میں فرق پڑتا ہو ورنہ اسی آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت علی کی کتاب میں ہے ایک دن جناب رسالت مآبؐ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کبھی کسی مومن نے دنیا و آخرت کی بھلائی نہیں پائی مگر اللہ پر حسنِ ظن رکھنے سے اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ توبہ و استغفار کے بعد اللہ کسی مومن کو گرفتارِ عذاب نہیں کرتا۔ مگر اس صورت میں کہ اللہ پر وہ بدظن ہو جائے۔ اور مومنوں کی غیبت کا مرتکب ہو جائے۔ (برہان نقلاً عن کتب الشیعہ)

رکوع ۹

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت مجیدہ میں شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے اور قرآن کا سیاق بتاتا ہے کہ مومن کی بُرائی بیان کرنا اور سننا اور اس کو اچھالنا شیطانی اتباع ہے پس مومن کا مومن پر حق ہے کہ جب ایک کا گلہ دوسرے کے سامنے ہو تو وہ بیان کرنے والے کو ٹوک دے ورنہ اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہو اور یہ ہے مومن بھائی کی غیبی امداد۔ چنانچہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مالک اشتر کا گذر بازار کوفہ سے ہوا تو دیکھا کہ ایک دوکان میں اس کا گلہ جاری ہے پس اس جانب سے کپڑا اٹکالیا اور ان سُنی کرکے آگے بڑھ گئے۔ اتنے میں گلہ کرنے والے سے کسی نے کہہ دیا کہ مالک اشتر یہی تھے جو بھی کپڑے کا دامن منہ کے آگے لٹکا کر گذر گئے وہ شخص فوراً شرمندگی محسوس کرکے معافی طلب کرنے کے لئے پیچھے دوڑا حضرت مالک اشتر ایک مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو اس شخص نے معافی مانگ لی۔ پس مالک اشتر نے جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہی مسجد میں آیا ہوں اور یہ دو رکعت نماز بھی تیری بخشش کے لئے پڑھی ہے اور تیری بخشش کے لئے ہی خدا سے دُعا کا طالب ہوں یہ کردار تھا علی کے شیعوں کا جن کے نقش قدم پر چلنا ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔

لَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ۔ اس کلمہ کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے لیکن آیت نمبر ۲ میں مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہو تو تم جونہی کسی مومن بھائی کی غیبت اور شکوہ میں مصروف ہوتے ہو اور اس کی بُرائی کو اچھالتے ہو تو تمہیں فوراً گرفتارِ عذاب کر لیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے فضل سے تم کو توبہ واستغفار کا موقعہ دیا ہے۔ پس وہ فوری عذاب نہیں بھیجتا اور آیت نمبر ۱۲ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے تمہارے عیوب پر پردہ ڈالے ہوئے ہے ورنہ اگر وہ پردہ اٹھا دے تو تم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کا دامن داغدار نہ ہو۔ پس اس کی پردہ پوشی ہی تمہاری پاکیزگی کی ضامن ہے۔ نیز اس کا یہ بھی فضل ہے کہ تم جب ایک دوسرے کی پردہ دری کرتے ہو اور پھر معافی مانگ لیتے ہو تو اللہ اس کو قبول کرتا ہے اور تمہیں پاکبازی کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اللہ کا یہ فضل عمیم اور احسان جسیم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا پس ایک دوسرے سے اعتماد ختم ہو جاتا اور انسانی تمدنی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہ سکتی۔ پس حسن ظن ہی کے نتیجہ میں اور اللہ کی پردہ پوشی کے ہی طفیل سے دنیا والوں کی ساکھ قائم ہے اور نظام تمدنی کو بقا حاصل ہے۔

وَلَا یَاْتَلِ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق وارد ہے کہ مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر کا خالہ زاد بھائی مہاجر اور بدری بھی تھا بوجہ تنگ دستی اور افلاس کے حضرت ابوبکر اس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے جب حضرت عائشہ پر الزام واتہام کے قصے کو ہوا دی گئی تو یہ شخص بھی انہیں میں سے ہو گیا۔ پس حضرت ابوبکر نے اس سے قطع تعلقی کر لی اور قسم کھالی کہ آئندہ اس کی کسی قسم کی مدد نہ کروں گا۔ اسی طرح بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی روایات وارد ہیں۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو درگذر کی تلقین کی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ بعض لوگ عوام شیعہ کے سامنے یہ آیتیں پیش کرکے حضرت عائشہ کی فضیلت کے گن گاتے ہیں اور شیعہ عوام کو کوستے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شیعہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور عفت میں شک کرتا ہو بلکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے انبیاء واوصیاء کی بیویاں اگرچہ کافر ہوں پاکدامن اور پاکباز ضرور ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح ؑ اور حضرت لوط ؑ کی بیویوں کو

يُزَكِّي مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے اور نہ کوتاہی کریں صاحبان فضل و وسعت

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

تم میں سے کہ دیں قریبیوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو اور معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بخش دے تم کو

لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

اور اللہ غفور رحیم ہے تحقیق جو لوگ بہتان لگاتے ہیں پاک دامن

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عفت پسند اور ایماندار عورتوں پر ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے بڑا

عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ

عذاب ہوگا جس دن گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ

ان کے پاؤں ان کاموں کی جو کرتے تھے اس دن پوری دے گا خدا ان کو

قرآن نے کافروں کے زمرہ میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب کی رو سے ان کا کردار ملوث نہ تھا۔ بنابریں شیعہ مذہب حضرت عائشہ کو افک کے قصہ میں بری الذمہ سمجھتا ہے۔ البتہ شیعوں کو حضرت عائشہ سے یہ اختلاف ہے کہ اس نے حضرت علی پر خروج کرکے اور وصیت پیغمبرؐ کو پس پشت ڈال کر ایمان کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا۔ پس وہ ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکی۔

یَوْمَ تَشْهَدُ۔ یعنی بروز قیامت جب گنہگار انسان اپنے کرتوتوں کا انکار کریں گے تو ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پس محشر کے بھرے میدان میں شرمندہ ہو کر جہنم جائیں گے۔ اور اعضاء کی گواہی کی نوعیت کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دِیْنَهُمُ الْحَقَّ۔ اس مقام پر دین کا معنی ہے بدلہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین کا معنی مذہب ہو اور جزا مضاف محذوف ہو یعنی اللہ ان کو اپنے دین کی جزائے صحیح دیگا۔

دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِيۡنُ ﴿۲۵﴾ اَلۡخَبِيۡثٰتُ

جزا صحیح اور جان لیں گے تحقیق اللہ ہی حق مبین ہے خبیث

لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَالۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ

عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ

وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓـئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ

عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں وہ بری ہیں ان (اتہامات) سے جو کہتے ہیں

وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ ع۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ

(لوگ) ان کے لئے بخشش اور رزق باکرامت ہے اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو نہ اندر جاؤ گھروں کے اپنے گھروں

اَلۡخَبِيۡثٰتُ الخ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ زانی مرد کو مومنہ عفیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ بدکار یا مشرک عورتوں سے شادی کر لیا کریں۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو مومن پاکباز مردوں کے حبالۂ عقد میں نہیں جانا چاہیئے بلکہ وہ زانیوں اور مشرکوں کے لئے ہی موزوں و مناسب ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں چند مرد و عورتیں اعلانیہ بدکار و زانی تھے۔ پس مومنوں کو تنزیہاً ان کے رشتہ ناطہ سے منع کیا گیا۔ پس اس مقام پر دوبارہ اسی حکم کا اعادہ فرمایا ہے کہ خبیث عورتوں کو خبیث مردوں کے لئے رہنے دیا جائے۔ اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مناسب ہیں اسی طرح پاکدامن عورتیں پاکباز مردوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے موزوں ہیں اور یہ لوگ عامۃ الناس کی بدگمانیوں اور اتہامات سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔ (۲) بری باتیں بُرے مردوں کے لئے زیبا ہیں اور بُرے مرد بُری باتوں کے لئے موزوں ہیں اور اچھی باتیں اچھے مردوں کو زیب دیتی ہیں۔ اور اچھے مرد اچھی باتوں کو اپنایا کرتے ہیں (۳) بدکرداری بدطینت مردوں کے لئے ہے اور بدطینت مرد بدکرداری کیلئے ہیں اور اچھے اعمال نیک طینت مردوں کے لئے اور نیک طینت مرد اچھے اعمال کے لئے ہیں۔ پہلا قول صادقین علیہما السلام سے مروی ہے۔ (عن المجمع)

رکوع ۹ غیر کے گھر میں داخلے کی ممانعت

حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا الخ ۱۲۸۔ اس مقام پر استیناس استیذان کے معنی میں ہے یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا مطلوب ہو تو بلا اطلاع اور بلا اجازت اندر نہ جاؤ خواہ کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کسی اجنبی کا گھر ہو پس مومن کو چاہیئے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر یا تو اندر آنے کے لئے صراحتاً آواز کر کے پوچھے یا کوئی کام ایسا کرے جس سے اذن طلبی سمجھی جاتی ہو۔ مثلاً کھانس لے یا جوتے کو

بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے سوا یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ) اچھا ہے تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا

لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اگر نہ پاؤ اس میں کوئی آدمی تو نہ اندر جاؤ اس کے

حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى

یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم کو کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) بہتر ہے

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

تمہارے لئے اور اللہ جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ اندر جاؤ ایسے گھروں کے

تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

جو رہائشی نہ ہوں کہ ان میں تمہارا فائدہ ہو اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہدو مومنوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے)

زور زور سے زمین پر مارے یا تسبیح و تحمید کی آواز زبان سے بلند کرے تاکہ صاحب خانہ سمجھ جائے کہ کوئی اندر آنا چاہتا ہے پس وہ سنبھل جائے۔ ارشاد ہے۔ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا (پ ۱۸ - رکوع نمبر ۱۴) یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی دوسرے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں۔ اس آیت میں استیذان کا لفظ ہے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا ماں کے پاس بھی جانے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ اس کا میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔ تو کیا ہر دفعہ میں اذن حاصل کر کے اندر جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے جسم پر نگاہ کرے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر اجازت لے کر جایا کرو۔

مسئلہ - بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بیٹے کو باپ کے ہاں جانے کیلئے اجازت کی ضرورت ہے لیکن باپ کو بیٹے کے گھر جانے کیلئے اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی یا بہن شادی شدہ ہوں تو ان کے گھر

میں جانے کے لئے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

وَتُسَلِّمُوا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو پہلے سلام دو پھر اجازت لے کر اندر جاؤ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تسلیم کا عطف استیناس پر عطف بیان ہے۔ یعنی اذن حاصل کرو۔ بایں طور کہ پہلے سلام کہو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک شخص دروازہ پیغمبر پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت لینے کی غرض سے کھانسا۔ پس آپ نے ایک عورت روضہ نامی کو فرمایا کہ دروازہ پر جاؤ اور اس کو یہ بات سکھاؤ کہ پہلے السلام علیکم کہے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرے۔ چنانچہ اس نے باہر یہ بات سن لی اور اس پر عمل کیا تو آپ نے اجازت دیدی۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا۔ یعنی اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو بجائے داخل ہونے کے واپس پلٹ جانا چاہیئے۔ اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو اور وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے اور کہے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلا جانا چاہیے۔

غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ۔ یعنی غیر آباد اور غیر رہائشی مکانات میں جانا ممنوع نہیں ہے اور اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) مہمان خانے۔ مسافر خانے ہوٹل اور حمام وغیرہ اس سے مراد ہیں۔ پس ضرورت کے تحت ان میں جایا جا سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد خرابے اور اجاڑ مقامات ہیں جہاں قضائے حاجات کے لئے انسان جا سکتا ہے۔

(۳) تجارتی منڈیاں اور مال گودام وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ جن میں لوگوں کے سامان جمع ہوتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنی غرض سے وہاں جا سکتا ہے۔

(۴) دوران سفر میں مسافروں کی قیام گاہیں مراد ہیں اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ایک ایسا معنی مراد لیا جائے۔ جس میں یہ سب چیزیں آجائیں تو بہتر ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ۔ یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو ظاہراً صاف نیت سے کسی کے گھر میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کی نیت میں برائی ہوتی ہے۔ پس وہ گھروں میں لوگوں کی عیب جوئی کے لئے جاتے ہیں۔ پس فرمایا کہ میں ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں اور ان آیات مجیدہ میں معاشرۂ انسانیہ کی بہتری و عمدگی کے لئے یہ درس دیا گیا ہے۔ اگر انسان صحیح طور پر اس کا عامل ہو جائے تو یقیناً معاشرے کی اکثر و بیشتر خرابیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

پردہ کا حکم

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے تمام مومنوں کو ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھنے کا حکم دیا ہے جس کا دیکھنا حرام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں حفظ فرج کا حکم ہوا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن اس مقام پر حفظ فرج سے مراد پردہ ہے۔ یعنی اپنی آنکھوں کو دوسروں کی شرمگاہوں کے دیکھنے سے بچاؤ اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے بچاؤ۔ اور یہی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا مرد کے لئے مرد کی شرمگاہ دیکھنا بھی حرام ہے اور عورت کے لئے عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

اَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) یہ بہتر ہے ان کے لئے تحقیق اللہ جانتا

خَبِيۡرٌ ۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ

ہے جو وہ کرتے ہیں اور کہدو مومن عورتوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے)

وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) اور نہ ظاہر کریں اپنے (مقام) زینت مگر جو ظاہر ہوں ان میں سے اور

لۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا

ڈال لیں اپنی اوڑھنیاں اوپر اپنے سینوں کے اوپر اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر

لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ

اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کیلئے

وَقُلْ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ۔ اس جگہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھیں جس کا دیکھنا حرام ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں تاکہ غیر کی نظر اُس پر نہ پڑے خواہ عورت ہو یا مرد۔

وَلَا يُبۡدِيۡنَ۔ عورت کو اپنی زینت کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور زینت سے مراد مقام زینت ہے۔ یعنی ہر نامحرم سے اپنے مقاماتِ زینت کو پوشیدہ رکھیں۔ سوائے ان مقامات کے جو کام کاج کے وقت بالعموم کھلے رہتے ہیں اور اس میں مفسّرین کے متعدّد اقوال ہیں (۱) لباس خلخال کنگن اور جھمکے مراد ہیں (۲) آنکھوں کا سرمہ انگوٹھی۔ رخسارے اور ہتھیلیوں کا خضاب مراد ہے (۳) آنکھوں کا سرمہ کنگن اور انگوٹھی مراد ہے (۴) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ بہرکیف علمائے امامیہ کے نزدیک عورت پر پردہ اس طرح واجب ہے کہ اپنے تمام اعضاء حتے کہ بال بھی تمام نامحرموں سے پوشیدہ رکھے اور عورت کے وہ اعضاء جو بالعموم کام کاج کے لئے اور گھریلو ضرورتوں یا معاشی مجبوریوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ نامحرم لوگوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف نظر نہ اُٹھائے۔ چنانچہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔ پس اتفاقی نظر پڑجانا گناہ نہیں لیکن عمداً شہوت سے باربار دیکھنا گناہ ہے۔

وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ۔ عورت کے لباس میں ضروری ہے کہ قدم ٹخنوں تک ڈھکے ہوئے ہوں اور ہاتھ پہنچیوں تک پوشیدہ ہوں اور اس کے بال مقنعہ سے چھپے ہوں پھر اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصہ سے اپنے سینہ اور چھاتیوں کو

بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيٓ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيٓ أَخَوَاتِهِنَّ

یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا بھائیوں کی اولاد کے لئے یا بہنوں کی اولاد کے لئے

أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُولِي

یا اپنی (مومن) عورتوں کے لئے یا اپنی کنیزوں کے لئے یا ان خدمت گاروں کے لئے جو نہ خواہش رکھتے ہوں

الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ

مردوں میں سے یا وہ بچے جو نہ مطلع ہوں عورتوں کی شرمگاہوں پر اور

عَوْرَٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن

نہ قدم (زمین پر) زور سے ماریں تاکہ پتہ چلے اس کا جو مخفی ہے ان کی

ڈھانپ لیں کہ دیکھنے سے کوئی حصہ نمایاں معلوم نہ ہو اور گھر سے نکلیں تو نظر نیچی ہو۔ اور وقار سے چلیں اور یہی پردہ کا صحیح مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں جن لوگوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب نہیں ہے۔ وہ یہ ہیں :۔ (۱) شوہر (۲) شوہر کا باپ (۳) بیٹے (۴) شوہر کے بیٹے (۵) باپ (۶) بھائی (۷) بھائی کی اولاد (۸) بہنوں کی اولاد (۹) مومن عورتیں (۱۰) کنیزیں (۱۱) وہ خدمت گار جن میں مردوں کی خواہش نہ رہی ہو۔ مثلاً احمق یا بوڑھا (۱۲) کم سن بچے۔ آیت مجیدہ میں مومن عورتوں کا مومنہ عورتوں اور کنیزوں سے پردہ نہیں ہے گویا کافروں۔ مشرکوں۔ یہودیوں۔ نصرانیوں اور مجوسیوں کی عورتوں سے بھی ان کو پردہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ گھروں میں جا کر اپنے مردوں کے سامنے ان کا حلیہ و صورت بیان نہ کریں۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ محرم مرد عورت پر کس حد تک نظر کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محرم مرد کے لئے عورت کا چہرہ۔ ہتھیلیاں اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اہل تہامہ کی عورتیں۔ بدوی عورتیں۔ دیہاتی عورتیں اور کافر عورتیں چونکہ روکنے سے رُکتی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف نظر کرنا گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح دیوانی اور پاگل عورتوں کی طرف نظر کی جا سکتی ہے اور ان کے بال اور جسم کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتفاقی ہو۔ عمداً نہ ہو۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضور ص نے فرمایا ذمی عورتوں کی کوئی حُرمت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے بال اور ہاتھوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ جس عورت سے شادی کرنے کا خیال ہو تو کیا اس کو غور سے دیکھنا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری روایت میں ہے اس کا چہرہ اور کلائیاں دیکھنا جائز ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ اس کے بال اور مقامات حسن کو بھی دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ بری نظر سے نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زرخرید غلام اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف نظر کر سکتا ہے۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کا ملازم ہے جو خصی ہے کیا وہ گھر میں خدمت کرتے ہوئے عورتوں کے بالوں کی طرف دیکھ سکتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں
عَلٰی جُیُوْبِہِنَّ۔ جیوب جمع ہے جیب کی۔ اور یہاں سینہ مراد ہے یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصہ کو سینہ پر ڈال دیں۔ تاکہ نمائش نہ ہو سکے۔ اس کی مزید تشریح ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ ہو۔
اُولِی الْاِرْبَۃِ۔ ارب یارب سے فِعْلَۃٌ کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے خواہش۔
تنبیہ۔ ہمارے ہاں جو پردہ رائج ہے اس میں شرعی پابندیوں کا بہت کم لحاظ رکھا جاتا ہے مثلاً بعض خاندانوں میں پردہ صرف ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اس خاندان کے افراد نہ ہوں۔ اور یہ رواج اکثر سادات خاندانوں میں پایا جاتا ہے بعض خاندانوں میں نیچ قوموں کے افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا اور وہ خدمت گذاری یا دیگر ضروری امور کے لئے آزادانہ طور پر گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ یہ رواج بڑے بڑے گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں میں پردہ کا رواج اس طرح ہے کہ ننہال اور ددہال سے پردہ نہیں ہوتا۔ باقی ہر ایک سے پردہ ہوتا ہے۔ آیت مجیدہ میں صاف و صریح الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ نامحرم سے پردہ واجب ہے اور جن جن لوگوں کو محرم بیان کیا گیا ہے اُن کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ اور پردہ کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھے اور گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنی نظر کو نیچا رکھے تاکہ غیر محرم سے آنکھیں دوچار نہ ہوں۔ خواہ رسمی برقعہ سر پر ہو یا نہ ہو۔ سر کی اوڑھنی برقعہ کا کام بخوبی دے سکتی ہے جس طرح ایرانی عورتوں میں رواج ہے۔ اور مردوں پر بھی واجب ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف نظر نہ اُٹھائیں۔ البتہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور طبیب و ڈاکٹر کے لئے بیمار عورت کی طرف تشخیص مرض و علاج کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ پس باریک لباس پہن کر عورتوں کا گھروں سے نکلنا یا نیم برہنہ لباس میں ملبوس ہو کر سڑکوں بازاروں اور کوچوں گلیوں میں پھرنا آوارگی ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ خدا مومن عورتوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

شادی کرنے کا حکم

اَلْاَیَامٰی۔ یہ ایم کی جمع ہے اصل میں ایایم تھا۔ خلاف قیاس اس کو قلب کرکے ایامیٰ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی ہے غیر شادی شدہ۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور کنوارہ ہو یا رانڈہ اور اَنْکِحُوْا کا امر بتلاتا ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی شادی کرنا یا کرانا مستحب کام ہے۔ نکاح کا معنی ہے خود شادی کرنا اور انکاح کا معنی ہے کسی دوسرے کی شادی کرانا اور منکم کی ضمیر مخاطب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آزاد مرد و عورت جو تم میں سے ہوں۔ ان کی شادی کراؤ۔ اور اس کے بعد دوسرا حکم ہے کہ غلام و کنیزیں جو نیک اور مومن ہوں۔ ان کی بھی شادی کرانا اللہ کو محبوب ہے۔
اِنْ یَّکُوْنُوْا ص۱۳۳۔ یہ آزاد لوگوں کی شادی سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ فقیر و نادار ہوں گے تو خدا ان کو غنی کر دے گا۔

زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳۱)

زینت سے اور توبہ کرو اللہ کی طرف سب اے ایمان والو تا کہ چھٹکارا پاؤ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ

اور نکاح کر دو اپنے غیر شادی شدہ افراد کا اور نیک غلاموں اور کنیزوں کا اگر

يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۳۲)

نادار ہوں گے تو ان کو غنی کر دے گا خدا اپنے فضل سے اور خدا وسیع قدرت و علم والا ہے

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اور پاکدامن رہنا چاہیئے ان کو جو نہیں کر سکتے نکاح (بوجہ ناداری کے) یہاں تک کہ خدا ان کو غنی کر دے اپنے فضل سے

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ

اور جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا تمہارے غلاموں میں سے تو ان کو مکاتب بنا لو اگر جانتے ہو

فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا

ان میں خوبی اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا اور نہ مجبور کرو اپنی

فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

لونڈیوں کو برائی پر اگر وہ چاہیں پاکدامنی تاکہ حاصل کرو فائدہ دنیاوی زندگی کا

غلاموں اور کنیزوں سے اس کا اس لئے تعلق نہیں کہ ان کا نفقہ مالکوں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ جو شخص میری فطرت کو دوست رکھتا ہو۔ اس کو چاہیے کہ میری سنت پر عامل ہو اور میری سنت ہے نکاح۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اے نوجوانو! اگر تم میں طاقت ہے تو ضرور شادی کرو۔ کیونکہ شادی کرنے سے آنکھ میں حیا رہتی ہے اور شرمگاہ میں عفت رہتی ہے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھتا رہے تاکہ حرام کار نہ بن سکے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔ شِرَارُکُمْ عُزَّابُکُمْ۔ یعنی تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو شادی نہ کریں آپؐ نے فرمایا جس کا لڑکا جوان ہو جائے اور اس کی شادی کر سکنے کے باوجود نہ کرے۔ پس لڑکے سے غلطی سرزد ہو جائے تو گناہ میں دونوں باپ و بیٹا شریک ہوں گے۔ آپ سے مروی ہے کہ خدا نے عرش کے اوپر چار قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس مجبوری کے بعد غفور رحیم ہے اور تحقیق ہم نے اتاریں

اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

تم پر نشانیاں واضح اور خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گذرے اور نصیحت متقی لوگوں کے لئے

اور فرشتوں نے آمین کہی ہے۔ (۱) وہ شخص جو کنوارہ رہنا پسند کرے اور شادی نہ کرے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو (۲) وہ مرد جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے حالانکہ خدا نے اس کو مرد پیدا کیا ہے (۳) وہ عورت جو مردوں سے مشابہت پیدا کرے حالانکہ خدا نے اس کو عورت بنایا ہے (۴) لوگوں کو پھسلانے والا جوان سے مسخری کرے۔ مثلاً کسی مسکین سے کہے ادھر آؤ کہ میں تم کو کچھ دوں پھر اس کو خالی پلٹا دے یا کسی اندھے سے کہے خیال کرو آگے گھوڑا کھڑا ہے حالاں کہ آگے کچھ نہ ہو یا کوئی آدمی کسی کے گھر کا راستہ پوچھے اور وہ اس کو الٹی طرف کا راستہ بتا دے وغیرہ۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا جو شخص ناداری کے خوف سے شادی نہ کرے۔ گویا اس نے اللہ پر بدگمانی کی۔ کیوں کہ خدا فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم نادار ہوگے تو میں تم کو غنی کردوں گا۔ چنانچہ مروی ہے ایک شخص نے حضورؐ کی بارگاہ میں اپنے فقروفاقہ کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے شادی کر لی۔ اور اللہ نے اس کو رزق وسیع عطا فرما دیا۔

تفسیر برہان میں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی نے اپنی غربت کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ وہ پہلے سے بھی زیادہ نادار ہو گیا۔ پھر اس نے آکر شکوہ پیش کیا تو آپ نے طلاق کا حکم دیا۔ پس اس نے طلاق دے دی۔ پھر جو آپ نے اس سے احوال پرسی کی تو اس نے عرض کی کہ میں خوشحال ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ہر دو دفعہ تجھے اللہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا تھا۔ خدا غیر شادی شدہ لوگوں کو فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم غریب و نادار ہوگے تو میں تم کو غنی کردوں گا۔ پس میں نے تجھے پہلی دفعہ یہی حکم دیا اور دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ یعنی میاں بیوی دونو ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو خدا ہر دو کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ لہٰذا دوسری دفعہ میں نے تجھے اس آیت کے ماتحت طلاق کا حکم دیا۔

اَنْكِحُوْا کے امر سے یہ بات بالکل واضح وعیاں ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی ہو اور دوسرا مومن شادی کی ضرورت رکھتا ہو اور اس کے اخراجات بھی ادا کر سکتا ہو۔ پس خواستگاری کرے تو اس کو رد نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی معقول شرعی عذر اس کے پاس موجود ہو تو اس کی خواستگاری کو رد کیا جا سکتا ہے اور جہاں لڑکی والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ خواستگاری کرنے والے مومن کو بلا عذر شرعی رد نہ کریں وہاں غیر شادی شدہ مرد کو بھی تلقین صبر کی گئی ہے کہ اگر وہ شادی کی طاقت نہ رکھتے

ہوں اور اس کے اخراجات کی کفالت نہ کر سکتے ہوں تو لیستعفف یعنی عفیف وپاکدامن بن کر رہیں۔ حرامکاری کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس اپنے نفس پر قابو پا کر رہیں۔ یہاں تک کہ خدا ان کی مالی حالت کو اچھا کر دے۔ گویا صبر کرنا اور حکم خدا کے ماتحت پاکدامن رہنا غنا کا پیش خیمہ ہے۔ پس خدا اپنے فضل وکرم سے ایسے نوجوانوں کو رزق حلال فراوانی سے عطا فرمائے گا۔ اور آیت مجیدہ میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ۔ اس آیت مجیدہ میں غلاموں کی کتابت کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غلام کی قیمت مقرر کر لی جائے اور غلام سے کہا جائے کہ تم اپنی مقررہ قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں مشروط اور مطلق۔

مکاتب مشروط وہ غلام جس کی قیمت ڈال کر یہ شرط لگا دی جائے کہ جب تک پوری قیمت نہ ادا کرو گے پورے غلام رہو گے حتیٰ کہ اگر ایک پیسہ بھی قیمت میں سے ادا نہ ہو سکا تو وہ پورے کا پورا غلام رہے گا۔

مکاتب مطلق وہ غلام جس کی قیمت مقرر کر کے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اپنی قیمت میں سے وہ جس قدر ادا کرتا جائے گا اسی قدر آزاد ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر اس کی قیمت میں سے ادائیگی رہ جائے گی۔ اسی نسبت سے وہ غلام رہ جائے گا۔

آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ اگر غلام تم سے خواہش کریں مکاتب ہونے کی تو تم بخل سے کام نہ لو۔ بلکہ خندہ پیشانی سے ان کو مکاتب بنا لو۔ بشرطیکہ ان میں خیر اور بھلائی تم کو معلوم ہو۔ اور تفسیر صافی میں بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خیر کا معنی یہ ہے کہ وہ کلمہ توحید ونبوت پڑھتا ہو اور رقم کمانے کا فن اور ہنر اس کے ہاتھ میں ہو جس کے ذریعے سے کما کر اپنا مقرر شدہ مال کتابت ادا کر سکتا ہو۔ اور کافی کی روایت میں آپ سے منقول ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے غلام کتابت کرانا چاہتا ہے حالانکہ مالک کو پتہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑا یا بہت کچھ مال ہی نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اس کو مکاتب بنا لے خواہ وہ بھیک مانگ کر ہی اپنی قیمت ادا کرے کیونکہ خدا اپنے بعض بندوں کے ذریعے سے دوسروں کو رزق دیتا ہے۔ اور مومن کی مدد کرنا جائز ہے۔

وَاٰتُوْھُمْ۔ غلام کو مکاتب کرنے کے بعد حکم ہے کہ خدا نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس سے غلام کو بھی کچھ دو یعنی مقررہ قیمت سے کمی کر دو۔ چنانچہ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا رقم وصول کرنے کے لئے جو قسطیں مقرر کی جائیں ان میں کمی کرنی چاہیئے نہ کہ زیادتی۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے چھ ہزار میں سے اپنے غلام مکاتب کو ایک ہزار معاف کر دیئے تھے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت مجیدہ تمام مومنین کو مکاتب غلاموں کی آزادی میں امداد کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ یعنی سب مل جل کر اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزادی کا سانس لے سکے۔ اور بعض مفسرین نے زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں جہاں فی الرقاب آیا ہے اس سے مراد مکاتب غلام لئے ہیں

لہذا صدقات واجبہ میں سے ان کی دست گیری کی جا سکتی ہے۔ شریعت مقدسہ کا یہ طریقہ انسانی آزادی کی راہوں کو ہموار کرنے کا بہترین دستور ہے اور خدا برا کرے ان ناپاک اذہان کا جو دور حاضر میں آزاد انسانوں کے لئے غلامانہ ذہنیت کا جال بچھا کر مساوات کے خوشنما لیبل کے ذریعے سے ان کی فطری آزادی کے سلب کرنے کے درپے ہیں۔

مفہوم مخالف ولا تکرھوا۔ علمائے اصولیین میں مفہوم مخالف کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء مطلقاً اس کی حجیت کے قائل نہیں ہیں۔ بعض مفہوم غایت کے قائل نہیں البتہ مفہوم صفت اور مفہوم شرط کی حجیت کو مانتے ہیں اور اکثر علماء صرف مفہوم شرط کی حجیت کے قائل ہیں اور بعض ہر مفہوم کی حجیت کے قائل ہیں۔

مفہوم غایت جہاں حکم کی حد مقرر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حد کے بعد کا حصہ حکم میں شامل نہیں جس طرح کہا جائے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کہنیوں سے آگے دھونا وضو میں شامل نہیں۔

مفہوم وصف۔ جہاں حکم ایک صفت سے وابستہ ہو مثلاً کہا جائے مومن مسکین کو صدقہ دیا جائے تو اس کا مفہوم مخالف یہی ہوگا کہ اگر وہ مسکین نہ ہو تو صدقہ اس کو نہ دینا چاہیئے۔

مفہوم شرط۔ جہاں حکم ایک شرط پر معلق ہو مثلاً کہا جائے اگر زید نماز پڑھتا ہو تو انعام کا مستحق ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو مستحق انعام نہیں اور مفہوم شرط باقی دونوں مفہوموں سے دلالت میں مضبوط تر ہے۔

جو لوگ مفہوم کی حجیت کے قائل نہیں ہیں وہ مفہوم شرط پر اسی آیت سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقام پر حکم مشروط ہے حالانکہ مفہوم شرط یقیناً ممنوع ہے (ترجمہ اپنی کنیزوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں) اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ رکھتی ہوں تو ان کو زنا پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ کسی کو زنا کے لئے مجبور کرنا ہر حالت میں ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ مفہوم شرط حجت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم شرط اس وقت حجت ہوتا ہے جب شرط لگانے میں مصلحت حکم کے علاوہ اور کوئی فائدہ ملحوظ نہ ہو لیکن جہاں شرط لگانے میں کوئی دوسرا فائدہ مدنظر ہو وہاں مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ اور اس مقام پر فائدہ یہ ہے کہ آقاؤں اور سرداروں کو غیرت اور حمیت کا درس دیا گیا ہے کہ جب عورت ناقص العقل ہو کر اور بالخصوص کنیز ہو کر اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرنا چاہتی ہو تو آزاد انسانوں کو بطریق اولیٰ اس کی عفت کی پاس خاطر کرنی چاہیئے اور ثانیاً آیت مجیدہ میں شرط حکم کے لئے نہیں بلکہ موضوع حکم کے لئے ہے کیونکہ جبر و اکراہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عورت عفت و پاک دامنی کی خواہاں ہو۔ ورنہ جب عورت خود زنا پر آمادہ ہو تو جبر و اکراہ متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہاں یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ کنیز اپنے مولا کی ملکیت میں داخل ہے۔ اور وہ اس سے منفعت حاصل کر سکتا ہے۔ شاید منفعت بھی اس کے لئے جائز ہو کہ کنیز سے حرامکاری کے ذریعے روپیہ کمالے اور یہ حرامکاری مالکوں کے فائدہ کی خاطر حرام قرار نہ دی جائے تو آیت مجیدہ میں اس احتمال کو رد کر دیا گیا ہے کہ زنا ہر ایک کے لئے حرام ہے اور اس کی کمائی کسی صورت میں جائز نہیں قرار دی جا سکتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنیزوں کی عفت کی صورت میں ان کو زنا پر مجبور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ہے دریچے کی سی جس میں چراغ ہو

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ

کہ چراغ ایک شیشے میں ہو وہ شیشہ ایسا ہو جس طرح ایک چمکدار ستارہ جلایا جائے

نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر وہ اپنے طور پر حرامکاری پر آمادہ ہوں تو اس کی نفی یا نہی پر آیت کی دلالت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی دلالت واضح ہے کیونکہ اگر اپنے طور پر ان کا یہ فعل جائز ہوتا تو مالکوں کو ان کے جبر و اکراہ سے نہ روکا جاتا کیونکہ جائز اور حلال کام کے لئے مالک اپنے غلاموں اور کنیزوں کو مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ ان کے بس میں ہو۔ پس مالکوں کو جبر و اکراہ سے روکنا کنیزوں کے لئے اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ لہٰذا جس طرح زنا آزاد عورتوں اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح غلام اور کنیزیں بھی زنا کی حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ عبداللہ ابن ابی بکر کی چھ کنیزیں تھیں اور وہ ان سے زنا کروا کے رقم کماتا تھا۔ جب زنا کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ عورتیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکوہ کیا۔ پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ یعنی اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور شادی کی خواہشمند ہوں تو ان کی شادی کرادی جائے اور ان کے لئے ایسے مواقع فراہم نہ کئے جائیں اور ایسے حالات پیدا نہ کئے جائیں کہ زنا میں مبتلا ہو جائیں۔ اور مالک کا اپنی کنیز کو شادی سے محروم کرنا بھی اس کی حرامکاری کا راستہ ہموار کرنے کے برابر ہے اور جب مولا کا اپنی کنیز کو حرام کے راستہ پر لگانا ممنوع ہے تو اس سے بدتر ہیں۔ وہ باپ یا بھائی یا اہل خاندان جو اپنی بیٹیوں بہنوں یا خاندان کی دوشیزاؤں کو شادی سے محروم کرکے ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ زنا اور حرامکاری پر مجبور ہو جائیں جس سے پورے خاندان کی عزت و آبرو خاک میں مل جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ دیوث کہلاتے ہیں جو اپنی یا اپنے خاندان کی لڑکیوں کے لئے زنا کے اسباب فراہم کریں اور ان کی بروقت شادی سے عمداً گریز کرکے اپنی بے غیرتی پر راضی ہوں۔

بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ۔ آیت مجیدہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ مالک اگر کنیزوں کو جبر و اکراہ سے زنا پر مجبور کرے تو خدا مجبور عورت کا جرم معاف کر دے گا لیکن مجبور کرنے والے مالکوں اور سرداروں کا یہ جرم قابل عفو نہ ہوگا۔

رکوع ۱۱ تاویل نور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ۔ آیت مجیدہ میں اس مقام پر مفسرین نے نور کے معنی میں مختلف آراپیش کی ہیں (۱) نور کا معنی ہدایت اور مراد ہادی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کا ہادی ہے (۲) نور کا معنی منوّر بصورت مجاز مرسل یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو چاند سورج اور ستاروں کے ذریعے روشنی بخشنے والا ہے (۳) نور کا معنی زینت اور مراد مزین ہے۔ یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو انبیاء و اولیاء کے وجود سے زینت عطا کرنے والا ہے، اور چونکہ

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا

(وہ چراغ تیل سے جو نکلا ہو) مبارک درخت زیتون سے کہ نہ شرقی ہو اور نہ غربی کہ اس کا تیل (بوجہ صفائی کے)

يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ

جلنے کے قریب ہو اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے نور ہے نور پر ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ

طرف جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے اور اللہ ہر شے کو جاننے

عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ

والا ہے ایسے گھروں میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کے بلند کرنے کا اور ذکر کیا جاتا ہے ان میں اسکا نام

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح اور شام ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

تجارت اور نہ سودا بازی اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ ﴿۳۷﴾

ڈرتے ہیں اس دن سے کہ بدلیں گے اس میں دل اور آنکھیں

خدا ہر نفع اور احسان و انعام کا فاعل حقیقی ہے۔ اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جس طرح کسی رحیم کو مبالغہ کے طور پر رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محسن و منعم پر نور کا مجازاً اطلاق عام عربوں کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ایک عرب کا شعر استشہاد میں نقل کیا گیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا نُوْرُ قَوْمٍ وَاِنَّمَا يُبَيِّنُ فِى الظُّلْمَاءِ لِلنَّاسِ نُوْرُهَا۔ یعنی تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم قوم کے لئے نور ہیں (یعنی ان کے محسن و منعم ہیں) اور اس میں شک نہیں کہ تاریکیوں میں لوگوں کی راہنمائی نور کیا کرتا ہے (یعنی ہم قوم کی ہر مشکل و مصیبت میں ان کی دستگیری کرتے ہیں۔ پس قوم کے لئے مصائب و آلام کی تاریکیوں سے نجات پانے کیلئے ہمارا وجود نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ ۔ یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور ہے یعنی ان کو کتم عدم سے نکال کر زیور وجود سے آراستہ کرنے والا ہے اور ظلمت جہالت سے نکال کر بقعۂ نور ہدایت کی طرف لانے والا ہے اور جس طرح ظاہری طور پر شمس و قمر و ستارگان کے ذریعے سے اس نے عالم کو اُجالا کیا۔ اسی طرح معنوی اور روحانی طور پر انبیا و مرسلین اور اوصیاء طاہرین کے ذریعے سے اس نے ظلمت ہائے کفر و شرک کو مٹانے کے لئے عالم کو نور ایمان سے تابناک بنانے کا انتظام فرمایا۔ پس اس کے نور کی مثال جس کے ذریعے سے عالم وجود بقعۂ نور بنا۔ مثل ایک مشکوٰۃ کے ہے۔ اس جگہ نور سے مراد ایمان یا قرآن یا ذات بابرکات حضرت محمد مصطفیٰؐ ہے اور چوتھا قول یہ بھی ہے کہ نور سے مُراد وہ براہین ساطعہ اور ادلّہ قاطعہ ہیں جو احقاق حق کے لئے باطل کے جملہ پردوں کو چاک کر دیں اور انسانی قلوب میں قندیل ایمان کو روشن کر دیں اور پانچواں قول یہ ہے کہ ہدایت پانے کے بعد اطاعت گذار مومن کی اطاعت کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تیسرا قول یعنی ذات رسالتمآبؐ کا مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں باقی چار اقوال بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

کَمِشْکٰوۃٍ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ رومی زبان سے عربی کی طرف لایا گیا ہے اور بعضوں نے اس کو عربی بھی کہا ہے بہرکیف اس سے مُراد دیوار میں چراغ رکھنے کا وہ جالا ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو اور پیچھے کی طرف سے چراغ اندر رکھنے کا راستہ الگ بنایا گیا ہو۔

کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ ۔ یہ دُر کی طرف منسوب ہے۔ یعنی صاف و شفاف موتی کی طرح چمکنے والا ستارہ۔

مِنْ شَجَرَۃٍ ۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی مِنْ زَیْتِ شَجَرَۃٍ

مُبٰرَکَۃٍ ۔ زیتون کے درخت کو اس لئے مبارک کہا ہے کہ یہ کثیر المنفعت درخت ہے۔ حتٰکہ اس علاقہ کو بھی بابرکت کہا گیا ہے جس میں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتا ہے چنانچہ مسجد اقصیٰ کے علاقہ کے متعلق فرمایا بَارَکْنَا حَوْلَہٗ اور فی الجملہ اس کے فوائد یہ ہیں۔ (۱) اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے (۲) اس کے ساتھ روٹی کھائی جا سکتی ہے (۳) گھی کی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے (۴) اس کا رنگ اچھا ہوتا ہے (۵) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے (۶) اس کا کوئلہ اچھا بنتا ہے (۷) اس کی راکھ سے ریشم صاف کیا جاتا ہے (۸) اس کے تیل نکالنے میں آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مقام پر زیتون کی قید اس فائدہ کے ماتحت ہے۔ کہ اس کے تیل سے جو چراغ جلتا ہے اس کی روشنی صاف اور تیز ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد یہ پہلا درخت ہے جو زمین پر اُگا اور جس زمین میں یہ درخت اُگا اس کو انبیاء کا مسکن قرار دیا گیا۔

لَاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ ۔ یعنی نہ اس پر مشرق کی طرف سے کوئی سایہ پڑتا ہے اور نہ مغرب کی جانب سے بلکہ صبح و شام دھوپ میں رہتا ہے کیونکہ زیتون کا وہ درخت جو سایہ میں ہو اس کا تیل صاف نہیں ہوتا۔

پس آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے جو نور ہدایت خلق کے لئے معین فرمایا ہے وہ مثل اس صاف و شفاف چراغ کے ہے جو دیوار کے جالے کے اندر ایک صاف شیشے کے پیچھے رکھا ہوا ہو جس کی روشنی موتیوں کی طرح چمکنے والے آسمانی ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو جس پر شرقی یا غربی کوئی سایہ اثر انداز نہ ہوا ہو۔

تاویل آیت

آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق متعدد اقوال ہیں (۱) مَثَلُ نُوْرِہٖ۔میں نور سے مراد نور ہدایت ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل اللہ سبحانہ نے اپنے نور کا ذکر فرمایا (کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے یعنی ان کا موجد خالق اور مُدبّر وغیرہ ہے) پھر اس کے نور کی مثال یعنی وہ شمع ہدایت جو اس نے مومن کے دل میں روشن کی ہے وہ دیوار کے جالے کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہو اور اس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو پس مومن کا باطن مشکواۃ ہے اور اس کا دل شیشہ ہے اور چراغ وہ نور ہدایت ہے جو اس شیشۂ قلب سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور وجود مومن شجر مبارک ہے جس پر مشرق و مغرب کی ہوائیں اور شعاعیں (تہذیبیں) اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہتا ہے اور وہ نور ہدایت جو اس کے کاشانۂ دل کو منور کئے ہوئے ہے وہ اپنی ضیا پاشیوں میں مصروف عمل ہوتا ہے اگرچہ اس کی زبان پر مہر سکوت ہی کیوں نہ ہو۔ نور علی نور یعنی فریضہ کے بعد فریضہ اور سنت کے بعد سنت جاری ہے۔ اور اللہ اپنے فرائض اور سنتوں کی طرف جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور یہ مثال اللہ نے مومن کے لئے بیان کی ہے۔ پس مومن کے پانچ نور ہیں۔ (۱) مَدْخَلُہٗ النُّوْر۔ یعنی جس کام میں گھستا ہے وہ نور ہوتا ہے۔ گویا مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ ظلماتی کاموں میں داخل ہو بلکہ وہ ہدایت خداوندی اور توفیق حق کے ماتحت ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور نور و ہدایت کی طرف قدم بڑھا کر دوسروں کیلئے مشعل راہ بنتا چلا جاتا ہے (۲) مَخْرَجُہٗ النُّوْر۔ اس کا مقصد بھی پہلے فقرہ کی طرح ہے یعنی جس کام سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ یعنی ایسی باتوں اور ایسے اُمور سے گریز کرتا ہے جو خدا کے پسندیدہ نہ ہوں گویا ہر حرام اور گناہ سے بچنا ہے۔ پس ایسے اعمال کرتا ہے جن کا کرنا نور ہے۔ اور ایسے اعمال سے بچتا ہے جن سے بچنا نور ہے (۳) وَعِلْمُہٗ نُوْرٌ یعنی مومن کا علم اس کے لئے باعث نور و ہدایت ہے گویا وہ علم کو کسب معاش یا تکمیل خواہشات کا ذریعہ نہیں بناتا بلکہ وہ علم کو زینۂ رضائے پروردگار قرار دے کر خود بھی اس پر عامل ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اس کا علم و عمل دعوت حق کا عَلَم بردار ہوتا ہے۔ (۴) وَکَلَامُہٗ نُوْرٌ۔ یعنی مومن کے کلام میں ظلماتی پہلو کوئی نہیں ہوتا چونکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان ہدایت کی ترجمان ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے جملے منہ سے نہیں نکالتا جو عوام کے لئے گمراہی کے موجب ہوں بلکہ اس کا بیان اُمور حق کا ترجمان اور ناموس شریعت کا پاسبان ہوتا ہے (۵) وَمَصِیْرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَی الْجَنَّۃِ نُوْرٌ۔ یعنی بروز محشر اس کا جنت کی طرف جانا نور ہے۔ اس حدیث شریف میں نور کی بھی خوب وضاحت ہو گئی (۱) نیکی کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں نیکی کو ترک کرنا ظلمت (۲) بُرائی کو چھوڑنا نور اور اس کے مقابلہ میں برائی کرنا ظلمت (۳) نیکی و بدی میں تمیز کرنے اور نیکی کے بجالانے نیز برائی سے بچنے کے لئے رضائے حق کی خاطر علم کا حاصل کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں صرف جہالت ہی ظلمت نہیں بلکہ ہر وہ علم جو نیت بد سے حاصل کیا جائے یا ترویج باطل اور تردید حق کا اس سے ناجائز فائدہ لیا جائے یا کسب معاش و تکمیل شہوات کا اس کو ذریعہ قرار دیا جائے وہ بھی ظلمت ہے (۴) زبان سے جاری کردہ بیان اگر حق و ہدایت کو اپنے دامن

میں لئے ہوئے ہے تو نور ہے ورنہ ظلمت (۵) بیان کردہ ہر چہار اوصاف مومن جن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے ان کی جزا جنت ہے اور وہ نور ہے۔ گویا دنیا میں نیکی کرنا نور ہے اور آخرت میں نیکی کی جزا جنت نور ہے۔ اور اس حدیث شریف کی روشنی میں انبیاء و اوصیاء نور ہیں اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پوری کائنات میں نور کل ہیں۔ حتیٰ کہ سب انوار کے لئے ان کے انوار طیبہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نور کی ابتدا میں ہم نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے زیادتی معرفت کی راہیں ہموار کی ہیں۔ جن کے دل تعصب و عناد کے پنجروں میں مقید نہیں ہیں۔

دوسری تاویل مَثَلُ نُوْرِہٖ میں نور سے مراد ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہے پس آپ کا سینہ جو گنجینۂ علوم الٰہیہ ہے۔ مشکوٰۃ ہے اور آئینہ آپ کا قلب باصفا ہے اور مصباح آپ کی رسالت و نبوت ہے جس پر شرق و غرب کی شعاعیں اثر انداز نہیں۔ یعنی یہودیت و نصرانیت سے متاثر نہیں اور آپ کی نبوت ایک شجرۂ مبارکہ سے پھوٹ رہی ہے۔ جو شجرۂ نسل ابراہیمؑ ہے اور کردارِ محمدیؐ خود سجود لوگوں کے لئے ایک بیان واضح ہے۔ اگرچہ وہ خود زبان سے خاموش ہی کیوں نہ رہیں جس طرح زیتون کا صاف تیل آگ چھوئے بغیر جلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعضوں نے مشکوٰۃ سے مراد حضرت ابراہیم اور زجاجہ سے مراد حضرت اسمٰعیل اور مصباح سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم لیا ہے۔ اور شجرۂ مبارکہ نسل ابراہیم ہے کیونکہ اکثر انبیاء ان کی صلب سے پیدا ہوئے اور وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ نصرانی ہے نہ یہودی کیونکہ نصاریٰ مشرق کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یہودی مغرب کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ کے وجود ذی جود سے محاسن و کمالاتِ نبوت پھوٹ پھوٹ کر دنیا کو منور کر رہے تھے۔ اگرچہ ابھی تک ان کے ساتھ وحی کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ یہی نسل نبوت سے ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت عبد المطلب ہیں اور زجاجہ سے مراد حضرت عبد اللہ ہیں اور مصباح سے مراد خود حضرت رسالت مآبؐ ہیں نہ آپ شرقی ہیں نہ غربی بلکہ مکی ہیں اور مکہ دنیا کا وسط ہے۔ (مجمع البیان)

تیسری تاویل تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم مشکوٰۃ ہیں اور مصباح حضورؐ ہیں۔ اور اللہ ہماری ولایت کی طرف ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بروایت توحید ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مشکوٰۃ سینۂ نبوی ہے اور مصباح سے مراد علوم نبوت ہیں اور زجاجہ حضرت علی علیہ السلام کا سینہ ہے کہ علوم نبوت حضورؐ کے سینہ سے حضرت علی کے سینہ تک پہنچے۔ پس علی کا علم ایک شجرۂ مبارکہ علمیہ سے پھوٹتا ہے۔ جس پر نصرانیت و یہودیت اثر انداز نہیں ہے۔ پس وہ نہ شرقی ہے نہ غربی اور یَکَادُ زَیْتُهَا الخ کا مقصد یہ ہے کہ آل محمد کے عالم کی زبان دُرفشاں سے مقاصدِ علمیہ اور مطالب عرفانیہ ہر وقت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اور سائل کے سوال سے پہلے وہ اس کا دامن اپنے فیوض علمیہ سے بھر دیا کرتے تھے اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ آل محمد میں امامت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ پس ایک امام کے بعد دوسرا امام آتا رہے گا اور ہدایت خلق کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیام قیامت مسلسل جاری و ساری ہے

گا۔ پس یہ وہ اوصیاء ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنی زمین کا خلیفہ مقرر فرمایا اور اپنی مخلوق پر ان کو حجت قرار دیا کہ کسی زمانہ میں زمین ان کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتی اور جناب رسالتمآبؐ کے ایک مدحیہ قصیدہ میں حضرت ابوطالب نے ایک شعر میں اسی مطلب کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اَنْتَ الْاَمِیْنُ مُحَمَّدٌ قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ

تو محمدؐ امین ہے نورانی چہرے والا سید و سردار ہے

مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ لَمْ یَزَلْ فِیْنَا وَصِیٌّ مُرْشِدٌ

آگے چل کر فرمایا۔ آدم سے لے کر ہمیشہ ہم میں ایک وصی ہدایت کنندہ ہوتا چلا آیا ہے

صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں ذکر ہونے والے شجرہ مبارکہ سے مراد تقویٰ و رضوان اور ہدایت و ایمان کا درخت ہے جس کی اصل نبوت فرع امامت ٹہنی تنزیل اور پتے تاویل اور اس کے خدمتگار جبریل و میکائیل ہیں

چوتھی تاویل

تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ نے مومنوں کی بیان فرمائی ہے کہ مومن کا نفس مشکوٰۃ اس کا دل شیشہ اور ایمان و قرآن کی جو قندیل اس کے دل میں روشن ہے وہ مصباح ہے جو اخلاص کے شجرہ مبارکہ سے منور ہے جس طرح گھنے سرسبز درختوں کے جھنڈ کو مشرق و مغرب کی دھوپ متاثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح راسخ الایمان مومن کے ایمان کو فتنہ و فساد کی تیز و تند دھوپ اور شرق و غرب بلکہ ہر چہار طرف سے ابھرنے والے لادینی کے بے پناہ طوفان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے پس وہ چہار خصلتوں میں زندگی گذارتا ہے (۱) اگر اسے کچھ عطا ہو تو شکر گذار ہوتا ہے (۲) اگر آزمائش میں مبتلا ہو تو صابر ہوتا ہے (۳) اگر حکم کرے تو عدل اس کا مطمح نظر ہوتا ہے (۴) اور اگر بات کرے تو سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا وہ عام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی زندہ قبرستان میں چل پھر رہا ہو پس وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہے کہ اس کا کلام نور اس کا علم نور اس کا مدخل و مخرج نور اور بروز قیامت اس کی بازگشت نور ہے (اس آخری فقرہ کی تشریح تاویل نمبر ۱ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

پانچویں تاویل

حسن بصری سے منقول ہے کہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے کہ مومن کا دل شیشہ اور اس کی زبان مشکوٰۃ ہے اور شجرہ مبارکہ وحی ربانی ہے۔ اور قرآن کی دلیلیں واضح و روشن ہیں اگرچہ اس کی کوئی تلاوت نہ بھی کرے یا یہ کہ اللہ کی طرف سے بیان کردہ ادلّہ و براہین اس کی مخلوق پر واضح و آشکار ہیں بشرطیکہ تدبر و تفکر سے کام لیا جائے اگرچہ قرآن نہ بھی نازل ہوتا یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ الخ اور یہ نور علیٰ نور ہے یعنی دیگر فطری و نفسیاتی و عقلی دلیلوں کے بعد قرآن کا وجود نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔

چھٹی تاویل

حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت علی سے لے حضرت مہدی علیہ السلام تک ان کے بارہ اوصیائے طاہرین علیہم السلام اس کے تاویلی مصداق ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنی انگلی کے ساتھ کچھ لکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں میں نے عرض کی حضور! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اس

کی کمالِ معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے عرض کی حضور! وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے آیت نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت یہ کی کہ مشکوٰۃ حضرت محمد مصطفےٰ ہیں۔ فِيهَا مِصْبَاحٌ داقول۔ اس لفظ کا مصداق آپ نے نہیں بتایا غالباً بوقت بیان یہ لفظ پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے اپنی ذات مراد لی ہو) پس آگے چل کر فرمایا المصباح فی زجاجۃ۔ زجاجہ سے مراد حسین و حسن علیہما السلام ہیں کوکب دری علی بن الحسین (زین العابدین علیہ السلام) ہیں۔ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ۔ حضرت محمد بن علی (الباقر) علیہ السلام ہیں۔ زَيْتُونَةٍ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ لَا شَرْقِيَّةٍ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام وَلَا غَرْبِيَّةٍ حضرت امام علی رضا علیہ السلام يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں۔ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ حضرت امام قائم مہدی علیہ السلام ہیں۔ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یعنی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے)

بیوت کی تفسیر

فِي بُيُوتٍ مشکوٰۃ کی صفت ہے۔ یعنی وہ نور جس کی مثال مشکوٰۃ سے دی گئی ہے وہ ایسے گھروں میں ہے جن کے بلند کرنے اور ان کی عزت و احترام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جن میں صبح و شام اللہ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ایسے بندے اس کا ذکر و تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور اس دن کا خوف کرتے ہیں جس دن دلوں اور آنکھوں میں انقلاب رونما ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس اور حسن بصری کا قول منقول ہے کہ ان گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ اور گذشتہ بعض تاویلات آیت بھی اس کی شاہد ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ اَلْمَسَاجِدُ بُيُوتُ اللهِ فِي الْاَرْضِ وَهِيَ تُضِيْءُ لِاَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِيْءُ النُّجُوْمُ لِاَهْلِ الْاَرْضِ۔ یعنی مساجد زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عام مساجد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جن کو انبیاء نے تعمیر کیا ہے (۱) کعبہ جس کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر فرمایا (۲) بیت المقدس جس کو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بنایا اور مدینہ میں مسجد نبوی اور مسجد قبا جن کی تعمیر حضرت رسالتمآبؐ کے ہاتھوں ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد بیوت انبیاء ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ پڑھی گئی تو کسی نے آنحضرتؐ سے ان گھروں کے متعلق سوال کیا جن کا آیت میں ذکر ہے تو آپ نے فرمایا ان سے مراد انبیاء کے گھر ہیں پس ابوبکر نے کھڑے ہو کر حضرت علی و بتول علیہما السلام کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا الْبَيْتُ مِنْهَا کہ کیا یہ گھر بھی ان میں سے ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ نَعَمْ مِنْ اَفَاضِلِهَا۔ ہاں یہ ان میں سے ہے نہیں بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے۔ اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت تطہیر اس قول کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ آیت میں اہل بیت یعنی گھر والوں کی تطہیر کا ذکر ہے اور اللہ نے ان گھروں کی جس بلندی کا اذن دیا ہے اس بلندی سے مراد تعظیم اور ہر رجس سے پاکیزگی اور گناہوں کی ہر میل و کثافت سے طہارت و علیحدگی ہے اور بعض علماء نے اس مقام پر رفع سے مراد یہ لیا ہے کہ ان کے گھروں میں جا کر ان کے وسیلہ

سے اللہ کی طرف اپنی حاجات کو بلند کرو۔

تفسیر صافی و برہان ہیں بروایت کافی منقول ہے۔ ایک دفعہ قتادہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میں بہت سے فقہار کے سامنے بیٹھتا رہا ہوں لیکن مجھے کبھی کسی عالم و فقیہ کے سامنے اتنی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی جس طرح آپ کے سامنے بیٹھنے سے مجھے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ کہاں بیٹھا ہے تو اس وقت ان بیوت میں ہے جن کی تعظیم و اجلال کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہم ان کے مصداق ہیں۔ قتادہ فوراً کہنے لگا واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ بخدا میں آپ کے قربان جاؤں وہاں گارے اور پتھروں کے گھر مراد نہیں ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ۔ تفسیر برہان ہیں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے کہ ایک دفعہ بروز جمعہ دحیہ کلبی ملک شام سے کچھ مال لایا اور لوگوں کی اطلاع کے لئے شہر سے باہر ڈیرہ جما کر ڈھول طبل بجانے شروع کئے۔ اس وقت حضرت رسالت مآبؐ مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے لئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پس طبل کی آواز سنتے ہی لوگوں نے جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مسجد خالی ہوگئی۔ مردوں میں سے صرف حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ سلیمان ابوذر مقداد اور صہیب اور عورتوں میں سے صرف جناب فاطمہ زہرا بچ گئیں۔ پس نہ کوئی ان کے علاوہ مرد رہا اور نہ عورت۔ سب کے سب حضورؐ کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر بعض خرید و فروخت کے لئے اور بعض تماشائی صورت بنا کر چلے گئے اور سورہ جمعہ میں انہی لوگوں کی مذمت ہے۔ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا الخ۔ پس حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری مسجد پر نظر کی ہے۔ اگر یہ آٹھ آدمی نہ ہوتے تو قوم لوطؑ کی طرح پورے شہر پر عذاب خداوندی نازل ہوتا۔ اور ان پر آگ اور پتھروں کی بارش نازل ہوتی۔ پس آٹھ آدمیوں کے حق میں یہ آیت اتری۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ۔ الخ۔ تفسیر صافی میں مروی ہے۔ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تاجر کے متعلق احوال پرسی کی تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن سلسلہ تجارت کو اس نے خیرباد کہہ دیا ہے آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا عَمَلُ الشَّيْطَانِ یعنی شیطان کامیاب ہوگیا۔ کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضور رسالت مآبؐ نے شام سے آنے والے قافلہ سے مال تجارت خریدا اور نفع کما کر اپنے قرضے ادا کئے اور قرابت داروں کی امداد بھی کی اور خدا نے ایسے لوگوں کی ہی تعریف فرمائی ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت و خرید و فروخت۔ ذکر خدا اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور جو قصہ خواں لوگ کہتے ہیں کہ وہ تجارت نہیں کرتے تھے۔ جھوٹے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ نماز کو اپنے صحیح اوقات سے نہیں چھوڑتے تھے۔ اور یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں جو تجارت کو سرے سے ترک کر کے نماز میں حاضر ہوں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا۔ یعنی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ آنکھوں اور دلوں کے حالات میں انقلاب و تبدیلیاں واقع ہوں گی دلوں پر انقلاب یہ ہوگا کہ وہ جنت کے طمع اور جہنم کے خوف کے اندر کشش و پیچ میں پڑے ہوں گے اور آنکھوں میں تقلب یہ ہوگا کہ وہ دائیں بائیں اپنے اعمالنامہ کی آمد کے منتظر ہوں گے اور متفکر ہوں گے کہ ہمیں کس طرف سے پکڑا جاتا ہے یا یہ کہ دل حنجروں تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں گی یا یہ کہ دل شکوک کی منزل سے نکل کر یقین تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور آنکھیں جن چیزوں کو جھٹلاتی تھیں ان

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

تاکہ ان کو جزا دے اللہ بہتر اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور زیادہ دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ رزق

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ

دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے عمل مثل سراب کے ہیں

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ

جو کھلے میدانوں میں ہو جس کو سمجھے پیاسا آدمی پانی یہانتک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو اسے کچھ نہ پائے اور پائیگا

اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ

اللہ کو اپنے عمل کے پاس پس وہ پورا دے گا اس کو حساب اس کا اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یا مثل ان تاریکیوں کے ہے

کو صحیح پائیں گی پس دنیا میں جو شکی ہوگا وہاں اسکا شک یقین میں تبدیل ہوگا اور جو دنیا میں عالم ہوگا آخرت میں اس کی بصیرت میں اضافہ ہو جائے گا۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ۔ لام کا متعلق محذوف ہے یعنی وہ لوگ جو اس قسم کے اعمال حسنہ اس لئے بجا لاتے ہیں تاکہ ان کو اللہ اپنے حسن عمل کی جزا دے اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ انعام و اکرام سے ان پر نوازش کرے پس ایسے لوگ دنیا و دین دونوں کے لحاظ سے نفع مند ہوں گے کیونکہ اللہ ان کو رزق بھی بے حساب دیتا ہے اور آخرت کی بازی بھی وہ جیت جاتے ہیں لیکن جو لوگ تجارت یا دیگر نفسی خواہشات کی بنا پر عبادات کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے رزق مقدر سے تو بڑھ نہیں سکتے اور آخرت کو سرے سے برباد کر بیٹھتے ہیں۔

اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ۔ سراب اور آل میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ کہ سراب سفید چٹیل میدان یا ریگزار صحرا کی اس چمک کا نام ہے جو دوپہر یا اس کے بعد دھوپ پڑنے سے اس میں پیدا ہو کہ دور سے آتے ہوئے آدمی کو پانی دکھائی دے حتیٰ کہ ارد گرد کے درختوں کے سائے بھی اس میں نظر آئیں۔ اور آل اس چمک کا نام ہے جو زمین سے اوپر کی فضا میں ایک پانی کا دریا دکھائی دے اور یہ تقریباً دوپہر سے قبل ہوا کرتی ہے۔ اور بعض استعمالات میں میدانی و ریگستانی صحرائی چمک جو آب نما ہو۔ اس پر سراب کا اطلاق ہوا ہے اور دامن کوہ میں سنگریزہ زار و سنگلاخ زمین کی آب نما چمک کو آل کہا گیا ہے۔ اور یہ دونو لفظیں ایک دوسرے کے متبادل بھی استعمال ہوتی ہیں۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ان کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے وہ اعمال جن کو وہ نیک اعمال سمجھتا تھا بروز محشر وہ ان کی جزا کا خواہشمند ہوگا اور پیاسے انسان کی طرح ان کی طرف دوڑے گا لیکن نتیجہ میں سراب کی طرح ان کی جزا کچھ نہ پائے گا کیونکہ وہ حبط ہو چکے ہوں گے اور

فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ ۢ

جو ایک گہرے سمندر میں ہوں جس میں موج پر موج پڑ رہی ہو اور اوپر بادل چھایا ہوا ہو ایکدوسرے کے اوپر تاریکیاں

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰٮهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ

ہوں جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے اسے اور جس کو اللہ راہِ نجات نہ دے

حبط کا معنی مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ فرمایئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل نیک میں کسی خاص خامی کی وجہ سے اس کا قابل جزا نہ رہنا حبط کہلاتا ہے اور جس طرح یہاں انسان سراب کے قریب پہنچ کر مایوس ونا کام پلٹتا ہے۔ کافر بھی مایوس ہوگا اور جب اللہ کے پاس پہنچے گا تو اپنا حساب پورا لے گا۔ اس کی نیکیاں تو سراب کی طرح کچھ نہ ہوں گی۔ پس غلطیوں کی سزا میں جہنم رسید ہوگا اور کافر کے وہ اعمال جو اس کی نظر میں اعمالِ بد تھے۔ وہ بروز محشر گھٹا ٹوپ تاریکیوں کی مثل پائے گا۔ کہ ان سے گلو خلاصی مشکل ہوگی۔ ایک اعمالِ زشت کی تاریکی دوسری اس کے کفر والحاد کی تاریکی اور تیسرے توبہ نہ کرنے اور سرکش ہو کر مرنے کی تاریکی اور پھر میدان محشر میں سختی عذاب کی تاریکی اور نتیجہ میں جہنم کی دائمی تاریکی جس سے نجات نہ پاسکے گا۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کی تاویل دشمنانِ آلِ محمدؐ کے حق میں ہے۔ جس طرح آیتِ سابقہ کی تاویل محمدؐ و آلِ محمدؐ اور ان کے محبوں کے حق میں ہے۔ چنانچہ ظلمات سے مراد اول اور موج سے مراد ثانی اور موج بالائے موج سے مراد ثالث اور اوپر کی تاریکی امیر شام اور حکومتِ اموی کے وہ مظالم کہ مومن ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور اس صورت میں نور کی تاویل امام ہوگا۔ یعنی جس کو خدا اولادِ فاطمہ سے امام کی معرفت کی توفیق نہ دے اسے قیامت تک امام حق ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی قسم کی تاویل تفسیر قمی سے بھی منقول ہے۔

لطیفہ تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے منقول ہے۔ ایک دفعہ شاہ روم نے معاویہ کی طرف چند مسائل دریافت کے لئے بھیجے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ لاشی کسے کہتے ہیں؟ امیر شام حیران تھا کہ عمرو بن عاص نے مشورہ دیا ایک عمدہ گھوڑا فروخت کے لئے علی کے لشکر کی طرف بھیج دیجئے۔ جب قیمت دریافت کریں تو کہا جائے اس کی قیمت لاشیٔ ہے۔ پس مسئلہ حل ہو جائے گا چنانچہ معاویہ کا غلام گھوڑا لے کر آیا حضرت امیر علیہ السلام قنبر کو ساتھ لئے ایک مقام پر کھڑے تھے۔ آپ نے قنبر سے فرمایا کہ شامی سے گھوڑا خرید لو۔ جب قنبر نے قیمت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت ہے لاشیٔ آپ نے فرمایا اس سے گھوڑا لے لو۔ اس نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیابان کی طرف لے جاکر سراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تیرے گھوڑے کی قیمت ہے۔ لاشیٔ لے لو اور بھاگ جاؤ۔ جب اس نے معاویہ کو مطمئن کرنے کے لئے دلیل پوچھی تو آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کہ خدا نے قرآن مجید میں سراب کو لاشیٔ قرار دیا ہے۔

لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ

اس کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے — کیا دیکھتے نہیں ہو تحقیق اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

زمین میں ہے اور پرندے پر کھول کر تحقیق ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے اور اللہ جانتا ہے وہ جو

بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾

وہ کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور اللہ کی طرف بازگشت ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى

کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تحقیق اللہ ہانکتا ہے بادل کو پھر جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہ بہ تہ

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِن جِبَالٍ فِيهَا

پس دیکھتے ہو بارش کو نکلتی ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں سے جو اس میں ہیں

(۲) کتاب مذکورہ میں اختصاص مفید سے منقول ہے ایک شخص نے ابو حنیفہ سے لاشی کا معنی دریافت کیا تو اُس نے ایک خچر اسے دیکر امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف لبغرض فروخت بھیج دیا کہ اس کی قیمت لاشی وصول کرنا آپ نے خچر رکھ لیا۔ اور فرمایا ابو حنیفہ سے کہنا قیمت صبح کو وصول کرلے جب صبح کو ابو حنیفہ خدمت امام میں وصولی قیمت کے لئے حاضر ہوا تو سوار ہو کر آپ اسے صحرا کی طرف لے چلے جب سُورج بلند ہوا اور میدان میں سراب کی لہر دوڑی۔ آپنے فرمایا ابو حنیفہ یہ کیا چیز ہے تو اس نے کہا کہ پانی ہے پھر جب آگے بڑھے تو اسے کچھ نہ پایا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے خچر کی قیمت ہے۔ پس آپ نے آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا لاشی کا معنی سراب ہے۔ ابو حنیفہ نادم و پشیمان واپس پلٹا کیونکہ اس نے خچر پر دس ہزار درہم خرچ کئے تھے

رکوع ۱۲

وَالطَّيْرُ۔ یعنی ہر چیز پروردگار کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور ذوی العقول کے علاوہ ہر چیز کی تسبیح ان کا عجز و حدوث ہے۔

قَدْ عَلِمَ۔ عَلِمَ کا فاعل ضمیر جو اللہ کی طرف راجع ہے قرار دی جائے تو معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور اگر اس کا فاعل ضمیر ہو جو راجع کل کی طرف ہے تو معنی یہ ہو گا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز نے اپنی نماز و تسبیح کا انداز جان لیا ہے پس ہر چیز تسبیح و نماز میں مصروف ہے۔

رُكَامًا۔ یعنی مُتَرَاكِمًا جس کا معنی ہے تہ بہ تہ۔ مِن جِبَالٍ۔ یہ مِنَ السَّمَاءِ سے بدل ہے اور فِيهَا جار و مجرور کا متعلق

مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ

کچھ اولے پس ہلاک کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے قریب ہے کہ بجلی کی

يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

چمک ختم کر دے آنکھوں کو تبدیل کرتا ہے اللہ رات اور دن کو تحقیق اس میں عبرت ہے صاحبان

لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ ۖ فَمِنْهُمْ

بصیرت کے لئے اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والی چیز کو پانی سے پس بعض ان میں سے

کے متعلق جبال کی صفت ہے۔ مِنْ بَرَدٍ جار و مجرور کائنۃ محذوف کے متعلق دوسری صفت ہے یعنی من جبالٍ سماویۃٍ مِنْ جِهَۃٍ اور يُنَزِّلُ کا مفعول محذوف ہے بَرَدًا یعنی خدا آسمان میں یا جہت علویہ میں ہونے والے برفانی تودوں سے اولے برساتا ہے كُلَّ دَابَّةٍ۔ آیت مجیدہ میں جنوں اور فرشتوں کے علاوہ تمام ذی روح مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ سب پانی یعنی نطفہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

عظمتِ پروردگار خداوند کریم نے آیات مجیدہ میں اپنی عظمت وجلالت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کے سامنے اپنے حال وحیثیت کے لحاظ سے سجدہ ریز اور اس کی ثنا ومدح میں رطب اللسان ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اللہ کی قدرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ پوری روئے زمین پر وہ نہ سما سکیں گے اور جن وانسان اس کی حدود کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور نہ اس کی پوری تعریف کر سکیں گے۔ پس ایسے فرشتے کے پورے جسم کی کیا تعریف کی جا سکے گی جس کے کندھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو برس کی راہ ہو اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا صرف ایک پر زمین وآسمان کی درمیانی فضا کو پر کر دے گا اور بعض ایسے ہیں کہ اگر سیدھے کھڑے ہوں تو سارے آسمان اس کی کمر کے نیچے رہ جائیں گے اور بعض ایسے ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ پر ہیں اور زمین کی موٹائی اس کے گھٹنوں سے نہیں بڑھ سکتی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے انگوٹھے کے ناخن پر پوری دنیا کا پانی ٹھہر سکتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کے آنسوؤں کے پانی میں پوری دنیا کے جہاز ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہیں تو اس کا کنارہ نہ پا سکیں گے۔ اسی طرح آپ نے حجاب ہائے قدرت کی عظمت وکثرت کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت اور ان میں ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچسو برس کا سفر ہے پھر سرادقات کا ذکر کیا مثلاً سرادق جلال سرادق عزّ سرادق کبریا سرادق عظمت سرادق قدس سرادق جبروت سرادق فخر سرادق نور ابیض اور آخر میں سرادق وحدانیت اور ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچسو برس کی مسافت سے کم نہیں۔ الخ

مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ

چلتے ہیں اپنے پیٹ پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں

يَّمۡشِىۡ عَلٰٓى اَرۡبَعٍ‌ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۵﴾

چار پر پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

لَـقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۶﴾

تحقیق ہم نے اتاریں نشانیاں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف

وَيَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوۡلِ وَاَطَعۡنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ

اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت مان لی پھر روگردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حاملین عرش آٹھ ہیں اور ہر ایک کی آٹھ آٹھ آنکھیں ہیں کہ ایک آنکھ پوری دنیا کے برابر ہے۔

بروایت برسی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملازمین وعملہ کا یومیہ خرچ سات کُر غلہ تھا۔ دریائی جانوروں میں سے ایک نے آپ سے ایک دن کی دعوت کا مطالبہ کیا جو آپ نے منظور فرمایا اور دریا کے کنارے ایک ماہ تک غلہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہو گیا پس ایک دریائی جانور یعنی مچھلی نے سر باہر نکالا اور سب کو ایک نوالہ بنا کر ہڑپ کر لیا اور سلیمان عؑ سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا آپ نے فرطِ حیرت سے دریافت کیا کہ سمندر میں تیری طرح کا کوئی اور جانور بھی ہے تو اس نے کہا ایک نہیں بلکہ ہزار۔ پس حضرت سلیمان عؑ نے تسبیح پروردگار اپنی زبان پر جاری کی۔ نیز مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اگر تمام اہلِ آسمان وزمین مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کا مطلوب دے دوں اور ہر ایک کو پوری دنیا کا ستر گنا زیادہ دوں تب بھی میری عظمت میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی اور یہ اس طرح ہوگا جس طرح بھرے سمندر میں سے کوئی شخص نوکِ سوزن کو ڈبو کر باہر نکال لے تو سمندر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

مَنۡ يَّمۡشِىۡ۔ یعنی زمین پر چلنے والے بعض جانور اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ اور دوسرے بعض حشرات الارض اور بعض کے دو پاؤں ہیں جیسے انسان اور پرندے اور بعض کے چار پاؤں ہیں۔ جیسے چوپائے اور جنگلی درندے وغیرہ لیکن بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے زیادہ پاؤں رکھتے ہیں اور آیت میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا تو اس لئے کہ یہاں حصر مراد نہیں بلکہ تمثیل مراد ہے یا اس لئے کہ فلاسفہ نے تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ جن حشرات الارض کے پاؤں چار سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت ان کے جسم کا اعتماد صرف چار پر ہوتا ہے اور باقی صرف نمائش اور دکھلاوے کے لئے ہیں اس لئے صرف چار

ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

اس کے بعد اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ

درمیان حکم کرے تو ان کا ایک فریق اعراض کرتا ہے اور اگر فیصلہ حق ان کے حق میں ہو تو اطاعت کرتے

يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

ہوئے جلدی آجاتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا ان کو شک ہے یا ڈرتے ہیں کہ اللہ ان

اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع ۱۲

پر ظلم کرے گا یا اس کا رسول ؟ بلکہ وہی ظالم لوگ ہیں

پاؤں والے جانوروں میں ان کا شمار ہوسکتا ہے۔ اور دابہ کا اطلاق ہر زمین پر چلنے والی چیز پر ہوتا ہے۔ خواہ ذوی العقول میں سے ہو یا غیر ذوی العقول میں سے ہو لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مَن کا استعمال کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے مختص ہے۔

ایمان کا امتحان

اِذَا دُعُوْٓا۔ تفسیر صافی و برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور عثمان کے متعلق ہے کہ ان کا آپس میں ایک باغ کے متعلق جھگڑا ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا جو فیصلہ جناب رسالت مآبؐ فرمادیں۔ اسی پر ہم دونوں کو رضامند ہوجانا چاہیے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان سے کہا کہ رسالت مآبؐ کی طرف اگر مقدمہ جائے گا تو یقیناً فیصلہ علی کے حق میں ہوگا لہٰذا مقدمہ ابن شیبہ یہودی کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ عثمان بھی اسی بات پر ڈٹ گیا۔ پس ابن شیبہ یہودی کے پاس گئے تو اس نے کہا تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے رسول پر آسمانی وحی کے بارے میں تو یقین رکھتے ہو لیکن اس کے فیصلوں پر تمہارا کوئی اعتماد نہیں ہے۔ پس یہ آیت اتری اور تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول اس طرح منقول ہے کہ عثمان نے کچھ زمین حضرت علی علیہ السلام سے خریدی اور جھگڑا اس بات پر ہوگیا کہ زمین میں پتھر اور روڑے نکلے تو عثمان نے اس کو زمین کا عیب قرار دیکر سودے کو باطل کرنا چاہا۔ اور حضرت علی سے زمین کے واپس لے لینے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا اس بارے میں جو فیصلہ رسالت مآبؐ کردیں ہم دونو کو بسر و چشم منظور کرلینا چاہیے لیکن حکم بن عاص نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم حضورؐ کی بارگاہ میں مقدمہ لے جاؤ گے تو فیصلہ یقیناً علی کے حق میں ہی ہوگا۔ پس یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے علی سے زمین بیچی اور بعد میں پشیمان ہوگیا۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

سوائے اس کے نہیں مومنوں کا قول یہ ہے جب ان کو دعوت دی جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ ان کے

اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ

درمیان فیصلہ کرے کہ کہہ دیں ہم نے سنا اور مانا اور ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہیں اور جو اطاعت کرے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے پس وہی ہیں کامیاب ہونے والے

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یعنی اگر ان کو پتہ ہو کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو نہایت خلوص کو ظاہر کر کے فیصلہ کے طالب بن کر فوراً حاضر ہوتے ہیں اور آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے کہ جب مومنوں کے دو فریق آپس میں جھگڑتے ہوں اور ان کو علمائے کرام کے فیصلہ کی دعوت دی جائے تو جس فریق کو اپنے حق میں فیصلہ ہونے کا یقین ہو وہ فوراً اپنے دینی پہلو کو پیش کرتا ہے اور علماء کے فیصلہ کو اپنا ایمانی فیصلہ قرار دیتا ہے لیکن وہی شخص جہاں دوسرے مقام پر حق کے خلاف ہو وہاں علماء کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فیصلۂ حق سے کنارہ کشی کر کے اسی میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کیا ان کے دلوں میں کمزوریٔ ایمان اور وجود نفاق کی بیماری ہے یا رسول کی رسالت ان کی نظروں میں مشکوک ہے یا اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اور رسول فیصلہ میں عدل کو چھوڑ کر ظلم کو اختیار کرلیں گے ہے پھر لفظ بل کو استعمال کر کے واضح فرمایا کہ آخری دو نوں شقیں باطل ہیں کہ نہ تو ان کو شک ہے اور نہ وہ اللہ و رسول سے ظلم کی توقع رکھتے ہیں بلکہ پہلی شق درست ہے کہ ان کے ایمان کمزور ہیں اور دلوں میں نفاق کی بیماری کا غلبہ ہے اور وہ ظالم لوگ ہیں جو باہمی نزاعات میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

رکوع ۱۳

اِنَّمَا كَانَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔ یعنی مومن کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر فرض ہے کہ اسے مان لے خواہ فیصلہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

وَيَتَّقْهِ ۔ خشیہ اور تقویٰ میں یہ فرق ہے کہ ترک واجبات اور فعل حرام میں اللہ سے خوف کرنا خشیہ ہے اور اس کے برعکس اللہ کے ڈر سے واجبات پر پابند رہنا اور گناہوں سے کنارہ کش رہنا تقویٰ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں آیت مجیدہ میں يَتَّقْهِ میں قاریوں کے چار قول ہیں (۱) يَتَّقِهٖ (۲) يَتَّقِهِ (۳) يَتَّقْهِ (۴) يَتَّقِهْ قاریوں کے ان اختلافات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قرأت میں نقل کے پابند ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ قاعدۂ نحویہ کے لحاظ سے پہلی قرأت بالکل درست اور انسب ہے اور قاری آئمہ نحو تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قرأتیں اجتہاد ذاتی کی وجہ سے مختلف نہیں بلکہ سماع اس

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا

اور انہوں نے قسم کھائی اللہ کی سخت قسم کہ اگر تو ان کو حکم دے تو وہ اپنے گھروں سے بھی نکل جائیں گے کہہ دو

تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ

قسمیں نہ کھاؤ اچھی اطاعت (پیش کرو) تحقیق اللہ خبردار ہے جو تم کرتے ہو کہہ دو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر پھر جاؤ گے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس پر اپنا بوجھ ہے اور

عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

تم پر اپنا بوجھ ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسول پر مگر کھلی

الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

تبلیغ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل نیک بجالائے ضرور ان کو خلیفہ کروں گا

اختلاف کی اصل ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ جھوٹی اطاعت والوں کا ہمیشہ یہی دستور ہوتا ہے کہ اطاعت کا بڑا دعوی کرنا اور قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت کی یقین دہانی کرانا۔ لیکن وقت آنے پر انتہائی بے وفا ثابت ہونا۔ خداوندکریم ایسے لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور اپنے حبیب کو اطلاع دے رہا ہے کہ یہ لوگ پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اپنے گھروں کو چھوڑنے کا حکم دے دیں تو ہم اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے قسمیں نہ کھاؤ بلکہ اطاعت کر کے اپنا اطاعت گذار ہونا عمل سے ثابت کرو اور یہ اچھا طریقہ ہے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کی خبر محذوف ہے۔ یعنی خَيْرٌ مِّنْ قَسَمِكُمْ یعنی اچھی فرمانبرداری قسم کھانے سے بہتر ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ پس ایک تاء بطور تخفیف کے حذف کر دی گئی ہے۔

آمد مہدی ؑ کی پیشین گوئی

وَعَدَ اللّٰهُ۔ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کا مصداق صحابہ کرام کو قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے پوری امت مراد لے لی ہے اور کچھ سرپھرے لوگوں نے اس آیت سے اجماعی خلافت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی جسارت کی ہے اور آیت کے معانی ان کی تردید کے لئے کافی و وافی ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں از صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ اس مطلب پر کافی بحث کی ہے۔ آئمہ اہل بیت ؑ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ یہ

فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ

زمین میں جس طرح خلیفہ کیا ان کو جو پہلے تھے اور ضرور متمکن کروں گا ان کے لیئے ان کا وہ دین

الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِى

جو اس نے پسند کیا ان کے لیئے اور ضرور تبدیل کروں گا ان کے خوف کے بعد امن میری عبادت کریں گے کہ

لَا يُشْرِكُوْنَ بِى شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

میرے ساتھ کسی شی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو کفر کریں گے اس کے بعد تو وہ فاسق ہوں گے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کیئے جاؤ

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ

نہ خیال کرو ان کو جو کافر ہیں (کہ ہمیں) عاجز کرنے والے ہیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ

اور البتہ وہ بری بازگشت ہے اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیئے ان لوگوں کو جن کے

آیت حضرت قائم آلِ محمدؐ علیہ السلام کے حق میں ہے اور ان کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا بخدا اس سے شیعیانِ اہل بیتؑ مراد ہیں اور یہ وقت ان پر تب آئے گا جب کہ اس اُمت کا مہدی ظاہر ہوگا اور اسی کے متعلق حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر زندگیٔ دنیا میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدا اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ میری عترت سے ایک آدمی اس کا وارث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ علامہ طبرسی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں اور آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ وہ تختِ خلافت پر متمکن ہوں گے اور ملکی حکومت پر ان کو پورا اقتدار حاصل ہوگا اور ان سے ہر قسم کا خوف و ہراس برطرف ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں میں خدا نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو اس کے اہل تھے۔ اسی طرح اب بھی وہی اہل کا انتخاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے

آدمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ کو نامزد فرمایا۔ اور اسی طرح آلِ ابراہیمؑ کے اصطفٰی کی خبر دی۔ پس اب بھی زمین کی حکمرانی اور اس پر مکمل تسلط کے لیے مہدی کو خود بھیجے گا اور عترت نبویہ کے اس متفقہ فیصلے کے علاوہ یہ قرینہ بھی صاف واضح ہے کہ گذشتہ خلافتوں کے دور میں کبھی نہ امن قائم ہو سکا اور نہ دین اسلام کو صحیح تمکن و تسلط حاصل ہو سکا اور چونکہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابھی تک آیت مجیدہ کی تاویل کے ایام باقی ہیں۔ اور تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ناصبی لوگ اسی آیت کا مصداق ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کو قرار دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا خدا ناصبیوں کو ہدایت نہ کرے۔ خدا اور رسولؐ کے پسندیدہ دین اسلام کو اس امت میں کب تمکن نصیب ہوا ہے۔ اور ان کے دلوں سے خوف وہراس کب ختم ہوا ہے۔ اور ان کے سینوں سے شکوک و شبہات کب دُور ہوئے ہیں۔ ذرا ان خلفاء کے دَور کا جائزہ لیجئے اور پھر مسلمانوں کے ارتداد اور فتنہ و فسادات کی روح فرسا داستانوں کو سامنے رکھئے تو حقیقت کی قلعی خود بخود کھل جائے گی۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور صافی و برہان میں بروایت مقداد حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ نہ کوئی مٹی گارے کا گھر بچے گا اور نہ اون وریشم کا کوئی خیمہ بچے گا۔ یعنی کوئی شہر و دیہات اور کوئی شہری و دیہاتی و بدوی باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ اسلام اس کو قبول کرنا پڑے گا۔ خواہ عزت کے ساتھ خواہ ذلیل ہو کر بادل ناخواستہ

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ بسند متصل حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے۔ ایک دفعہ جندل بن جنادہ بن جبیر حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تین سوالات کئے (۱) وہ کیا ہے جو اللہ کے لیے نہیں (۲) وہ کیا ہے جو اللہ کے پاس نہیں (۳) وہ کیا ہے جو اللہ کے علم میں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا شریک اللہ کے لیے نہیں۔ ظلم اللہ کے پاس نہیں اور عزیر کا ابن اللہ ہونا اللہ کے علم میں نہیں۔ پس فوراً اس نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر عرض کرنے لگا میں نے شب گذشتہ عالم خواب میں حضرت موسیٰ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے خواب میں مجھے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اوصیاء کے ساتھ تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں اسلام تو لا چکا ہوں لیکن اوصیاء کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے جندل میرے اوصیاء نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے اور یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے تو ان میں سے صرف پہلے تین کا زمانہ دیکھ سکے گا۔ پہلا ان میں سے سید الاوصیاء حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے پھر اس کے بعد میرے دو فرزند حسن و حسین علیہما السلام ہوں گے۔ جب چوتھا یعنی علی بن الحسین پیدا ہو گا تو تُو مر جائیگا اور دنیا میں سے تیرا آخری زاد دودھ ہو گا آپ نے پھر یکے بعد دیگرے تفصیل وار حضرت مہدی علیہ السلام تک نام گنوائے اور فرمایا آخری غائب ہو جائے گا اور جب ظہور کرے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی پس ان لوگوں کے لیے طوبیٰ ہے جو اس کی غیبت کے زمانہ میں ایمان پر ثابت قدم رہیں گے اور صبر و شکر سے اس کی محبت کا دم بھرتے رہیں گے پس جندل امام حسینؑ کے زمانہ تک زندہ رہا۔ آخری زندگی اس نے طائف میں جا گذاری اور مرنے سے پہلے دودھ کا پیالہ پیا اور خود کہا یہ میرا آخری زاد ہے پھر مر گیا اور طائف میں ہی دفن ہوا۔ (ملخصاً)

رکوع نمبر ۱۴۔ آداب معاشرہ - یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ - آیت مجیدہ میں خداوند حکیم نے گھریلو زندگی کے بعض آداب کا ذکر فرمایا ہے۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

تم مالک ہو اور ان (ممیز لڑکوں) کو تم میں سے جو حدِّ بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تین دفعہ

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ

نماز صبح سے پہلے اور جب تم کپڑے اتارتے ہو دوپہر کے وقت اور

بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

نماز عشاء کے بعد تین پردے (کے اوقات) ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر

جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ

کوئی گناہ ہے ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض پر اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے اور جب

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ

پہنچ جائیں بچے تمہارے سنِ بلوغ کو تو وہ (بھی) اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے

کہ گھر میں آنے والے زرخرید غلام اور وہ نابالغ لڑکے جن سے پردہ واجب نہیں ہوتا لیکن وہ حدِ تمیز کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، تین اوقات میں ان پر ضروری اور واجب ہے کہ جب ان اوقات میں گھر کے اندر داخل ہوں تو اہل خانہ سے اجازت طلب کریں (۱) نماز صبح سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت (۳) نماز عشاء کے بعد کیونکہ یہ اوقات بالعموم عورت و مرد کی ہمبستری کے ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا غلاموں اور بچوں کا آزادانہ آنا جانا عورت و مرد کے باہمی میل جول میں خلل اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں داخلہ پر اجازت کی پابندی عائد کردی۔ اور دوسرے لوگ جو بالغ ہوں اور محرم نہ ہوں ان پر تو ہر وقت یہ پابندی ہے کہ جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو مالکِ گھر سے اجازت حاصل کریں۔

مسئلہ۔ اگر غلام اور ممیز لڑکے کو معلوم ہو کہ گھر والے بالباس ہیں اور مقام خلوت و ہمبستری میں نہیں ہیں تو اوقات ثلثہ میں ان پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ بہرکیف اہل خانہ کی پردہ داری کو برقرار رکھنے کی خاطر یہ پابندی عائد کی گئی ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ۔ یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو دوسرے مردوں کی طرح کسی نامحرم گھر میں بغیر اجازت کے کسی بھی وقت داخل نہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

ہیں وہ جوان سے پہلے (جوان ہو چکے) ہیں اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات کو اور اللہ جاننے والا حکمت

حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا

والا ہے اور یائسہ عورتیں جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی پس نہیں

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ

اُن پر کوئی گناہ کہ اتار دیں برقعوں کو نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت

بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

کو اور (برقعہ پہن کر) عفیفہ رہنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

ہوسکتے پس تین اوقات مذکورہ میں اجازت کی پابندی صرف غلاموں اور نابالغ ممیز لڑکوں کے لیے ہے۔ باقی لوگوں پر کسی وقت بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ نیز محرم لوگوں پر بھی ضروری ہے کہ اوقاتِ مخصوصہ میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔

وَالْقَوَاعِدُ۔ یعنی وہ عورتیں جو ضعیف ہو چکی ہوں اور سن یاس کو پہنچ چکی ہوں کہ ان سے نکاح کرنا کوئی بھی پسند نہ کرے تو ان عورتوں پر پردہ اور برقعہ کی کوئی پابندی ضروری نہیں وہ کھلے منہ رہ سکتی ہیں بشرطیکہ مقاماتِ زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں اور ناپاک ارادہ دل میں نہ رکھتی ہوں بایں ہمہ برقعہ پہننا اور پورے حیاو شرم سے بسر اوقات کرنا ان کے لیے زیب اور شایانِ شان ہے تبرّج کا معنی ہے عورت کے لیے جن محاسن کا ستر واجب ہے ان کو ظاہر کرنا۔

عبرت خداوند کریم نے عورت کے شرم وحیا کی کس قدر پاس کی ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی زینت کو ظاہر کرکے نامحرم مردوں کے سامنے نہ آئیں۔ لیکن آجکل کے مغرب زدہ مسلمان پردہ داری سے گریز کرکے بلکہ نفرت کرکے شرم وحیا کی حدود سے اس قدر دور ہوگئے ہیں کہ الامان۔ اچھے گھرانوں کی نوجوان وحسین لڑکیاں مختصر چست اور نیم عریاں لباس پہن کر سڑکوں اور بازاروں میں دعوت نظارہ دیتی ہوئی آزادانہ سیر کرتی ہیں اور غضب بالائے غضب یہ کہ بھائی باپ اور دیگر رشتہ داران کی ان شرمناک حرکات کو دیکھ کر ذرّہ بھر نہیں شرماتے بلکہ اسے اپنی بچیوں کی بلند حوصلگی قرار دیکر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود اپنے تئیں غیور مرد کہہ کر معاشرہ میں شرافت کا لیبل بھی اپنے اوپر لگا لیتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ۔ تفسیر قمی سے بروایت ابی الجارود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام لانے سے

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہیں اندھے پر حرج اور نہ لولے لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

ہے اور نہ تمہارے نفسوں پہ کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں

أَوْ بُيُوْتِ أُمَّهٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَخَوٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ

سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ

چچوں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ أَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

یا وہ جس کی چابیوں کے تم مالک ہو یا دوست کے گھر سے نہیں تم پہ گناہ کہ مل کر کھاؤ یا

تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى

الگ الگ پس جب داخل ہو گھروں میں تو سلام دو ایک دوسرے پر

پیشتر مدینہ کے لوگ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے۔ پس انصار لوگ اپنے تکبر کے پیش نظر کہتے تھے کہ اندھے کو نظر کچھ نہیں آتا اپاہج کے لیے مجمع میں بیٹھنا دشوار ہے اور بیمار آدمی تندرست کے ساتھ کھا نہیں سکتا لہذا ان کو الگ حصہ نکال کر دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور اسی طرح یہ لوگ بھی احساس کمتری میں مبتلا تھے کہ ہماری وجہ سے چونکہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا وہ الگ کھانے کو پسند کرتے تھے۔ پس جب حضورؐ ہجرت کرکے تشریف لائے تو لوگوں نے اس صورت حال کا ذکر کیا تو خداوند کریم نے یہ آیت کریمہ بھیجی۔

بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ جہاد کو روانہ ہوتے تھے تو گھروں کی چابیاں اندھے۔ اپاہج اور بیمار لوگوں کو دے کر چلے جاتے تھے اور ان کے لیے گھروں میں کھانا پینا حلال کرکے جاتے تھے لیکن یہ لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کچھ کھانا پسند نہ کرتے

أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ

یہ تحیہ ہے اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ اسی طرح بیان کرتا ہے

تھے پس یہ آیت اتری۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آیت کا پہلا حصہ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کو ان کی معذوری کے پیش نظر معافی کے اعلان کے لیے ہے۔ اور لَا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ سے جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں کھانے کا حکم مذکور ہے۔

وَلَا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ۔ آیت مجیدہ میں حکم عام ہے کہ مذکورہ ذیل گھروں میں سے انسان کھانا کھا سکتا ہے۔ اگرچہ صاحب منزل موجود نہ بھی ہو۔ لیکن اسراف نہ کرے اور اپنی ضرورت پر انحصار کرے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں سے انسان کے لیے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے اسراف نہ کرے۔

مِنْ بُيُوتِكُمْ۔ اس میں اپنا گھر اپنی زوجات کا گھر اور اپنے بیٹے بیٹیوں کے گھر سب داخل ہیں کیونکہ عورت کا گھر اور مرد کا گھر تو ایک ہے ہی۔ لیکن اولاد کے گھر کو اپنا گھر اس لیے کہا ہے کہ اولاد اور اولاد کا مال سب اس کا ہی مال ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ۔ یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کا مال ہے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ماں باپ بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے لیکن اولاد کے گھروں کو الگ نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ان گھروں میں سے بلا اجازت کھانا پینا اس طرح جائز ہے جس طرح بھوکے انسان کے لیے کسی باغ سے گذرتے ہوئے اس کا پھل کھا لینا جائز ہے یا سفر میں جاتے ہوئے پیاسے انسان کے لیے راستہ میں کھڑی بھیڑ یا بکری کا دودھ پی لینا جائز ہے اور اسے حق مرور کہتے ہیں۔ خداوند کریم نے لطف و کرم کے ماتحت انسانی ضروریات کے پیش نظر اس کو حلال کیا ہے۔ اگر نیت درست ہو اور اسراف و ذخیرہ کرنے سے گریز کرنا ضروری ہے۔

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ غلام اور مملوک جس طرح خود اپنے مولیٰ کی ملکیت میں ہیں اسی طرح ان کے باغات و مکانات کی کنجیوں کا مالک بھی وہی ہے پس مالک اپنے غلام کے مال سے کھا سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس انسان کو کوئی زمیندار اپنی زمینوں باغات و مکانات کے لیے وکیل یا سرپرست و نگہبان مقرر کرے اور اسے چابیاں حوالے کر دے تو اس کے لیے باغات سے کھانا اور حیوانات کا دودھ پینا حسب ضرورت و حاجت جائز ہے۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ۔ صدیق وہ ہے جو سچی محبت رکھتا ہو جس طرح اس کا ظاہر تیرے ظاہر کے موافق ہے۔ اسی طرح اس کا باطن تیرے باطن کے موافق ہو اور صدیق کی لفظ واحد اور جمع دونو پر اطلاق ہو سکتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رو سے ایسا دوست دوست کے گھر سے اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٦١ ع اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اللہ تمہارے لئے آیات کو تاکہ تم عقل کرو سوائے اس کے نہیں مومن وہ ہیں

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ بعض لوگ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ بنی کنانہ کے ایک قبیلہ کا دستور عام تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بندہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کا شریک نہ ہوتا اور دودھ سے بھری اونٹنی کا دودھ بھی پینا گوارا نہ کرتا تھا جب تک کوئی دوسرا شریک نہ ہوجاتا۔ پس یہ آیت اتری کہ تنہا کھالینا بھی گناہ نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جب کسی انسان پر مہمان آجاتا تھا تو وہ تنہا تنہا کھانا گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اکٹھا مل کر کھانا واجب جانتے تھے۔ پس آیت اتری کہ اکیلا کھالینا بھی گناہ نہیں ہے۔ پس تمہارے اختیار میں ہے مل کر کھاؤ یا تنہا کھاؤ۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضورؐ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کا صیغہ جاری فرمایا۔ پس ابوبکر و عمر۔ عثمان و عبدالرحمٰن۔ طلحہ و زبیر۔ سلمان و ابوذر اور اسی طرح مقداد و عمار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت علی غم زدہ تشریف لائے اور عرض کی حضورؐ آپؐ نے مجھے کیوں تنہا چھوڑ دیا تو آپؐ نے فرمایا یا علی تجھے میں نے اپنے لیے بچایا ہے۔ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ اَخِيْ وَاَنَا اَخُوْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَنْتَ وَصِيِّيْ وَوَزِيْرِيْ وَخَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَتَقْضِيْ دَيْنِيْ وَتُنْجِزُ عِدَاتِيْ وَتَتَوَلّٰى غُسْلِيْ وَلَا يَلِيْنِيْ غَيْرُكَ وَاَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ یعنی کیا تو راضی نہیں کہ تو میرا بھائی ہو دنیا و آخرت میں اور تو میرا وصی و وزیر و خلیفہ ہو میری اُمّت میں اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا۔ وعدوں کو پورا کرنے والا۔ اور مجھے غسل دینے والا ہو۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی یہ کام انجام نہ دے گا اور تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ھارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؑ خوش ہوگئے۔ صیغہ مواخات جاری ہونے کے بعد صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی کسی جنگ یا سفر کے لیے جاتا تو اپنے دینی بھائی کو گھر کی چابی دے کر بے فکر چلا جاتا تھا اور اسے اجازت عام ہوتی کہ گھر سے جو چیز مرضی ہو لے لے اور کھالے لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتا تھا۔ حتیٰ کہ گھر میں رکھی ہوئی بعض کھانے پینے کی چیزیں ضائع ہوجاتیں۔ پس یہ آیت مجیدہ اُتری۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ۔ یعنی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو اور کوئی بندہ موجود نہ ہو تو اس طرح کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا خداوند کریم نے اس کو مبارک اور طیّب قرار دیا ہے۔ پس یہ سلامتی کا موجب اور آفات و مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہے۔ اور امام محمّد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں میں اپنے گھر والوں کو سلام کہو تاکہ گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو۔

رکوع نمبر ۱۵

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے۔ ایک قوم ایسی تھی کہ جب حضورؐ کسی اہم کام کے لیے ان کو بھیجنا چاہتے تھے تو وہ مجمع میں سے کھسک جاتے تھے۔ پس خداوند کریم نے یہ آیت بھیج کر تنبیہ کردی کہ مومن خالص کی شان یہ ہے کہ جب بھی کسی اجتماعی معاملہ میں موجود ہوں۔ مثلاً مجلس مشاورت ہو یا نماز جمعہ ہو یا لڑائی کی تیاری ہو تو ایسے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ

جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب اس کے ساتھ ہوں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہ جائیں

لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جب تک اجازت نہ لے لیں تحقیق جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول پر

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ

ایمان رکھتے ہیں پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب کے لئے تو اجازت

لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶۲)

دے دیجئے جسے آپ چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مواقع پر اگر کسی خاص ضرورت کے ماتحت جانا بھی ہو تو حضورؐ سے اجازت لیے بغیر نہ جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ۔ یعنی مومن وہی ہیں جو آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو بلا اجازت چلے جائیں ان کا ایمان خالص نہیں ہے۔ بنا بریں جمعہ کو چھوڑ جانا یا جنگ و جہاد سے گریز کرنا ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ۔ یعنی اجازت لینے کے بعد رسول کریمؐ اجازت دینے کے پابند نہیں بلکہ یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے اجازت دیں یا نہ دیں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حنظلہ بن ابی عیاش کے بارے میں اُتری ہے کہ اس نے اسی رات شادی کی جس کی صبح کو جنگ احد تھی۔ پس اس نے حضورؐ سے گھر رہنے کی اجازت لے لی۔ پس شب زفاف گھر میں رہا۔ اور جُنبی حالت میں اُٹھا تو جنگ سے پیچھے رہنے کے احساس نے ٹھہرنے نہ دیا۔ پس تیزی سے مجاہدین کی صف میں جا ملا۔ اور معرکۂ قتال میں بہت جلدی جام شہادت نوش کیا۔ جب لاشوں میں اس کی لاش نہ دیکھی گئی تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے پیالوں سے حنظلہ کی میت کو غسل دے رہے ہیں۔ پس اسی دن سے اس کا لقب غسیل ملائکہ ہو گیا۔

دُعَاءَ الرَّسُوْلِ۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) رسول کا تمہیں بلانا۔ تمہارے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

نہ کرو رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے تحقیق جانتا ہے خدا ان کو جو کھسک جاتے ہیں تم میں

الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ

سے پناہ لیتے ہوئے (کسی کی) پس ڈریں وہ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان پر

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا

آزمائش یا پہنچے ان کو عذاب دردناک آگاہ ہو تحقیق اللہ کے لئے

نہیں ہوتا کیونکہ رسول کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اور اس سے کنارہ کشی خدا کے حکم سے کنارہ کشی ہے (۲) رسول کی بددعا کو ایک دوسرے کی بددعا کی طرح نہ سمجھو بلکہ ان کی بددعا سے ڈرا کرو کیونکہ ان کی بات کو خدا رد نہیں فرماتا (۳) عام خطاب میں تم جس طرح نام لیکر یا کنیت کر کے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اس طرح رسول کو یا محمدؐ اور یا ابن عبداللہ کر کے نہ بلایا کرو۔ ان کی عظمت۔ شان اور رفعت مکان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کے وقیع خطابات سے بلایا کرو۔

تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے منقول ہے بسند متصل جناب بتول معظمہ فرماتی ہیں۔ میرے آقا و سید حضرت علیؑ نے میرے سامنے یہی آیت پڑھی۔ پس جب میں اسکے بعد اپنے پدر عالی کی بارگاہ میں پہنچی تو یا اباہ یعنی بابا جان کی بجائے میں نے یا رسول اللہ کے لقب سے خطاب کیا تو آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹی یہ آیت تیرے لیے نہیں نہ تیرے بچوں کے لیے ہے تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ آیت تو بے ادب بدوی لوگوں کے لیے ہے تیرا مجھے یا اَباہ (بابا جان) کہہ کر بلانا مجھے بہت پیارا لگتا ہے اور میرا رب بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اَنْتِ نِعْمَ الْوَلَد۔ تو میری بہترین اولاد ہے۔ پس سر پر بوسہ دیا اور اپنا لعاب دہن مجھ پر مل دیا جس کے بعد مجھے کسی خوشبو کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

يَتَسَلَّلُوْنَ۔ بعض منافقین خطبہ جمعہ سے لوگوں سے چھپتے چھپاتے مسجد سے کھسک جاتے تھے یا ایک قول کے مطابق میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ پس ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے جس حالت پہ تم ہو اور جس دن پلٹائے جائیں گے اس کی

اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

طرف پس اُن کو خبر دے گا اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

سُوْرَۃُ فُرْقَان

سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستتر ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر اٹھتر ہے۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرتا رہے۔ جب بروز قیامت اٹھے گا بشرطیکہ قیامت کے بلا ریب آنے کا یقین رکھتا ہو اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو۔ جنت میں بلاحساب داخل ہوگا۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے اسحاق بن عمارہ سے فرمایا سورۂ فرقان کی تلاوت کو ترک نہ کرو کیونکہ جو آدمی اس کی تلاوت ہر شب کرے اس کو اللہ کبھی عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور نہ اس سے حساب لے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ فردوس بریں میں ہوگا۔ مصباح کفعمی سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حشرات الارض اسکے قریب نہ آئیں گے۔ (فوائد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) بابرکت ہے وہ جس نے نازل کیا قرآن کو اپنے بندے

عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۞ ۱ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ

پر تاکہ ہو عالمین کے لئے ڈرانے والا وہ جس کے لئے ہے ملک آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ

اور زمین کا اور نہیں بنایا اس نے بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک ملک میں اور اس نے

کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ۞ ۲ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً لَّا

پیدا کیا ہر چیز کو پس اس کو صحیح اندازہ سے بنایا اور لوگوں نے بنا لئے اس کے علاوہ اور الٰہ جو نہیں

یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَلَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا

پیدا کرتے کسی چیز کو اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے نفسوں کے لئے نقصان کے نہ نفع کے اور نہیں

رکوع نمبر ۱۶، بیان توحید

اَلۡفُرۡقَانَ۔ یعنی غلط اور صحیح اسی طرح باطل اور حق کے درمیان فرق کرنے والا اور وہ قرآن مجید ہے۔

لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا۔ یہود نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا فرزند کہا۔ اور مشرکین نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہہ دیا۔ اس فقرہ میں ان سب کے مزعوماتِ باطلہ کی تردید ہے اور فرمایا اللہ وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا واحد مالک ہے اور چونکہ بیٹا باپ کا مملوک و عبد نہیں ہوتا۔ حالانکہ عزیر و عیسیٰؑ و ملائکہ سب اللہ کے عبد و مملوک ہیں۔ لہٰذا ان کو اس کا بیٹا کہنا غلط بلکہ بہتان ہے۔

وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ۔ اس فقرہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو غیر جاندار اصنام یا درختوں یا چاند سورج ستاروں وغیرہ کو یا جاندار اشیاء ملائکہ یا انبیاء و اولیاء کو کائنات کا مدبّر اور ملک خداوندی میں ان کو کلّی متصرف قرار دے کر ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ۔ اس فقرہ میں پھر سابق مطلب کو مزید پختہ کیا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ حالانکہ باپ اولاد کا خالق نہیں ہوا کرتا اور جن کو اس کا شریک مانا جاتا ہے وہ سب اس کی مخلوق ہیں حالانکہ شریک کو اپنے شریک کا مخلوق نہیں ہونا چاہیے پس معلوم ہوا کہ نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

مالک موت کے نہ زندگی کے اور نہ دوبارہ اُٹھنے کے اور کہا کافروں نے نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً۔ آیت مجیدہ میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الٰہ کے معنی میں لوگ کس طرح شرک کرتے ہیں۔ سابقہ آیت میں خداوند حکیم نے پوری کائنات پر اپنے واحد مالک ہونے کا اعلان فرمایا اور کسی کو بیٹا یا بیٹی یا مدبر عالم ماننے والوں کی پُرزور تردید فرمائی اس آیت میں خدا کے علاوہ الٰہ ماننے والوں کے مسلک کو رد کیا اور ضمنی طور پر الٰہ کا معنی بھی واضح کر دیا اور مشرکین کے نظریہ کی تردید کر کے جہاں اپنی توحید کو غیر متزلزل برہان سے ثابت فرمایا وہاں مشرکین کے دجل و فریب کے پردہ کو بھی چاک کر دیا جو شرک کرنے کے باوجود اپنے موحد ہونے کے دعویدار ہیں۔ کیونکہ جو شخص انبیاء و اولیاء کو یا غیر جاندار اصنام و چاند سورج ستاروں وغیرہ کو خالق مانے اور ان کو نفع نقصان زندگی موت اور دوبارہ نشر کا مالک قرار دے آیت کا التزامی مفہوم یہ واضح کرتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا اللہ کے علاوہ الٰہ کو تجویز کرتا ہے۔ گویا یہ صفات اس کی ذات کے لیے مخصوص ہیں جو الٰہ کے لفظ کی حقیقی مصداق ہے اور منطوق آیت صاف اعلان کر رہا ہے کہ جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ الٰہ قرار دیا وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے جو الٰہ حقیقی کی صفت ہے بلکہ وہ خود اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں جس سے الٰہ حقیقی بلند و بالا اور منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کی نفع رسانی یا دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا تو بجائے خود اپنے نفسوں کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسروں کو مارنا اور زندہ کرنا تو بجائے خود وہ اپنی موت و حیات کے بھی مالک نہیں۔ اسی طرح حشر و نشر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ پس آیت صاف بتلاتی ہے کہ جو غیر اللہ میں ان صفات کو ثابت کرے وہ اللہ کے علاوہ اور الٰہ کا قائل ہے۔ پس ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر زبان پر لا الٰہ الا اللہ کی رٹ لگاتا رہے اس کا دل توحید کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور نہ وہ اس بہانے سے شرک کے دلدل سے نجات پا سکتا ہے بعض جاہل و نادان لوگ آلِ محمدؐ کے متعلق اس قسم کے باطل عقیدہ کے ہمنوا ہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے زمانہ میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے چنانچہ عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں اُن بدعقیدہ لوگوں کی تردید فرمائی اور اپنی ذات سے الٰہ کے معنی کی نفی فرمائی جیسا کہ آیت مجیدہ میں بیان ہو چکا ہے چنانچہ ایک مناجات میں آپ فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَنَا عَبِيْدُكَ وَابْنَاءُ عَبِيْدِكَ لَا نَمْلِكُ لِاَنْفُسِنَا نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اَللّٰهُمَّ مَنْ زَعَمَ اَنَّا اَرْبَابٌ فَنَحْنُ عَنْهُ بُرَاۗءُ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ اِلَيْنَا الْخَلْقَ وَعَلَيْنَا الرِّزْقَ فَنَحْنُ اِلَيْكَ مِنْهُ بُرَاۗءٌ كَبَرَاۗءَةِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مِنَ النَّصَارٰى۔ الحدیث یعنی اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں ہم اپنے نفسوں کے لیے نفع و نقصان موت و زندگی اور حشر و نشر کے مالک نہیں ہیں۔ اے اللہ جو ہمیں رب کہے ہم اس سے بری و بیزار ہیں اور جو یہ سمجھے کہ ہم پیدا کرتے اور رزق دیتے ہیں ہم ان سے اس طرح بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ۔ قرآن مجید کی تکذیب میں کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اس کو اللہ نے نہیں بھیجا بلکہ حضورؐ نے (معاذ اللہ) جھوٹ کا افترا

إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا

جو افترا کیا اس نے اور اس کی مدد کی اس معاملہ میں اور لوگوں نے　پس　تحقیق　ان (کافروں) نے ظلم کیا

ظُلْمًا وَزُورًا ۝٤ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ

اور جھوٹ کہا　اور کہنے لگے یہ قصے ہیں پہلے لوگوں کے جو اس نے لکھ لئے پس وہ اس پر پڑھے

عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٥ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ

جاتے ہیں صبح اور شام　کہہ دو اس کو اتارا ہے اس ذات نے جو جانتی ہے راز آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝٦ وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ

زمین کے　تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے　اور کہا انہوں نے یہ کیسا رسول ہے کہ

يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ

کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے　کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ کہ وہ ہوتا اس

فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝٧ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ

کے ساتھ نذیر　یا ڈالا جاتا اس کی طرف ایک خزانہ

باندھ لیا ہے اور بعض اہل کتاب اس معاملہ میں اس کی امداد کرتے ہیں۔ پس اللہ نے ان کے رد میں اتنا ہی فرمایا کہ ان لوگوں نے ظلم کیا اور جھوٹ و غلط کہا کیونکہ اس سے پہلے چیلنج اور تحدی بار بار ہو چکی تھی کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو سب مل کر اس جیسا اس کی ایک سورت جیسا بلکہ اس کی ایک آیت جیسا کوئی ٹکڑا کلام کا تو پیش کرو اور اگر تم عاجز ہو تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آئے اور بار بار اُسی اُگلے ہوئے لقمے کو چباتے رہے۔ اسی لیے خدا نے مفصّل جواب نہیں دیا بس اتنا ہی کہہ دیا کہ یہ لوگ ظالم اور غلط گو ہیں

وَقَالُوْا۔ وہ کہتے تھے کہ اہل کتاب سے پُرانے لوگوں کے قصّے اس نے نقل کر لیے ہیں اور پڑھنے والے صبح و شام اس کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ یاد کر لیتا ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ دو فقروں میں تضاد بیانی دیکھیے۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ یہ اس کا اپنا افترا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر قصے پڑھے جاتے ہیں تو گویا اس کا افترا نہیں قصہ خوانوں کا افترا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ۔ تفسیر صافی میں احتجاج سے مروی ہے کہ تفسیر امام میں ہے ایک دن حضرت رسالت مآبؐ مکہ میں کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے کہ مشرکین کی جماعت میں سے عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی نے آپ سے خطاب کر کے کہا۔ اے محمدؐ! تو نے ایک

لَهُ جَنَّةٌ يَّأْكُلُ مِنْهَا ۗ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

یا اس کے لئے باغ ہوتا کہ کھاتا اس سے اور ظالموں نے کہا نہیں تم پیروی کرتے مگر جادو کئے ہوئے

مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

شخص کی دیکھ کس طرح بیان کرتے ہیں تیرے لئے مثالیں پس وہ گمراہ ہیں پس راہ راست پر آنے کی

بڑا دعوےٰ کیا ہے اور ہولناک بات منہ سے نکالی ہے تو کہتا ہے میں رب العالمین کا رسول ہوں حالاں کہ ربّ العالمین جو تمام مخلوق کا خالق ہے تجھ جیسے کو جو ہماری طرح کا کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلنے والا بشر ہو رسول نہیں بنا سکتا دیکھئے روم وفارس کے بادشاہ جس کو اپنا رسول (فرستادہ) بنا کر بھیجیں وہ مالدار ہوتا ہے اس کی بڑی شان وشوکت ہوتی ہے اس کے محلات بنگلے کوٹھیاں خیمے قناتیں اور نوکر وخادم بکثرت ہوتے ہیں اور خدا ربّ العالمین جو سب کا اور ان کا بھی خالق ہے اگر تو اس کی جانب سے نبی ہوتا تو وہ تیرے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا جو تیری تصدیق کرتا اور ہم خود اس کو دیکھتے بلکہ خدا اگر رسول بھیجتا تو ہم جیسا بشر نہ ہوتا بلکہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا تو ایک مسحور آدمی یعنی جادو کردہ یا جادو کنندہ یا دیوانہ ہے (مسحور کی تفسیر نویں جلد صفحہ ۲۵ پر ملاحظہ فرمائیں) پھر انہوں نے بہت سی باتیں کیں اور اعتراضات کئے۔ کچھ سورہ بنی اسرائیل میں گذر چکے ہیں جلد ۹ صفحہ ۲۵ اور بعض کی حکایت سورہ زخرف میں ہو گی انشاء اللہ جلد ۱۲ صفحہ ۳۱ حضرت رسالت مآبؐ نے سب باتیں خاموشی سے سماعت فرمائیں اور بعد میں بارگاہ ربوبیت میں عرض کی اے اللہ تو ہر آواز کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے جو کچھ تیرے بندے کہہ رہے ہیں، پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ درست ہے کہ میں تمہاری طرح روٹی کھاتا ہوں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ جو یہ کام کرے۔ وہ رسول نہیں ہو سکتا غلط ہے۔ کیونکہ یہ چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس پر کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ دیکھئے بندوں میں غنی فقیر عزیز ذلیل تندرست بیمار شریف رذیل اپاہج وکمزور مختلف قسم کے لوگ ہیں لیکن کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنا اور صابر ہونا ہر انسان کا فرض ہے۔ اللہ کی تقسیم اور اس کی تقدیر پر راضی نہ ہونا اور اعتراض کرنا کفر ہے پھر آیت اتری قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ یعنی ان کو کھلے لفظوں میں کہہ دیجئے کہ میں بشریت میں تم جیسا ہوں لیکن میرے رب نے مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس طرح بعض لوگ دولتمندی تندرستی اور خوبصورتی کی نعمات سے ہمکنار ہیں اور دوسرے محروم ہیں تو جس طرح ان صفات کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا میرے لیے اس صفت کا کیوں انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے نبوت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے باقی سوالات کے جوابات دیئے جو سورہ بنی اسرائیل اور انعام میں گذر چکے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں مسحور یعنی جادوگر یا دیوانہ یا ازخود رفتہ انسان ہوں تم خود انصاف کرو میں چالیس برس تم میں زندگی گذار چکا ہوں۔ اور تمہارے دل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں عقل اور تمیز میں تم سب سے بلند تر ہوں کیا چالیس برس کی ایک طویل زندگی کے دوران میں تم میری ایک شرم ناک حرکت یا ایک ذلیل حرکت یا ایک جھوٹ

یا ایک خیانت یا غلطی یا کوئی بے وقوفانہ بات ثابت کر سکتے ہو ؟ (اور یقیناً تم یہ ثابت نہیں کر سکتے) پھر تم خود سمجھ لو کہ جس شخص سے ایک لمبے عرصہ میں ایک لغزش اور برائے نام بھی کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو کیا یہ اس کی ذاتی اقتضا ہے یا اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے شامل حال ہے (یہ سن کر وہ سب کے سب کھسیانے سے ہو کر رہ گئے۔ اور کسی میں بھی بات کرنے کی جرأت نہ رہی) پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا۔ الخ۔ یعنی دیکھو انہوں نے تیرے لیے کیسی مثالیں تلاش کر کے بیان کی ہیں لیکن جب تم سے اپنے سوالات کے جواب سن چکے ہیں تو کسی میں جواب دینے کی اور بولنے کی جرأت نہیں رہی۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا۔ یعنی ان میں سے کسی میں بھی جواب کی توفیق (یا یہ کہ جب انہوں نے آپ کے معقول استدلالات کو ٹھکرا دیا۔ اور از راہِ عناد ان کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے تو وہ گمراہی کے گہرے سمندر میں ڈوب چکے ہیں۔ اب ان میں راہِ حق پر آنے کی توفیق ہی مسلوب ہو چکی ہے۔ (ملخصاً)

بشریّت و رسالت | مشرکین مکہ کی رسالت مآبؐ کے ساتھ بحث چند امور کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۔ وہ اللہ کو ربّ العالمین تسلیم کرتے تھے۔

۲۔ رسول کی رسالت کا انکار صرف اس لیے کرتے تھے کہ آپ بشر ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔

۳۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول بشر نہیں ہوتا اور جو بشر ہو وہ عہدۂ رسالت نہیں لے سکتا۔

۴۔ ان کا خیال تھا کہ نبوّت و رسالت کے لیے کسی فرشتہ کو نامزد ہونا چاہیے تھا۔

۵۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بے شک میں کھاتا پیتا ہوں لیکن تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو کھائے پیئے وہ رسول نہیں ہو سکتا۔

۶۔ آپ نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ بفرمانِ خداوندی اعلان کیا کہ میں بے شک تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن یہ بات غلط ہے کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا میں بشر ہوں اور خدا نے مجھے عہدۂ نبوت بھی عطا فرمایا ہے۔

۷۔ بشر ہونے کے بعد رسالت ایک عطیہ پروردگار اور صفت مخصوصہ ہے جو انسان کو باقی انسانوں سے الگ نوع نہیں بناتی جس طرح آپ نے واضح فرمایا کہ غنی ہونا تندرست ہونا حسین ہونا وغیرہ صفات ہیں جن سے بعض افراد بہرہ ور ہیں اور بعض محروم پس نبوت بھی ایک صفت ہے جس سے میں بہرہ ور ہوں جس طرح تم دوسری صفات کا عطیہ پروردگار ہونا مانتے ہو اسی طرح میرے لیے یہ صفت بھی مان لو۔ تو گویا جس طرح دوسری صفات بشر کو الگ الگ انواع میں تقسیم نہیں کرتیں۔ اسی طرح صفت نبوّت بھی نبی کو الگ نوع نہیں بناتی۔ جس طرح آجکل کے بعض سرپھرے لوگ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ جیساکہ اسی جلد میں نور کی تفسیر کے ذیل میں ص۱۰۱ پر گذر چکا ہے البتہ خلقت نوری میں انکا نور جو اول مخلوق ہے وہ نوع مفرد ہے نیز منطقی اصطلاح سے ہٹ کر اگر شرف درتبہ کے لحاظ سے انکو الگ نوع کہا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے خداوند کریم نے آیات بھیج کر اور حضور رسالتمآبؐ نے وضاحتی بیان دیکر ان کے مزعومات کی تردید فرمائی۔ خدا جانے آجکل کے اسلام

سَبِيلًا ۝٩ تَبٰرَكَ الَّذِيٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

توفیق نہیں رکھتے بابرکت ہے وہ ذات اگر چاہے تو بنائے گا تیرے لئے اس سے بھی بہتر وہ باغات کہ بہتی

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝١٠ بَلْ

ہیں ان کے نیچے نہریں اور بنائے گا تیرے لئے محلّات لیکن

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝١١

انہوں نے جھٹلایا قیامت کو اور ہم نے تیار کیا اس کے لئے جو جھٹلائے قیامت کو ، دوزخ

کے دعویداروں نے کیوں مشرکین مکہ کا اُگلا ہوا لقمہ چبانا شروع کر دیا ہے کہ جو رسول یا امام ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا اور جو ہماری طرح کا بشر ہو وہ رسول یا امام نہیں ہو سکتا اور فرمائش کلام اللہ کے ماتحت جو ان کو بشر اور کامل البشر اور سیّد البشر بلکہ سید ارکائنات بشر سمجھے اسے دشمن رسول سمجھا جاتا ہے۔ حتٰی کہ علم منطق کا منہ چڑانے کے لیے بعض جبہ پوش لوگوں نے بشر کو جنس قرار دے کر انبیاء کو اس کی ایک الگ نوع ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور یہ اس کی اپنی اختراع نہیں بلکہ اس سے پہلے کے کسی جدت پسند مقرر کی چست بیانی کا ثمرہ ہے اور حدیث مذکور میں حضورؐ کا نبوت کو ایک صفت مخصوصہ قرار دینا اور دیگر صفات کو مقام وضاحت میں پیش کرنا علم منطق کے ان مجددین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے کیونکہ ان صفات کے اختلاف سے نوع نہیں بدل جایا کرتی ورنہ عالم وجاہل شریف و رذیل نیک و بد اور مسلم و کافر وغیرہ بشر کی سب نوعیں بن جائیں گی۔ اور اگر ان کو الگ نوع کہنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صفت نبوت کے دارا تھے۔ لہٰذا باقی انسانوں سے وہ بلند انسان بلکہ کامل انسان تھے اور نوع انسان کے اشرف فرد تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان کی اس جدید اصطلاح سے مقصد میں کوئی غلطی نہیں پیدا ہوتی لیکن اگر یہ کہیں کہ وہ ایسے بشر تھے جو نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ منکوحہ عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر وزن کے مراسم تھے اور نہ دیگر لوازم انسانیہ و بشریہ ان کے ساتھ تھے تو یہ ایک ایسی جدت ہے۔ جس کو نہ عقل قبول کرتی ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث و تاریخ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ البتہ مقام نور میں ان کی نوع الگ ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کفار کے اعتراض کے بعد جبریلؑ نے دنیا کی عیش و عشرت باغات و محلات وغیرہ حضورؐ کے سامنے پیش کیے لیکن آپؐ نے فرمایا مجھے یہی زندگی پسند ہے۔ جس میں بسر کر رہا ہوں۔

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۔ یعنی جو لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ ۔ مقصد تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ جہنم کو دُور سے (یعنی ایک سو سال کی راہ سے) دیکھیں گے تو اس کی بھڑکار کی آواز اور اس کے شعلوں کی شدّت و حدّت ان کو سنائی دے گی لیکن آیت میں رویت کا فاعل جہنم کو قرار دیا گیا ہے اور اس امر کو ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا جہنم غصہ سے ان کو دیکھ کر بڑبڑا رہی ہوگی۔

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

جب دیکھے گا ان کو مسافت بعیدہ سے تو یہ سنیں گے اس کی شدت اور شور

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾

اور جب ڈالے جائیں گے اس میں تنگ جگہ میں درحالیکہ جکڑے ہوئے ہوں گے تو اس وقت چلائیں گے

لَّا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ

واویلا کرتے ہوئے (تو جواب دیا جائیگا) کہ آج ایک دفعہ نہیں بلکہ کافی واویلا کرو (تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا) کہدو کیا یہ

خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَ

خوب ہے یا ہمیشہ کی جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے کہ وہ ہے ان کی جزا اور

مَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ

بازگشت ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے ہمیشہ ہوں گے یہ ہے تیرے رب کا وعدہ

وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن

سوال شدہ اور جس دن جمع کرے گا ان (کفار) کو اور ان کو جس کی عبادت کرتے تھے

مَكَانًا ضَيِّقًا۔ یعنی جہنمیوں کو دوزخ میں نہایت تنگی کی جگہ ملے گی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ دوزخ میں جانے والا اس طرح اس میں جائے گا جس طرح میخ دیوار میں جاتی ہے۔

مُقَرَّنِينَ۔ یعنی ان لوگوں کی گردنوں کی طرف ہاتھ باندھے ہوئے ہوں گے یا یہ کہ اپنے شیاطین کے ہمراہ جکڑے ہوئے ہونگے۔

ثُبُورًا۔ ثبور کا معنی ہلاکت ہے یعنی وہ واویلا اور وا ثبوراہ کی آواز بلند کریں گے۔

وَعْدًا مَّسْئُولًا۔ یعنی متقی لوگ نمازوں کے بعد یا عام مناجاتوں میں اللہ سے جنت کی دعا مانگتے ہیں۔ پس خدا نے ان کیساتھ جنت کا وعدہ فرمایا گویا یہ وعدہ ان کے سوال کی منظوری کے بعد ہے۔

شرک کا سبب

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی بروز محشر خداوند کریم مشرکوں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا خواہ ان کے معبود انبیاء و اولیاء ہوں یا ملائکہ ہوں یا چاند سورج ستارے یا اصنام ہوں پس ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا تو وہ صاف کہیں گے کہ نہیں۔ بلکہ ان کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے ان کو اپنی طرف سے وافر نعمتیں عطا فرمائیں جو وہ

دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ

اللہ کے سوا پس پوچھے گا کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود راستہ سے بھٹک

ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ

گئے تھے تو کہیں گے تو پاک ہے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ بنائیں تیرے علاوہ

مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا

کوئی ولی لیکن تو نے ان کو نفع دیا اور ان کے باپ دادا کو حتیٰ کہ تجھے یاد کرنا

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ

بھی بھول گئے اور ہو گئے ہلاک ہونے والے پس تمہیں (اپنے معبودوں نے) جھٹلا دیا جو تم کہتے تھے بس

فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ

وہ نہیں طاقت رکھتے عذاب لوٹانے کی اور مدد کرنے کی اور جو ظلم کرے تم میں سے اس کو چکھائیں گے

عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ

ہم بڑا عذاب اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ

تجھ سے مانگتے تھے اور تو دے دیتا تھا پس وہ عزے ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تجھے بھول گئے اور شیطان کے پھندے میں آ کر مشرک ہو گئے اور ان کے شرک کی وجہ بھی یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنی حاجتیں اور مرادیں غیر اللہ سے مانگتے ہیں اور خدا ان کی حاجات کو اپنی کریمی اور فضل کے ماتحت پورا کر دیتا ہے کیونکہ شانِ خداوندی یہی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیں انہوں نے ہی سب کچھ دیا ہے جن سے ہم مانگ رہے تھے پس ان کی یہ غلط فہمی ان کو حدِ شرک تک لے گئی کہ انہوں نے ان کو ہی اپنا حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا مان لیا اور خدا کو بھول گئے ورنہ جب وہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر مانگ رہے تھے پس خدا ان کی حاجات کو پورا نہ کرتا تو وہ خدا کی طرف ہی پلٹتے اور غیر اللہ کی عبادت سے بچ جاتے اور خداوند کریم کی طرف سے یہ بڑی آزمائش ہے۔ ہم نے دیکھا ہے ہندو لوگ مورتیوں اور بتوں کے سامنے اپنی حاجات کا ذکر کرتے تھے اور آخر ان کی بھی پوری ہو جاتی تھیں پس وہ ان کو اپنا دیوتا مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور یہی شرک کا مبنی ہے تو بروزِ محشر مشرکین کے معبود یہی جواب دیں گے کہ تیرا ان کی حاجات کو پورا کرنا حالانکہ وہ غیر اللہ سے مانگ رہے تھے ان کی گمراہی کا سبب ہے۔

أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

روٹی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور کیا ہم نے تمہارے بعض کو

فِتْنَةً ۗ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾ ع

بعض کے لئے آزمائش کیا تم صبر کرو گے ؟ اور ہے رب تیرا آگاہ

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ - پس خدا کی جانب سے مشرکوں کو ندا پہنچے گی کہ جس چیز کا تم دعوائے کرتے تھے تمہارے معبودوں نے اس کو جھٹلا دیا ہے۔ اور اب وہ نہ تو تم سے عذاب کو ٹال سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسری مدد کر سکتے ہیں پس اب سوچو اور سمجھو کہ جو بھی تم میں سے ظلم یعنی شرک کرے گا اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا - اب حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ صرف تو ہی نہیں بلکہ تجھ سے پہلے جس قدر رسول آتے رہے ہیں سب روٹی بھی کھاتے تھے اور گلیوں بازاروں میں بھی چلتے تھے اگر مشرکین مکہ اعتراض کریں تو اس کی پرواکئے بغیر اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھے۔

وَجَعَلْنَا - یعنی ہم نے لوگوں میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش اور فتنہ بنایا ہے۔ مثلاً امیر لوگ غریبوں کے لیے آزمائشگاہ ہیں اور فقیر لوگ امیروں کی آزمائش گاہ ہیں اسی طرح تندرست بیماروں کے لیے اور بیمار تندرستوں کے لیے اور خوبصورت بدصورتوں کے لیے اور بدصورت خوبصورتوں کے لیے وعلی ہذا القیاس۔ پس ہر ایک کو پروردگار نے صبر وضبط کی تلقین فرمائی ہے اور امیروں کا صبر یہ ہے کہ اپنی امیری پر شکر خدا بجالائیں اور فقیروں کے حقوق ادا کریں اور فقیروں کا صبر یہ ہے کہ خدا کی قضا پر صابر وشاکر رہیں اور حلال سے آگے قدم نہ رکھیں۔ اسی طرح ہر صنف کو دوسروں سے عبرت بھی لینی چاہئے۔ اور اپنے حال پر صابر وشاکر بھی رہنا چاہیے پس بیمار تندرست کو دیکھ کر اللہ سے تندرستی کی دعا مانگے اور صبر سے کام لے اور تندرست بیمار سے عبرت حاصل کر کے شکر نعمت اور حقوق کی بجاآوری کی کوشش کرے۔

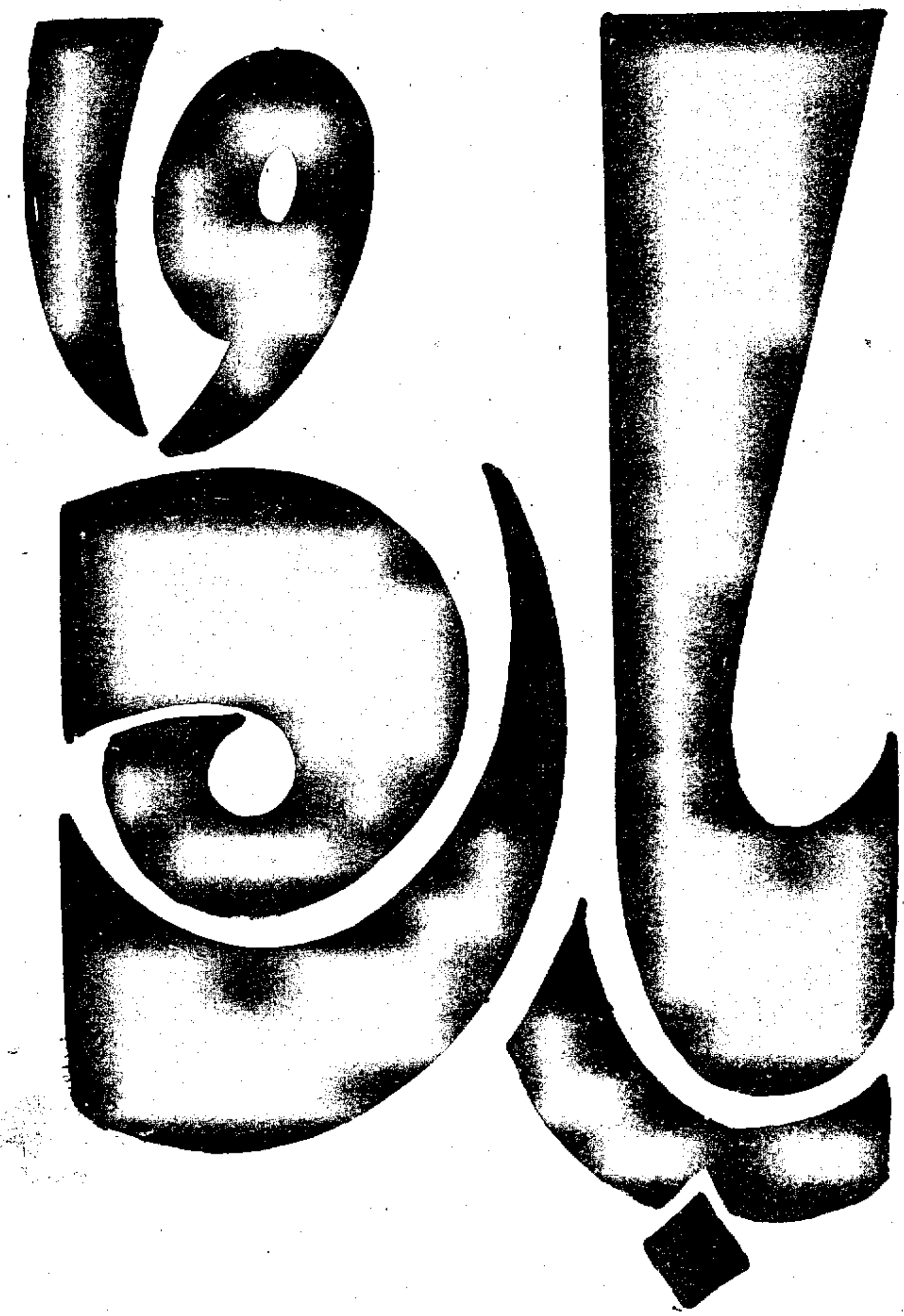

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی کیوں نہیں اتارے گئے ہم پر فرشتے یا (کیوں نہیں) دیکھتے ہم

نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اپنے رب کو تحقیق انہوں نے تکبر کیا اپنے نفسوں میں اور سرکشی کی سرکشی بڑی

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو تو نہ خوش خبری ہوگی اس دن مجرموں کو اور کہیں گے

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

(فرشتے) پکی حرام ہے (تم پر جنت کی خوشخبری) اور قصد کریں گے طرف ان کے عمل کے جو انہوں نے کئے تھے پس

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

کردینگے ان کو غبار پھیلا ہوا جنت والے اس دن اچھے ٹھکانے اور بہترین آرام گاہوں میں ہوں گے

رکوع نمبر ا

وَقَالَ الَّذِيْنَ۔ یعنی کافر و مشرک لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں اتارا گیا یا ہم خود اپنے ربّ کو کیوں نہیں دیکھتے تاکہ ہمیں وہ بتائیں کہ آپ سچے رسول ہیں۔

يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ یعنی بروز محشر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے لیکن اس وقت فرشتے انکو خوشخبری نہیں سنائیں گے بلکہ کہیں گے جاؤ تم پر جنت حرام ہے۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ اصل حجر رکاوٹ کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہاں ایک محاورہ نقل کیا گیا ہے کہ عربوں میں یہ دستور عام تھا جب کوئی شخص کسی جگہ اپنے دشمن کو دیکھتا تھا اور اسے ڈر ہوتا تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیگا تو یہ لفظ استعمال کرتا تھا کہ اس وقت تم میں اور مجھ میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی اور ہمارے لیے ایک دوسرے کا قتل ممنوع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں میں یہ لفظ دشمن ایک دوسرے کو کہتے تھے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی اب چونکہ حرمت والا مہینہ ہے لہٰذا ہم پر ایکدوسرے کا قتل عام حرام ہے پس وہاں فرشتے کہیں گے کہ تم پر جنت کا داخلہ یا خوشخبری حرام ہے یا یہ کہ مجرم لوگ دنیا میں جس طرح اپنے بچاؤ کے لیے یہ فقرہ استعمال کرتے تھے جہنم سے بچاؤ کے لیے فرشتوں کے سامنے

مَقِيلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾

اور جس دن پھٹے گا آسمان بادل سمیت اور اتارا جائے گا فرشتوں کو

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

ملک اس دن سچ مچ اللہ کا ہوگا اور وہ کافروں پر سخت ہوگا

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ

اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول کے ساتھ

الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾

راستہ ہائے افسوس کاش میں نے نہ بنایا ہوتا فلاں کو دوست

لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا

تحقیق اس نے مجھے گمراہ کیا ذکر سے بعد اس کے کہ میرے پاس پہنچا اور شیطان ہے انسان کو رسوا کرنے والا

بھی یہی فقرہ بولیں گے کہ ہمیں دوزخ سے معافی دی جائے لیکن وہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور دنیا میں ان کی ہوئی نیکیاں سب ہباءً منثور ہو جائیں گی۔

مَقِيلًا۔ قیلولہ کی جگہ اور قیلولہ دوپہر کے آرام کا نام ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہ ہوگی۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ۔ ویسے تو تمام آسمانوں اور زمین کا واحد مالک اللہ ہے لیکن دنیا میں شاہانِ وقت کو عارضی طور پر حکومت حاصل ہے پس بروز قیامت تو سوائے ذات سبحانہ کے کسی کی ذرّہ بھر بھی حکومت نہ ہوگی اور سب اس کے فضل کے محتاج ہوں گے۔

بُرے قرین سے تبرّا

وَيَوْمَ يَعَضُّ۔ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت عقبہ ابن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں اُتری۔ یہ دونو آپس میں دوست تھے اور عقبہ کا دستور تھا کہ ہر سفر سے واپسی پر دعوت دیکر اشراف مکّہ کو کھانا دیتا تھا اور جناب رسالتمآبؐ کے پاس بھی اکثر بیٹھا کرتا تھا ایک سفر سے واپسی پر اس نے حضورؐ کو بھی اپنے ہاں کھانے پر مدعو کر لیا۔ جب آپؐ اس کے گھر میں تشریف لے گئے تو فرمایا میں تیری دعوت نہ کھاؤں گا جب تک تو توحید پروردگار اور میری نبوت کا اقرار نہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادتین کو زبان سے جاری کر لیا اور حضورؐ نے کھانا تناول فرما لیا جب ابی بن خلف کو اطلاع ملی تو وہ اس پر ناراض ہوا کہ تو بے دین ہو گیا اس نے معذرت پیش کی کہ چونکہ وہ میرے کلمہ شہادتین کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کا بغیر کھائے چلا جانا میری توہین تھی۔ اس لیے وقتی طور پر میں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابی ابن خلف نے کہا میں تیرے اوپر تب راضی

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور رسول کہے گا اے پروردگار تحقیق میری قوم نے کر دیا اس قرآن کو متروک

ہوں گا کہ تو جا کر ان کے منہ پر تھوک دے (معاذاللہ) اس ملعون نے ویسا ہی کیا اور مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گیا۔ آخر کار جنگ بدر میں ذلیل ہو کر مارا گیا اور ابی بن خلف کو خود حضورؐ نے جنگ احد کے دن اپنے ہاتھوں دارالبوار پہنچایا۔ عقبہ نے جب حضورؐ کی طرف تھوکا تھا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے اپنے منہ پر پڑی تھی جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے تھے اور آخر عمر تک اس کے منہ پر یہ داغ رہا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ وسیلہ میں جو وفات پیغمبرؐ کے سات دن بعد جب کہ جمع قرآن سے فارغ ہو چکے ارشاد فرمایا ان دونوں نے میرے ساتھ اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ یہ دونو ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے۔ یَا لَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ الخ۔ یعنی کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا پس تو میرا برا ساتھی تھا اور کہیں گے یَا لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا۔ کاش فلاں کو میں نے اپنا دوست نہ بنایا ہوتا کہ اس نے مجھے ذکر سے روک لیا اور شیطان ہی انسان کو رسوا کرتا ہے۔ پس میں وہ ذکر ہوں جس سے انہوں نے منہ پھیرا۔ اور میں وہ سبیل ہوں جس سے وہ روگردان ہوئے اور میں وہ ایمان ہوں جس کا انہوں نے انکار کیا اور میں وہ قرآن ہوں جس کو انہوں نے چھوڑ دیا اور میں وہ دین ہوں جس کی انہوں نے تکذیب کی اور میں وہ صراط ہوں جس سے انہوں نے پہلو تہی کی

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے یہ آیتیں قریش کے دو آدمیوں کے حق میں نازل ہوئیں جو ظاہر میں ایمان لا چکے تھے اور در حقیقت منافق تھے۔ جس دن صحابہ میں صیغہ مواخات جاری ہوا تو وہ دونو ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنے پس ایک نے دوسرے کو راہ مستقیم سے روکا اور دونو ہلاک ہوئے۔ بروز محشر دونو کی حسرت کا خدا ذکر فرما رہا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر پشیمان ہوں گے

بہر کیف تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ آیات عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں ہیں لیکن اس کی تاویل بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے اور اس کی تاویل بھی زندہ ہے اور روایات آل محمدؐ سے بکثرت وارد ہیں کہ رسالت مآبؐ کے بعد جن لوگوں نے ولایت علی کو ترک کیا اور عہد غدیری کو توڑ کر خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے وہ ظالم ہیں اور بروز قیامت وہ اپنے اس کرتوت پر پشیمان ہوں گے اور ایک دوسرے سے بیزاری بھی کریں گے لیکن اس وقت یہ باتیں ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث نہ بن سکیں گی۔ اور حضورؐ بھی فریاد کریں گے کہ میری قوم و امت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح ہر دوست اپنے دوست سے بروز قیامت بیزار ہو گا۔ جن کی دوستی دین کی دشمنی کی موجب بنی تھی۔

قَالَ الَّذِیْنَ۔ کفار مکہ کے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو تورات و انجیل کی طرح یکمشت اکٹھا کیوں نہیں نازل ہوا۔ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ یہ تیرے دل کی تقویت کے لیے ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً جبریل کا آنا

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ

اور اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن مجرموں میں سے اور کافی ہے تیرا رب

هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہادی اور مددگار اور کہا کافروں نے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن

الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ

کو ایک دفعہ یہ اس لئے تاکہ مضبوط کریں ہم اس سے تیرے دل کو اور اس کو ہم نے

تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ

واضح کیا خوب اور نہیں لائے تیرے پاس وہ کوئی مثال مگر یہ کہ ہم نے بھیج دیا حق اور بہترین تفسیر (جواب میں)

تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ

وہ لوگ جنہیں کہ منہ کے بل جہنم کی طرف محشور کیا جائے گا ان کا برا

اور آیات کا موقعہ بموقعہ نازل ہونا تقویت اسلام اور تسکینِ مومنین کے لیے بہت اچھا بہانہ تھا اور کفار کو اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس لیے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کے دلائل کافی دیئے جا چکے تھے۔ اور پھر قرآن کا چیلنج بھی ہو چکا تھا جو منصف مزاج طبقہ کے لیے کافی تھا۔

وَرَتَّلْنَاهُ۔ کھلا اور واضح نازل کیا یا یہ کہ ہم نے اس کو مناسب مواقع پر ایک آیت کے بعد دوسری کو وقتاً فوقتاً اتارا یا یہ کہ ہم نے اس کو مفصّل و مبرہن نازل کیا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ۔ یعنی کافر لوگ جو بھی تمثیل بیان کریں ہم اس کے جواب میں حق کی بہترین تفسیر نازل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يُحْشَرُونَ۔ تفسیر برہان میں عنیبت نعمانی سے مروی ہے کہ منہ کے بل وہ لوگ محشور ہوں گے جو پیغمبر کے بعد مرتد ہو گئے۔ اور بیعت کو توڑ کر ناکثین کے زمرہ میں شامل ہوئے اور اپنے نبی کے حقیقی جانشین سے لڑے جو ان میں عالم فاضل سید حامل لوا مالک کوثر اور حجت خدا تھا اور کعبہ کے رب کی قسم وہ علیؑ ہی ہے۔ جو سب سے اعلم واقدم تھا۔ (الحدیث ملخصاً)

رکوع ۲

فَدَمَّرْنَاهُمْ۔ تدمیر اور تتبیر دونوں مترادف ہیں اور ان کا معنی ہے ہلاک کرنا۔

اصحاب رس وَأَصْحَابَ الرَّسِّ۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) رس کنوئیں کا نام ہے جس میں کافروں نے اپنے نبی کو زندہ ڈال کر

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

ٹھکانا اور نہایت بدطریقہ ہے اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور

جَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ ج فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ

کیا ہم نے ساتھ اس کے ہارون کو وزیر پس ہم نے کہا جاؤ طرف اس

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ ط وَقَوْمَ نُوْحٍ

قوم کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک کیا اچھی طرح اور قوم نوح نے جب

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ط وَ

جھٹلایا رسولوں کو تو ان کو ہم نے غرق کر دیا اور کیا ان کو لوگوں کے لئے نشانی اور

اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ ج وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَ

تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے عذاب دردناک اور عاد و ثمود اور

اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا

اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کیا) اور ہر ایک کے لئے ہم نے

اُوپر پتھر سے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیون و علل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک شخص نے شہادت سے تین روز قبل اصحاب رس کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو نے ایسی بات دریافت کی جو آج تک کسی نے نہیں پوچھی اور تجھے میرے سوا کوئی دوسرا بتا بھی نہیں سکتا اور میں وہ ہوں کہ مَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اٰيَةٌ اِلَّا اَعْرِفُهَا وَاَعْرِفُ تَفْسِيْرَهَا وَفِيْ اَيِّ مَكَانٍ نَزَلَتْ مِنْ سَهْلٍ اَوْ جَبَلٍ وَفِيْ اَيِّ وَقْتٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ وَاِنَّ هٰهُنَا لَعِلْمًا جَمًّا وَاَشَارَ اِلٰى صَدْرِهٖ وَلٰكِنَّ طُلَّابَهٗ يَسِيْرٌ وَعَنْ قَلِيْلٍ تَنْدِمُوْنَ لَوْ فَقَدْتُمُوْنِيْ۔

یعنی قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں اس کی تفسیر کو جانتا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں اتری ہے۔ سہل میں یا جبل میں اور کس وقت اتری ہے دن کو یا رات کو اور تحقیق یہاں علم کا سمندر موجود ہے (اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لیکن اس کے طلب کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اور عنقریب جب میں نہ ہوں گا تو تم پشیمان ہو گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ یہ لوگ درخت صنوبر کی پوجا

لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ

بیان کیں مثالیں اور ہر ایک کو ہم نے ہلاک کیا اچھی طرح اور تحقیق آئے اس بستی پر جس پر

کرتے تھے اور اسے شاہ درخت کہا جاتا تھا۔ طوفان کے بعد خداوند کریم نے حضرت نوح کے لیے ایک چشمہ پیدا کیا۔ جس کا نام روشاب تھا۔ اور یافث بن نوح نے اس کے کنارے پر درخت صنوبر بویا تھا۔ اصحاب رس کے بارہ شہر تھے جو نہایت آباد اور سرسبز وشاداب تھے۔ پس خدا نے ان میں یہود بن یعقوب کی اولاد سے ایک نبی بھیجا جو ان کو بت پرستی سے منع کرتا تھا۔ پس انہوں نے ایک کنواں کھودا اور نبی کو اس میں ڈال کر اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ خداوند کریم نے ان کو گرفتار عذاب کیا۔ چنانچہ اوپر سے تیز و تند سرخ آندھی چلی اور نیچے سے زمین گندھک بن کر آتش فشاں بن گئی۔ اور آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ جن سے آگ برسنے لگی۔ پس وہ جھلس کر فی النار ہو گئے اور قمی سے منقول ہے کہ رس ایک نہر کا نام ہے جو آذربیجان میں تھی۔ (ملخصاً)

دوسرا قول یہ ہے کہ مالدار لوگ تھے مال مویشی چراتے تھے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر بت پرستی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب ؑ ان کے نبی تھے انہوں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پس خدا نے کنوئیں کو خشک کر دیا اور ان کو زمین نگل گئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ رس یمامہ میں ایک بستی تھی اور اس کا نام فلج بھی تھا جنہوں نے اپنے نبی کو قتل کیا۔ پس عذاب میں گرفتار ہوئے

چوتھا قول یہ ہے کہ حنظلہ نبی کی اُمت ہے۔ انہوں نے نبی کو قتل کیا اور خود مبتلائے عذاب ہوئے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ انطاکیہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام رس ہے جس میں حبیب نجار کو قتل کیا گیا۔

چھٹا قول یہ ہے کہ اصحاب رس وہ لوگ تھے جن کی عورتیں آپس میں مساحقت کرتی تھیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے آپ سے سحق کی سزا پوچھی تو آپ نے فرمایا اس کی سزا زانی کی سزا کے برابر ہے تو اس نے قرآن سے اس کا ثبوت طلب کیا تو آپ نے فرمایا اصحاب رس سے یہی تو مراد ہے اور بروایت قمی آپ سے ایک عورت نے دریافت کیا جو عورت دوسری عورت کے ساتھ فعل بد کرے اس کی کیا سزا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو بروز قیامت آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور اس کے اندر آگ کے عمود داخل ہوں گے اور اس کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس عورت نے کہا یہ قرآن مجید میں تو کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا اصحاب رس پر عذاب اسی فعل بد کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔

وَلَقَدْ أَتَوْا۔ اہل مکہ اور بالخصوص قریشی لوگ جو بالعموم شام کی طرف بغرض تجارت آمد و رفت رکھتے تھے اور قوم لوط کی زمین سے گذرتے تھے۔ جہاں ان پر عذاب آیا تھا اسی کی یاددہانی کرا رہا ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ لوگ کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس بستی کا نام سدوم تھا۔

أَرَأَيْتَ۔ مشرکین مکہ کا یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی اچھا درخت یا خوبصورت پتھر ان کی آنکھوں میں جچ جاتا اور دل کو بھا جاتا تھا تو پہلے خدا کو چھوڑ کر اس کو خدا بنا لیتے تھے اور اس کی منتیں نیازیں دینے لگ جاتے تھے۔ ایک عرب ایک دفعہ اپنے مصنوعی خدا (بت)

الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ط اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا

پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ سخت تو کیا انہوں نے ان کو نہیں دیکھا؟ بلکہ یہ

لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ط

قیامت کی اُمید نہیں رکھتے اور جب وہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرے ساتھ مسخری کرنے لگتے ہیں

اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ تحقیق قریب تھا کہ ہمیں اپنے خداؤں سے بھٹکا دے

لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ط وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ

اگر ہم نہ ثابت قدم رہتے اس پر اور عنقریب جان لیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو

کی عبادت کرنے یا منت ماننے کے لیے آیا تو دیکھا کہ ایک لومڑی اس پر پیشاب کر رہی تھی۔ پس فوراً اس نے یہ شعر کہا ؎

وَرَبٌّ یَبُوْلُ الثُّعْلُبَانُ بِرَاْسِهٖ لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَیْهِ الثَّعَالِبُ

ترجمہ: بعض ایسے رب بھی ہیں جن کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی پھرتی ہیں بے شک وہ بڑا ذلیل ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کریں۔

اَمْ تَحْسَبُ (صفحہ ۱۸۰) یعنی جناب رسالت مآبؐ کو ارشاد ہوا کہ تقریر سننے والوں کی زیادتی سے یہ خیال نہ کرو کہ ان کی اکثریت بات کو سنتی اور سمجھتی ہے اور ہمیشہ یہی دستور ہے۔ سننے والے حاضرین میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سننے والوں میں سے سمجھنے والے اور بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو انسان نما حیوان بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی (صفحہ ۱۸۱) اللہ اپنی عمومی نعمتوں کی یاددہانی کرا رہا ہے کہ دیکھو میں نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا اور اگر چاہتا تو یہ سایہ ہر وقت ٹھہرا رہتا لیکن میں نے دھوپ کے ذریعے سے اس کو آنے جانے والا کر دیا اور دھوپ اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ سائے کی پہچان ہی دھوپ سے ہوتی ہے جس طرح کہ ہر ضد اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ شمس کا معنی سورج بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی دھوپ بھی ہوتا ہے پس سایہ دھوپ نکلنے کے بعد تھوڑا تھوڑا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور زوال کے بعد بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروب کے وقت بالکل چھا جاتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ رات تمہارے لیے لباس بن گئی کہ اس میں خفیہ کام انجام دے سکتے ہو۔ اور دن کے کاروبار

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ

کہ کون بھٹکا ہوا ہے راستہ سے کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے بنالیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا تو ہوگا

تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ

اس پر نگران ؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کی اکثریت بات سنتی یا سمجھتی ہے

اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

وہ تو نہیں مگر چوپاؤں جیسے بلکہ ان سے بھی زیادہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تیرے رب نے کس طرح پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو کرتا اس کو ساکن

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا

پھر کر دیا ہم نے دھوپ کو اس پر دلیل پھر ہم اس کو (سورج نکلنے کے بعد) اکھٹاتے گئے

يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا

تھوڑا تھوڑا اور وہ وہ ہے جس نے بنایا رات کو تمہارا لباس اور نیند کو راحت

سے تھک جانے کے بعد نیند کو آرام کا باعث قرار دیا گیا پھر تر و تازہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ سورج کو مشرق سے نکال کر تمہیں اٹھنے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا موقعہ دیا۔

مَآءً طَهُوْرًا[۱۸۲]۔ طہور کے تین معانی ہیں (۱) طاہر کا مبالغہ طہور ہوتا ہے (۲) جس کے ساتھ طہارت کی جائے اس کو بھی طہور کہا جاتا ہے۔ پس پانی اور مٹی دونو طہور ہیں (۳) طہارت کو بھی طہور کہا جا سکتا ہے جس طرح وارد ہے۔ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِطَهُوْرٍ

اَنَاسِيَّ۔ یا تو انسان کی جمع ہے اور یا دوسری نون کا عوض ہے اور یا انسیّ کی جمع ہے جس طرح کرسی کی جمع کراسی ہوتی ہے۔

بارش کا پانی تفسیر صافی میں بروایت فقیہ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اہل دنیا پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں بارش نہ برسی ہو۔ البتہ اس کو خدا پھیر پھیر کر برساتا ہے کسی دن کسی علاقہ میں اور کسی دن کسی علاقہ میں ورنہ اگر ایک جگہ ٹھہری رہے تو آبادی کی بجائے تباہی کی موجب ہو جائے۔

خداوند کریم نے قرآن مجید میں بارش کے پانی کو بالعموم مبارک پانی کہا ہے اور ماہ نیسان جو تقریباً ہندی مہینوں کے لحاظ

سے بیساکھ کے مہینے کے مطابق ہوتا ہے۔ اس ماہ میں برسنے والی بارش کے فوائد بہت زیادہ منقول ہیں غرضیکہ اس کو ہر دکھ و بیماری کے لیے مفید کہا گیا ہے چنانچہ اکثر گھروں میں پڑھے لکھے لوگ اس کو جمع کرکے رکھ دیتے ہیں اور سال بھر میں حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پیٹ کی تکلیف کے مریض کو بارش کا پانی جو باعث برکت ہے اور شہد جو باعث شفاء ہے اور عورت کے حق مہر میں سے کوئی شے جو بطیب خاطر دے دے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے ھنیاً مریاً کہا ہے ان تینوں کو ملا کر پی لینے کا حکم دیا چنانچہ وہ شخص صحتیاب ہو گیا۔ تفسیر کی جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۱۱ پر حکایت گزر چکی ہے۔ بارش کے پانی کو خدا نے طہور کہا ہے اور فقہائے امامیہ کے نزدیک یہ آب جاری کے حکم میں ہے جب کہ اس قدر برسے کہ اسے بارش کہا جاسکے اور اس کی حد یہ بتلائی گئی ہے کہ سخت زمین پر وہ جاری ہو جائے۔

مسئلہ۔ جس نجس زمین پر کم از کم بارش برسے اگر اس پر عین نجاست موجود نہ ہو تو وہ پاک ہو جائے گی۔

مسئلہ۔ اگر نجس کپڑا یا کوئی دوسری چیز جس پر عین نجاست موجود نہ ہو بارش میں رکھی جائے تو تر ہو جانے کے بعد وہ پاک سمجھی جائیگی۔

مسئلہ۔ جو تھوڑا نجس پانی زمین پر موجود ہوگا اگر رنگ بو اور مزہ اس کا تبدیل نہیں تو بارش کے پڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو چکا ہو تو وہ پاک نہ ہو گا جب تک اس کی یہ صفات زائل نہ ہوں۔

مسئلہ۔ جس آدمی نے غسل کرنا ہو تو بدن سے نجاست کو دور کرکے نیت کرکے بارش میں کھڑا ہو جائے۔ پس پورے جسم کے تر ہو جانے کے بعد اس کا غسل ہو جائے گا اور یہ غسل ارتماسی شمار ہو گا۔

مسئلہ۔ بارش کا پانی زمین پر پڑی ہوئی نجس چیز کو اس وقت پاک کرتا ہے جب کہ براہ راست اُوپر پڑ رہی ہو۔ ورنہ اگر پہلے کسی دوسری چیز پر پڑے اور وہاں سے نجس پر ٹپک رہی ہو تو وہ پاک نہیں ہو گی۔ لہذا چھت سے ٹپکنے والا پانی یا درخت کے پتوں سے گرنے والا مطہر نہیں ہو گا۔

مسئلہ۔ بارش برسنے کے دوران میں زمین پر چلنے والا پانی یا اکٹھا کھڑا ہوا پانی پاک سمجھا جائے گا۔ اگرچہ آنکھوں کے سامنے اس میں سے کتا ہی گذر رہا ہو۔ یہ ایسا ہے جس طرح دریا نہر میں سے کتے کا گذرنا اس کی نجاست کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بارش بھی چونکہ آب جاری ہے اور زمین والا پانی اس سے اتصال رکھتا ہے لہذا نجس نہیں ہوتا البتہ بارش رک جانے کے بعد اگر کتا گذر جائے یا کوئی دوسری نجاست اس میں نظر آجائے تو کر سے زیادہ ہونے کی صورت میں پاک ہو گا ورنہ نجس سمجھا جائیگا۔

مسئلہ۔ اگر تالاب کا پانی جس میں آب کثیر ہے اور نجاست کے پڑنے سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو جائے۔ پس وہ نجس ہو گا اور اوصاف ثلثہ کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود پاک نہ ہو گا۔ جب تک اس کا اتصال آب جاری یا آب کثیر سے نہ ہو پس ایسے تالاب پر اگر بارش ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ کتے پر اگر بارش پڑ جائے اور وہ گھر میں داخل ہو کر کسی پاکیزہ برتن یا کپڑے یا جسم انسانی سے مس ہو جائے یا وہ بدن کو حرکت دے اور پانی کے قطرات اُڑ کر دوسری چیزوں پر پڑیں تو اس کو بارش کا پانی سمجھ کر پاک نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ نجس ہوں گے اور

وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ

اور بنایا دن کو اٹھنے کے لئے اور وہ وہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو اس کی رحمت (بارش) کی

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ

خوش خبری دینے کے لئے اور اتارا ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ زندہ کریں

پاک چیز جو اس سے مس ہو جائے گی وہ بھی نجس ہوگی۔

مسئلہ۔ زمین پر کھڑا ہوا نجس پانی خواہ تالاب و حوض میں ہو یا کسی برتن میں بارش کے پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا۔ خواہ اس کے بعد اس کو ڈھانپ ہی کیوں نہ دیا جائے۔ کیونکہ نجس پانی کی طہارت کے لیے آب کثیر سے صرف ملاقات ضروری ہے۔ پس جس طرح برتن کے اندر کا نجس پانی بارش پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا اسی طرح وہ برتن بھی پاک ہوگا۔ جس میں پانی موجود ہے۔

بہرکیف بارش کو اللہ نے کلام مجید میں تین نام دیئے ہیں (۱) مبارک چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا یعنی ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل کیا (۲) طہور چنانچہ اسی آیت نمبر ۴۸ میں ہے (۳) رحمت جیسا کہ اسی آیت میں ہے کہ ہم اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتے ہیں۔ طہور اور مبارک ہونے کے متعلق قدرے بیان ہو چکا ہے اور اس کا رحمت ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ اس کی تشریح توضیح واضحات میں سے ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ جن سبزیوں باغوں اور کھیتوں کو نہری پانی سے سیراب کیا جائے۔ وہ بھی بارش کے محتاج ہوتے ہیں چنانچہ بارش کی وجہ سے جس طرح ان کی ظاہری رونق میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح دانہ پھل اور نشوونما میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ لذت اور ذائقہ نیز ان کی افادی حیثیت میں نمایاں ترقی ہو جاتی ہے جس کو زراعت کے فن سے وابستگی رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس علاقہ میں ایک عرصہ تک بارش نازل نہ ہو وہ علاقہ گوناگوں بیماریوں اور تکلیفوں کا مرکز بن جاتا ہے لوگوں کے لیے بلکہ حیوانوں اور حشرت الارض تک کے لیے بارش کی تاخیر ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے پس جس طرح بارش کے نزول سے موسم میں خوشگوار سماں پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح انسانوں کے مزاج میں بھی عمدگی اور بہتری اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور انسانی طبائع خود بخود تندرستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور آئی ہوئی آفات سماویہ اور پھیلی ہوئی امراض جسمانیہ کا فوری طور پر خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کا کوئی بدل نہیں ناشکرے اور بے قدرے انسانوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ الٹا اس کی اس نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ کا انکار نعمت کر کے ٹھکرا دیا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ۔ یعنی دو دریا جب آپس میں ملتے ہیں تو دور دور تک چلے جاتے ہیں لیکن میٹھا میٹھا رہتا ہے اور تلخ تلخ باوجود ظاہری رکاوٹ نہ ہونے کے ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پس درمیان میں قدرتی حد موجود ہے پس اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ اور جیسی طور پر مرغی کے انڈے میں سفیدی اور زرد رنگ کا پانی موجود ہوتے ہیں جو بغیر ظاہری حد کے ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور ایک کا اثر دوسرے سے جداگانہ رہتا ہے۔

بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾

اس کے ذریعے مردہ شہروں کو اور سیراب کریں اپنی مخلوق میں سے چوپاؤں کو اور بہت سے لوگوں کو

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

اور تحقیق پھیر پھیر کر برسایا ہم نے ان کے درمیان تاکہ نصیحت لیں پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ کفران نعمت

كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾

کیا اگر ہم چاہتے تو بھیج دیتے ہر بستی میں نذیر

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ

پس نہ اطاعت کرو کافروں کی اور جہاد کرو ان سے اس (قرآن) کے ساتھ بڑا جہاد اور وہ

الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ

وہ ہے جس نے ملا دیا دو دریاؤں کو کہ یہ میٹھا طیب ہے اور وہ نمکین کھارا ہے اور

۱۸۳ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔ چونکہ مٹی کو خدا نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے حضرت آدمؑ بھی پانی کی پیداوار ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اولادِ آدم مراد ہے جو نطفہ سے پیدا ہوئی پس اولادِ آدم میں سے جو مرد ہیں وہ نسب ہیں اور عورتیں صہر ہیں کیونکہ بیٹوں سے نسب کا سلسلہ ہوتا ہے اور بیٹیوں سے دامادی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں ابن سیرین سے منقول ہے کہ اس کی تاویل بشر سے مراد حضور رسالتمآبؐ ہیں اور نسب سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور بروایت ابن شہر آشوب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی تاویل منقول ہے۔ اور تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ابن سیرین کہتا ہے کہ یہ آیت حضرت رسالتمآبؐ اور علیؑ و بتولؑ کے حق میں اُتری ہے اور حضورؐ نے فرمایا۔ لَوْ لَمْ يُخْلَقْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِب عليه السلام لَمَا كَانَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام كُفُوًا۔ یعنی اگر علی پیدا نہ ہوتا تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے علی سے فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا كَانَ لَهَا كُفُوٌ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ۔ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو روئے زمین پر فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔

۱۸۴ اِلَّا مَنْ شَآءَ۔ یعنی میں تم سے قرآن اور تبلیغ کی اُجرت و فیس نہیں مانگتا البتہ جو شخص خوشنودیٔ خدا کے لئے کچھ خرچ کرنا چاہے تو اس کو میں منع نہیں کرتا بلکہ تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ و خیرات کیا کرو۔

۱۸۵ ثُمَّ اسْتَوٰى۔ اس کی تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۲ نیز جلد ۹ صفحہ ۱۷ پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ

کر دی ان کے درمیان ایک حد اور رکاوٹ مضبوط اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا (نطفہ) پانی

بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

سے انسان کو پس کیا اس کو نسب اور صہر اور تیرا رب قادر ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ

اللہ کے سوا اس کی جو نہ ان کو نفع دیتا ہے اور نہ نقصان پہنچاتا ہے اور ہے کافر اپنے رب کے خلاف

عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ

معاون (شیطان کا) اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کہدو ہیں

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ

تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اختیار کرے اپنے رب کی طرف راستہ

سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ

اور توکل کر اوپر اس زندہ کے جو نہ مرے گا اور تسبیح کر اس کی حمد کی

فَاسْئَلْ بِهٖ یعنی اللہ کی معرفت کے متعلق واقف کار سے سوال کرو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ ہی اس سے مراد ہیں۔ اور لبعضوں نے کہا ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے اور مجمع البیان میں ہے یہودیوں نے اشیاء کی ابتدائی تخلیق کے متعلق جو بیان کیا تھا وہ قرآن کے خلاف تھا۔ اللہ نے ان کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے کہ یہ باتیں اللہ سے دریافت کرو۔ جو اس چیز کا خبیر ہے۔

نُفُوْرًا ۔ قرآن پڑھتے ہوئے اس آیت مجیدہ کو پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً سجدہ کرنا مستحب ہے۔ اور اس کا طریقہ پہلے سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کیا چکا ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۵۷

رکوع نمبر ۴

بُرُوْجًا ۔ شمس و قمر کے دائرہ گردش میں بروج و منازل کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کا تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۷ کے صفحہ ۱۴۷ سے صفحہ ۱۵۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔ اور شب و روز کے گھٹنے اور بڑھنے کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر گذر چکی ہے۔ پس ان اُمور کی حکمت و مصلحت میں غور و خوض کرنا معرفت پروردگار کا محرک ہے اور صاحبان عقل و دانش کے لیے توحید خالق کی بہترین دعوت ہے۔

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٨ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور کافی ہے وہ کہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ

اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متصرف ہوا عرش پر جو رحمٰن ہے

فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

پس دریافت کر اس کے متعلق واقف کار سے اور جب کہا جائے ان کو کہ سجدہ کرو رحمٰن کے لئے تو کہتے ہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝٦٠ سجدہ ع ۳

کون رحمان ؟ کیا سجدہ کریں ہم جس کا تو کہے اور زیادہ ہوتے ہیں دوری میں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے بنایا آسمان میں برجوں کو اور بنایا اس میں سورج

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ ؀۱۸ یعنی اللہ کے خالص بندوں کی یہ علامتیں ہیں جو اگلی آیات میں تفصیل وار بیان کی گئی ہیں (۱) زمین پر باوقار اور پُرسکون ہو کر چلتے ہیں کوئی تکبر و بڑائی ان کی رفتار سے ظاہر نہیں ہوتی (۲) جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کریں تو اللہ کے بندے ان کا جواب طیش و غصہ سے یا چھچھورے پن سے نہیں دیتے بلکہ ایسی بات کرتے ہیں جس میں دنیا و دین کی سلامتی کا راز مضمر ہوتا ہے پس ان کا دن سلامتی کا ضامن اور ان کی رات ان کے خالق کے درمیان قرب و وصال کا سماں پیدا کرتی ہے (۳) رات کو عبادت یعنی سجود و قیام میں گذارتے ہیں۔ (۴) اللہ سے عذاب جہنم کے دفع کرنے کی دعائیں مانگتے ہیں یعنی اللہ کے بندوں کی یہ شان ہے کہ کثرت عبادت ان کو خوفِ خدا سے الگ نہیں کرتی بلکہ جس قدر عبادت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کے دل میں عظمت و جلال پروردگار زیادہ ہوتا ہے اور دلوں پر رعب طاری ہوتا ہے اور اس کی گرفت کا ڈر پیش نظر رہتا ہے۔ اسی لئے معصوم نے فرمایا ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے دو پہلوؤں کے درمیان بند ہوتا ہے وہ ایک طرف اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور دوسری طرف اس کی گرفت کا ڈر رکھتا ہے۔ اور یہ دونو وزن میں برابر ہوتے ہیں (۵) اللہ کے نیک بندوں کی یہ علامت ہے کہ خرچ کرنے میں فضول خرچی اور کنجوسی دونوں سے بچ کر درمیانہ خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے ناجائز خرچ کرنا اسراف ہے اور حق پر نہ خرچ کرنا کنجوسی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اپنے کھانے اور پینے میں کوئی اسراف نہیں ہوتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور چاند روشنی دینے والا ۔ اور وہ وہ ہے جس نے کیا رات اور دن کو ایک دوسرے کے

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

بعد آنے والا واسطے اس کے جو چاہے معرفت حاصل کرے یا چاہے شکر گذار بنے اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ

چلتے ہیں اوپر زمین کے وقار سے اور جب ان سے خطاب کریں جاہل لوگ

قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾

تو کہیں سلامتی کی بات ۔ اور وہ ہیں جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدہ و قیام کی حالت میں

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار پھیر ہم سے دوزخ کا عذاب تحقیق اس کا عذاب

نے فرمایا اسراف اس میں ہے جو جسم و مال کو نقصان دے اور کنجوسی یہ ہے کہ طاقت کے باوجود نمک روٹی پر گذارا کرے اور میانہ روی گوشت روٹی وغیرہ ہے (صافی) جلد ۹ صفحہ ۲۴ پر بھی اشارہ گذر چکا ہے (۶) ان کی چھٹی علامت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے (۷) ان کی ساتویں علامت یہ ہے کہ نفس محترمہ کو قتل نہیں کرتے ناجائز طور پر البتہ قصاص کے طور پر یا شرعی حد کی صورت میں واجب القتل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے (۸) ان کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ اثام جہنم میں ایک وادی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبہ ہوگا اس میں وہ جلے گا جو غیر اللہ کی پرستش کرے یا نفس محترمہ کا قاتل ہو۔ اور زانی لوگ بھی اس وادی میں ہوں گے۔

يَخْلُدْ فِيْهٖ۔ قرآن مجید میں یہ ایک مقام ہے جہاں فِيْهٖ میں ہا ضمیر کے نیچے کسرہ کو پر کر کے یاء کی حد تک پہنچایا جاتا ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ۔ یعنی توبہ کرنے کے بعد توبہ کرنے والے کے اعمالنامہ میں برائی کی بجائے نیکی لکھی جائے گی اور گناہ کی جگہ ثواب درج ہوگا گویا سابق شرک کی بجائے توحید پرستی اور سابق زنا کی جگہ عفت و پاکدامنی اس کے نامۂ اعمال میں ہوگی۔

تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہماری اہل بیتؑ کی محبت گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے اور ہمارے محبوں کے مظالم عباد خدا اپنے ذمہ لے لے گا۔ بشرطیکہ انہوں نے مومنوں کی حق تلفی اور ضرر رسانی نہ کی ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت صحیح مسلم حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بروز محشر ایک

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ إِذَا

سخت ہے تحقیق وہ بری کا رہائش گاہ اور برا مقام ہے اور وہ ہیں کہ جب

أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

خرچ کریں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں اور ہے (ان کا خرچ) ان کے درمیان متوسط

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ

اور جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس نفس کو جو

حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾

اللہ نے حرام کیا ہے مگر جائز طور پہ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ فعل کرے گا پائے گا اس کا بدلہ

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

کہ دگنا کیا جائے گا اس کا عذاب قیامت کے دن اور اس میں ہمیشہ ذلیل رہے گا

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ

مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے پس تبدیل کرے گا

مردِ مومن کو جب لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ اس کو چھوٹے گناہ دکھائے جائیں اور اس کے گناہانِ کبیرہ کو مٹا دیا جائے اور وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوگا لہٰذا اس کی برائیوں کی جگہ پر نیکیاں لکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ بندہ خود حیران ہوگا کہ میرے گناہ کہاں چلے گئے۔ ابوذرؓ کہتا ہے حضورؐ نے یہ حدیث بیان کی اور اس قدر ہنسے کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

وَالَّذِيْنَ ۔ (۹) ان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ بے حیائی، فحش اور گانے بجانے کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے اور روایات اہل بیتؑ میں زور سے مراد گانا ہے۔ دورِ حاضر میں جو مجلس آل محمدؐ کے فضائل و مصائب کے نام سے منعقد کی جاتی ہے اگر اس میں گلوکاری اور فلمی گانوں کی نقالی ہی مال مجلس ہو تو یقیناً اس میں حاضر ہونا مجلسِ زُور میں حاضر ہونا ہے اور ثواب تو بجائے خود یہ عمل گناہ کبیرہ ہے۔

(۱۰) ان کی دسویں صفت یہ ہے کہ جب کسی ناشائستہ جگہ سے گذریں یا گناہ کے مقام سے گذریں تو چپکے سے دامن بچا کر چلے جاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا ۔ ان کی گیارہویں علامت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے وعظ و نصیحت کے لئے آیات خداوندی کی تلاوت کی جائے تو وہ آیات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور تفکر و تدبر کر کے معرفت کی منازل پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا

اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنۡ تَابَ وَ عَمِلَ

اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو توبہ کرے اور عمل

صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ

صالح بجا لائے تو پلٹے گا اللہ کی طرف اچھا پلٹنا اور وہ جو نہیں حاضر ہوتے گانے (کی مجالس) میں

الزُّوۡرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا

اور جب گذریں گناہ کی چیزوں کے پاس سے تو شریفانہ گذر جاتے ہیں اور وہ کہ جب ان کو نصیحت کی جائے

بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّ عُمۡیَانًا ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ

اپنے رب کی آیتوں سے تو نہیں پڑتے ان کے خلاف بہرے اور اندھے ہو کر اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے

رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ

رب بخش ہمارے لئے ہماری ازواج اور ہماری ذریت میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور کر ہمیں متقیوں کا

اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً

امام ایسے لوگوں کو جزا دی جائے گی بلند درجہ کی بوجہ صبر کے اور بھیجا جائے گا ان میں ان پر

وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ

تحیہ وسلام ہمیشہ رہیں گے اس میں وہ بہترین جائے رہائش اور قیام گاہ ہے کہہ دیجئے کیا پرواہ تھی تمہاری میرے

لَوۡ لَا دُعَآؤُکُمۡ ۚ فَقَدۡ کَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

رب کو اگر نہ بلاتا تم کو (ایمان کی طرف) پس تم نے جھٹلایا تو عنقریب ہوگا (عذاب) ضروری

نہیں کہ بہروں کی طرح سنیں یا اندھوں کی طرح ان کی طرف نہ دیکھیں اور اپنے ضد پر ڈٹ کر پڑے رہیں۔

۱۳؎ یَقُوۡلُوۡنَ۔ اس آخری صفت کے بلکہ بیان کردہ جمیع اوصاف کے حقیقی مصداق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ البتہ بعض صفات شیعان آل محمدؐ کے چیدہ چیدہ افراد میں پائی جاتی ہیں۔ خدا ہم سب کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غلامی کی صحیح توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ۔ کفار کو خطاب ہے کہ خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی تم خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہو یا کونسی اس کی بگڑی بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہ دیتا یعنی دُعاؤکم میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی اگر خدا تم کو اسلام کی طرف نہ بلاتا تو اس کو پروا تو نہ تھی لیکن صرف اتمام حجت اور اقتضائے مصلحت کے ماتحت اس نے تم کو دعوت اسلام بھیجی ہے جس کو تم نے جھٹلایا اور انجام میں جہنم کے حقدار ہوئے۔

فرامین آئمہ سے اس کا معنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کو کیا پرواہ تھی اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تم کو دوزخ میں بھیجدیتا۔ بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ قرأت افضل ہے یا دعا ہے تو آپ نے فرمایا دعا افضل ہے۔ پھر آپ نے استشہاد کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔

تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تمہاری عبادت نہ ہو۔ پس دعا کو عبادت کے معنی میں لیا گیا ہے۔ پس اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جو اس کی عبادت نہ کرے اور فرمانبردار نہ ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

چوتھا معنی یہ کیا گیا ہے کہ خدا کو تمہارے عذاب میں گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر تمہارا بعض دوسرے بعض کو شرک و کفر کی دعوت نہ دیتا لیکن چونکہ تم نے جھٹلایا تو اب عذاب کا انجام لازمی ہے

۹ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء ۵ بجکر ۲۶ منٹ شب جمعہ تقریباً پونے ۸ بجے تفسیر سورۂ فرقان سے فارغ ہوا ہوں۔ اور خدا سے دعا ہے کہ مجھے بہت جلد اپنی کتاب کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بجاہ محمد وآلہ الطاہرین۔

سُورۂ شُعَرآء

یہ سُورہ مکیّہ ہے صرف آخری چار آیتیں مدنی ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد دوسو ستائیس ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۲۲۸ ہے

تفسیر برہان میں بروایت صدوق ابوبصیر سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص طواسین ثلثہ (وہ تین سورتیں جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہیں) کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ اولیاء اللہ سے ہو گا۔ اللہ کے جوارِ رحمت میں اور اس کی حفاظت میں ہو گا نیز وہ دنیا کی کوئی تنگی نہ دیکھے گا اور آخرت میں اس قدر جنت اس کو ملے گی کہ وہ راضی ہو گا اور اس سے بھی زیادہ اس کو ملے گی اور ایک سو حور عین سے اس کی شادی ہو گی۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا نکلے گا اور صبح سویرے جو اس کی تلاوت کریگا گویا اس نے تمام کتب سماویہ کی تلاوت کی اور جو شخص اس کو لکھ کر پانی سے دھو کر پئے وہ ہر بیماری سے شفا پائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر ایک مُرغ کلغی دار کی گردن میں باندھے تو وہ مرغ اس کے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ خزانے کے اُوپر پہنچ کر کھڑا ہو جائے گا یا جس جگہ وہ ٹھہرے گا۔ وہاں پانی نزدیک ہو گا (از خواص القرآن)

حضورؐ نے فرمایا جو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتا رہے اس کے گھر میں چور داخل نہ ہو گا اور نہ وہ جلے گا اور نہ غرق ہو گا پھر حدیث سابق کی مثل ہے لیکن یہاں مرغ سفید کا ذکر ہے اور یہ کہ یا وہ مرغ خزانے پر ٹھہرے گا یا جادو کے مقام پر رکے گا اور اپنی چونچ سے کھود کر اس کو ظاہر کر دے گا۔ (از خواص القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(شروع کرتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ

طٰسٓمّٓ یہ آیتیں ہیں کتاب مبین کی شاید تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے آپ کو

اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ وہ مومن نہیں ہوتے اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی

اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ

پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے لئے کہ وہ جھکنے والے ہوں اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی

ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾ فَقَدۡ

ذکر رحمٰن کی طرف سے نیا مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں پس تحقیق

کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا

انہوں نے جھٹلایا پس آئیں گی ان کے پاس خبریں اس کی جس کے ساتھ وہ مسخری کرتے تھے کیا انہوں نے نہیں

رکوع نمبر ۵

طٰسٓمّٓ۔ آلمٓ۔ کی تفسیر میں حروف مقطعات قرآنیہ کے متعلق بحث گذر چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت محمد بن حنفیہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طٰسٓمّٓ جب نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا ط طور سینا، س اسکندریہ اور م مکہ ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ط سے مراد درخت طوبیٰ ہے اور س سے سدرۃ المنتہیٰ اور م سے محمد مصطفےٰؐ مراد ہیں۔

تِلۡکَ آیات۔ تلک اشارہ ہے غائب کی طرف یعنی ان آیات کی طرف جو ابھی بعد میں اُترنے اور پڑھی جانے والی ہیں یعنی یہ وہی آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا جا چکا ہے اور ممکن ہے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہو، اور مبین سے مراد ہے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔

بَاخِعٌ۔ یعنی ہلاک کرنے والا۔ حضورؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ قریش مکہ کے ایمان نہ لانے سے آپؐ کیوں غمزدہ ہیں اگر ہم چاہیں تو آسمان

إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۞ إِنَّ فِي

دیکھا زمین کی طرف کہ کس قدر پیدا کئے ہم نے اس میں اچھے جوڑے تحقیق اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۞ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے حالانکہ ان میں سے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب غالب

سے ایک نشانی اتاریں جس سے سب کی گردنیں جھک جائیں۔ لیکن یہ تقاضائے مصلحت کے خلاف ہے۔

فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ۔ یہاں ظلّت افعالِ ناقصہ میں سے ہے اور اعناق اس کا اسم اور خاضعین اس کی خبر ہے۔ یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعناق غیر ذوی العقول میں سے ہے اور خاضعین ذوالعقول کی جمع کا صیغہ ہے لہٰذا حمل کیسے درست ہوسکتا ہے تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) اصل میں أَصْحَابُ الْأَعْنَاقِ تھا یعنی گردنوں والے جھک جائیں گے تو مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر کھڑا کیا گیا ہے (۲) اعناق سے مراد رؤسا اور امراء کا طبقہ یا یہ کہ عنق سے مراد جماعت اور اعناق یعنی جماعتیں لوگوں کی جھک جائیں گی۔ ان کے علاوہ اور تاویلیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

روایات اہل بیتؑ میں بالتواتر منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور آسمانی نشانی سے مراد وہ آواز ہے جو آسمان سے آئے گی حتیٰ کہ ہر پردہ نشین عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر سن لے گی اور اہل مشرق و مغرب سن سکیں گے اور امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ آسمان کی جانب سے ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام اہل زمین سنیں گے وہ حجۃ اللہ کی آمد اور ان کے ظہور کا اعلان کرے گا کہ بیت اللہ کے پاس وہ ظاہر ہو چکے ہیں لہٰذا اس کی اتباع کرو۔

مِنْ ذِكْرٍ۔ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور کئی مقامات پر ذکر سے مراد قرآن لیا گیا ہے یعنی جب بھی قرآن کی کوئی نئی آیت اترے تو یہ لوگ ازراہِ حسد و عناد منہ پھیر لیتے ہیں۔ خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے فرمایا کہ اب تو وہ تکذیب کرتے ہیں لیکن اس مسخری اور روگردانی کا مزہ ایک دن ضرور چکھیں گے۔

زَوْجٍ كَرِيمٍ۔ یعنی زمین پر ہم نے انسانوں کے منافع کے لئے ہر جنس کا جوڑا جوڑا اگایا ہے مقصد یہ ہے کہ مختلف قسم کے میوہ جات سبزیاں، پھل وغیرہ پیدا کئے ہیں اور کریم سے مراد ہے کہ وہ قابلِ شکر اور قابلِ عزت ہیں اور ہم نے زمین سے اُگنے والی اشیاء کے جوڑے ہونے کی وضاحت تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۸ میں صفحہ ۴۰ پر کی ہے۔

رکوع ۶ حضرت موسیٰؑ کا ذکر

خداوند کریم نے اپنے حبیبؐ کی دل جوئی کے لئے سابق انبیاء کے قصے بیان کئے ہیں تاکہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی سے غمزدہ نہ ہوں، اور اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں تتلاہٹ کی وجہ جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۷۵ پر دیکھئے۔

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ ع وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٓ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ

مہربان ہے اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے

الظَّالِمِينَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝١١ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ

پاس یعنی قوم فرعون کے پاس کیا وہ خوف نہ کریں گے کہا اے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ

أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝١٢ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ

وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان میں روانی نہیں پس بھیج طرف

إِلَىٰ هَارُونَ ۝١٣ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝١٤ قَالَ

ہارون کے (کہ میری مدد کرے) اور ان کا میرے اوپر ایک دعویٰ ہے پس ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں فرمایا

عَلَيَّ ذَنْبٌ۔ یعنی قبطیوں کا میرے اُوپر ایک دعوٰی ہے اور وہ یہ کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ انتقام میں وہ مجھے قتل کر دیں۔

جناب رسالت مآبؐ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ میرے بھائی موسیٰؑ نے کوہ طور پر اپنے پروردگار سے مناجات کی تھی آخر میں خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ڈرو مت کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس کا جواب حضرت موسیٰ نے جو دیا تھا اس کا ذکر خدا خود فرماتا ہے (کہ میں ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں لہٰذا مجھے ان سے قتل کا اندیشہ ہے) لیکن اس طرف علی کو دیکھو کہ میں نے اس کو سورہ برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا ہے حالانکہ علی ان کے کافی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے لیکن نہ ڈرا نہ گھبرایا اور نہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کا خوف کیا مکہ والے علی پر دانت پیستے رہے کیونکہ علی کے ہاتھوں کسی کا باپ مارا جا چکا تھا اور کسی کا بھائی قتل ہو چکا تھا۔ پس خدا نے اس کو محفوظ رکھا اور وہ واپس بخیریت مدینہ میں پہنچ گیا۔ (المجالس المرضیہ)

فَاذْهَبَا۔ یہاں عبارت محذوف ہے یعنی خدا نے ان کی دعا کو مستجاب کیا اور ہارون کو موسیٰؑ کا ساتھی قرار دے کر اب دونو کو جانے کا حکم دیا اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے

قَالَ أَلَمْ۔ یہاں بھی عبارت محذوف ہے کہ دو لوگ گئے اور فرعون کو پیغام حق سنایا۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرعون نے موسیٰؑ کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور دروازے بند کر لئے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو سب دروازے کھل گئے۔ پس آپ سیدھے تخت فرعون کے سامنے چلے گئے اور بے دھڑک پیغام خداوندی سنا دیا تو فرعون نے جواب میں کہا۔ تجھے ہم نے بچپنے میں پالا ہے اور کئی سال (ابن عباس

كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ

ہرگز نہیں پس تم دونو جاؤ ہماری آیات کے ساتھ تحقیق ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں پس جاؤ فرعون کے

فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

پاس پس کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

﴿۱۷﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ

(فرعون) کہنے لگا کیا تجھے ہم نے بچپنے میں پالا نہیں اور تو ٹھہرا ہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال؟

سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾

اور کیا تو نے وہ کام (قبطی کا قتل) جو کیا حالانکہ تو انکار کرنے والا تھا (ہمارے احسان کا)

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ

کہا (موسیٰ نے) میں نے وہ اس وقت کیا جبکہ میں راستہ سے بھٹکا ہوا تھا پس تم سے بھاگ گیا جب کہ تم سے ڈرا

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

پس عطا کی مجھے میرے رب نے نبوت اور بنایا مجھے رسولوں میں سے اور کیا یہ احسان ہے جو

سے ۱۸ برس منقول ہیں) تو نے ہمارے ہاں گذارے۔ پھر تو نے ہمارے سب احسانات کو فراموش کر کے ایک قتل بھی کر لیا؟ آپؑ نے فرمایا مجھ سے جو قتل ہوا ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر ہوا ہے کیونکہ میرا ارادہ قتل کا نہ تھا یا یہ کہ یہ قتل مجھ سے اس وقت ہوا، جب کہ میں کہیں جاتے ہوئے اپنا راستہ گم کر چکا تھا۔

حُكْمًا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت نبی بنائے گئے بلکہ نبوت اور اس کی استعداد پہلے سے تھی اور اسی بناء پر تو اللہ نے اس کو فرعون کے شر سے (قتل اور دیگر خطرناک مقامات سے محفوظ رکھا اور دوسری دایہ عورتوں کا دودھ اس پر حرام قرار دیا وغیرہ پس اب گویا اعلان نبوت کا مجھے حکم ملا ہے اور رسول ہو کر تیرے پاس آگیا ہوں۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ۔ اور فرعون نے چونکہ اپنے احسانات جتلائے تھے اور موسیٰ کو پروردہ نعمت قرار دے کر مرعوب کرنا چاہا تھا تو موسیٰؑ نے نہایت بے دھڑک ہو کر دو ٹوک بات کہدی کہ یہ تیرا کونسا احسان ہے کہ تو نے میری پوری قوم کو اپنا غلام اور قیدی بنا رکھا ہے اگر وہ تیری قید میں نہ ہوتے تو مجھے اپنے گھر میں اپنی ماں خود پالتی یا یہ کہ تو نے چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیا ہے

تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ

تو جتلا رہا ہے مجھ پر ؟ کہ تو نے اپنا عبد بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو فرعون نے کہا

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور ربّ العالمین کیا ہے ؟ (جس کا تو رسول ہے) فرمایا آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان کے اندر ہے اگر تم یقین کرتے ہو (کہ رب ایسا ہونا چاہیئے) اس نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم نہیں سُن

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ

رہے ہو ؟ آپ نے فرمایا تمہارا رب اور تمہارے گزشتہ باپ دادوں کا بھی رب ہے اس نے کہا تحقیق یہ رسول جو تمہاری

الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۶﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے (موسےٰ نے کہا) وہ مشرق و مغرب کا رب

الْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَئِنِ

ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم عقل رکھتے ہو (فرعون) کہنے لگا اگر تو نے

اور اس ڈر سے میری ماں نے مجھے دریا میں ڈال دیا اگر بنی اسرائیل کو تو قیدی نہ بناتا اور ان کے بچوں پر قتل کا ظلم نہ کرتا تو میری ماں مجھے دریا میں نہ ڈالتی اور تیری تربیت کی نوبت نہ آتی تو یہ تیرا احسان نہیں بلکہ تیرے ظلم نے یہ اسباب خود پیدا کئے جن کو تو اب احسان کا نام دے رہا ہے بلکہ درحقیقت یہ تو تیرے ظلم کا پس منظر ہے۔ جس پر بجائے اترانے کے تجھے پچھتانا چاہیے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو اس کی تردید نہ کر سکا پس فوراً کلام کا رُخ بدلتے ہوئے کہنے لگا وہ کون ربّ العالمین ہے جس کا رسول بن کر تو آیا ہے بہ یہ بات یاد رہے کہ فرعون نے لفظ [illegible] سے سوال کیا جو طلب حقیقت کے لئے آتا ہے اور ماہیت تامہ جواب میں مطلوب ہوتی ہے اور چونکہ خداوند کریم جنس سے بلند و بالا ہے اور اس کی کنہ حقیقت تک رسائی کسی کے بس میں نہیں البتہ وہ اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے پس حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سوال کے جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے صفات خداوندی کے بیان کو شروع کر دیا کیونکہ فرعون کا سوال غلط اور نافہمی کی بناء پر تھا۔ پس فرمایا عالمین کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ربّ العٰلمین کی شان یہی ہے گویا حضرت موسیٰؑ نے افعال خداوندی سے ذات خدا کی معرفت کا درس دیا تو فرعون نے جھلا کر حاضرین مجلس کی طرف دیکھا

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ

میرے علاوہ کوئی اور معبود بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا آپ نے کہا کیا

جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

لاؤں میں تیرے سامنے ایک معجزہ ظاہر؟ اس نے کہا لے آ اگر ہے تو سچا

﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ

پس ڈالا اپنے عصا کو تو وہ ایک اژدہا تھا سچ مچ اور آستین سے ہاتھ باہر

اور ازراہ حیرت ان سے کہنے لگا کہ سنتے ہو جو یہ کہہ رہا ہے ؟ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو آگے بڑھا کر فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے تو اس کا جواب فرعون کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ کہا یہ جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ دیوانہ ہے اور جھوٹے اور لاجواب ضدی انسان کا آخری حربہ یہی ہوا کرتا ہے کہ اخلاق کی حدود کو توڑ کر زبان سے جو چاہے بڑبڑاتا چلا جائے حضرت موسیٰ نے دامن استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ جذبات کی طرف آئے، اس کی بکواس پر کان دھرے بغیر آگے بڑھے اور فرمایا وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے پس فرعون نے لاجواب ہو کر دھمکی دی کہ اگر تم مجھے خدا نہ مانو گے تو میں تم کو قید کر لوں گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنی صداقت پر معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ جب اس نے مانگا تو آپ نے دو معجزے دکھائے عصا کو زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا اور ہاتھ کو آستین سے باہر نکالا تو ید بیضا ہو گیا، واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ ص۶۷ تا ص۷۲ ملاحظہ فرمایئے۔ بروایت قمی اژدہا کے ڈر سے فرعون کے حاشیہ نشین سب دوڑ گئے۔ اور فرعون خود بھی ڈر کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ پس موسیٰ کو اپنے اللہ کا اور بچپنے کی تربیت کا واسطہ دیا تو موسیٰ ؑ نے عصا کو اٹھا لیا۔ تب فرعون کا ہوش ٹھکانے آیا۔ پس ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ہامان نے کہا شرم کر اب تک تو معبود بنا بیٹھا تھا۔ اب کسی اور کا عبد بننا چاہتا ہے۔

رکوع نمبر ۷

قَالَ لِلْمَلَاِ۔ یعنی ہوش ٹھکانے آیا تو سرداران قوم سے مشورہ طلب کیا۔

اَرْجِهْ۔ اس کی تفسیر جلد نمبر ۶ ص۷۲ پر دیکھئے۔

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ۔ یعنی ہم جادوگروں کی بات کو مانیں گے مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی اتباع سے چھٹکارا ملے ورنہ جادوگروں کی اطاعت وہ کیسے کرتا جو اپنے اوپر خالق کی اطاعت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک ہزار جادوگر جمع ہوتے تھے۔ تفسیر صافی سے ان کی تعداد ستر ہزار منقول ہے (تفسیر سورہ طہٰ) پھر ان میں سے ایک سو کا انتخاب ہوا۔ اور

فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا

کیا تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے کہا سرداروں کو جو اس کے ارد گرد تھے تحقیق یہ

لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ

ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم کو نکال دے اپنی زمین سے بذریعہ اپنے جادو کے پس

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ

تم کیا مشورہ دیتے ہو کہنے لگے ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں

حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں ہر بڑے ماہر جادوگر کو پس اکٹھے ہو گئے جادوگر

لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

مقرر دن کے معین وقت میں اور کہا گیا لوگوں کو کیا تم بھی جمع ہو گے ؟

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

شاید ہم تابع ہوں گے جادوگروں کے اگر وہ غالب آئے پس جب جادوگر آگئے

پھر ان میں سے ۸۰ ماہر جادوگروں کو چنا گیا۔ پس انہوں نے فرعون سے کہا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت روئے زمین پر ہم سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں ہے۔ پس اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم میدان جیت گئے تو میں تم کو اپنے ملکی معاملات میں اپنا مقرب بناؤں گا پھر جادوگروں نے کہا اگر موسیٰؑ ہم پر غالب آجائے اور ہمارے جادو کو باطل کر دے پس ہم سمجھیں گے کہ اس کا کرشمہ جادو نہیں پس ہم ایمان لانے پر مجبور ہوں گے تو فرعون نے جواب دیا اگر موسیٰ تم پر غالب آجائے تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر اس کی تصدیق کر لوں گا لیکن تم اپنے ہنر میں کمی نہ کرنا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اسی ذراع بلند گنبد نما چبوترے پر بیٹھتا تھا جس کے اوپر صیقل شدہ لوہے کی چادر چڑھی تھی کہ دن کی چمک پڑنے کے بعد اس کی طرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ۔ یعنی ان لوگوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا ہم ضرور غالب ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے عصا ڈال کر زمین پر پہنچتے ہی تانبے کی طرح پگھلا پھر اژدہا بن کر اس نے باچھیں کھول لیں اس کا اوپر کا ہونٹ فرعون کے تخت کے اوپر

قَالُوا لِفِرۡعَوۡنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۴۱﴾

تو فرعون سے کہنے لگے کیا ہمارے لئے کوئی اُجرت ہوگی اگر ہم جیت گئے

قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى

(فرعون نے) کہا ہاں اور تحقیق تم تو پھر میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے فرمایا ان کو موسیٰ نے پھینکو جو تم

اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلۡقَوۡا حِبَالَهُمۡ وَعِصِيَّهُمۡ

پھینکنے والے ہو پس انہوں نے پھینکا اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو

وَقَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلۡقٰى مُوۡسٰى

اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم تحقیق ہم ضرور غالب ہیں پس ڈالا موسیٰ نے

عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ

اپنا عصا تو وہ فوراً نگل گیا اس کو جو انہوں نے جھوٹ بنایا تھا پس گر گئے سب جادوگر سجدہ

سٰجِدِيۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوۡسٰى وَ

کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا رب

تھا اور دوسرا ہونٹ نیچے لٹکایا پس وہ جادوگروں کے سب مصنوعی سانپوں کو ہڑپ کر گیا لوگوں پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ بے تحاشا ڈر کے مارے بھاگ نکلے حتیٰ کہ اس بھیڑ میں دس ہزار کے قریب زن و مرد اور بچے کچلے گئے فرعون و ہامان کا ڈر سے کپڑوں میں پاخانہ نکل گیا اور بال سفید ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور حضرت موسیٰ پر بھی خوف طاری ہوا چنانچہ ارشاد ہوا ڈرو نہیں سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى کہ اس کو ہم پہلی شکل پر پلٹا دیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی وجہ ہم نے جلد نمبر ۶ ص۴۰ پر بیان کی ہے اور باقی قصہ بھی مفصل لکھا ہے نیز جلد نمبر ۹ ص۱۲۷ پر بھی کافی وضاحت کی گئی ہے۔

اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی تھے ورنہ بنی اسرائیل ان سے پہلے ایمان لا چکے تھے

رکوع نمبر ۸

وَاَوۡحَيۡنَاۤ۔ خداوند کریم نے موسیٰ کو وحی کی کہ قوم بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ کیوں کہ وہ تمہارے تعاقب میں آئیں گے۔

فَاَرۡسَلَ۔ فرعون نے اپنے ملازمین تمام شہروں میں بھیجے تاکہ ایک عظیم لشکر جمع کر کے ان کا تعاقب کیا جائے اور حضرت

هَارُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ

(فرعون نے) کہا تم ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یہ تمہارا بزرگ ہے

الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

جس نے تم کو جادو سکھایا ہے پس عنقریب اس کا نتیجہ دیکھو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ قَالُوْا لَا

پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دوں گا اور ضرور تم کو سولی پر سب کو لٹکا دوں گا کہنے لگے کوئی

ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

حرج نہیں تحقیق ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ بخشے گا رب ہمارا ہماری

خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ ع وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ

خطاؤں کو کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں اور ہم نے وحی کی موسیٰ پر کہ رات کو لے چلو

۱

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی جن کو فرعونی ایک قلیل جماعت سمجھ رہے تھے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون کا لشکر ان سے کہیں زیادہ تھا اور تفسیر مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق وہ دس لاکھ مسلح فوجی نوجوان تھے جب کہ موسیٰؑ کی قوم میں زن و مرد اور بچے بوڑھے بھی موجود تھے اور سب کے سب نہتے شہر سے باہر نکلے تھے کیونکہ ان کی زندگی غلامانہ تھی۔

حٰذِرُوْنَ۔ کو بعضوں نے حَذِرون پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ حاذر اس کو کہتے ہیں جو دشمن کے خوف کی وجہ سے اس کے مقابلہ کے لئے چوکنا ہوشیار اور پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہو، اور حَذِر وہ ہے جو دشمن کے خطرہ سے آگاہ ہو، خواہ اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو یا نہ ہو۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ۔ یعنی ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کو وہاں سے نکالا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غرقابی کے بعد تسلّط عطا کیا باقی قرآنی آیات اور تفاسیر و کتب سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل واپس مصر نہیں گئے لیکن یہاں اُن کا مصر پر تسلط ظاہر ہے تو شاید پہلے مصر پر قبضہ کر کے دوبارہ آمادہ سفر ہوئے ہوں اور فلسطین کی طرف جا آباد ہوئے ہوں اور تیہ میں سرگردانی کا واقعہ بھی شاید اسکے بعد کا ہے

قَالَ كَلَّا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا بالکل نہ گھبراؤ کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ جو میری رہبری فرمائے گا۔ پس خدا نے پانی پر عصا مارنے کا حکم دیا اور موسیٰ نے پانی پر عصا مارا تو درمیان میں راستہ پیدا ہوا اور

أَسْرِ بِعِبَادِيٓ إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

میرے بندوں کو تحقیق تم تعاقب کئے جاؤگے پس بھیجے فرعون نے شہروں میں (کارندے لوگوں کو) اکٹھا

حٰشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا

کرنے والے کہ تحقیق یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور تحقیق وہ ہم پر غصے

لَغَآئِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حٰذِرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنٰهُم مِّن جَنّٰتٍ

ہوگئے ہیں اور تحقیق ہم سب کو ان سے خطرہ ہے پس ہم نے نکالا ان کو باغات اور

وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٥٩﴾

چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح اور ہم نے وارث کیا ان کا بنی اسرائیل کو

اور پانی کا ہر ایک کنارہ ایک بلند پہاڑ کی طرح نظر آنے لگا۔ اور اس کا مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد میں ص۱۲۶ تا ص۱۲۸ مذکور ہے اس میں مفسرین کو اختلاف ہے کہ وہ دریائے نیل تھا یا بحر قلزم اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہو کر صحرائے سینا کی طرف آرہے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل حائل نہیں ہوتا لہٰذا بحر قلزم ہی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ پانی مصر اور صحرائے سینا کے درمیان حائل ہے۔

فِرْقٍ۔ افتراق کے بعد ہر کنارہ ایک فرق ہوگیا اور یہ اسم ہے اور مصدر فرق ہے۔

اَزْلَفْنَا۔ جب حضرت موسیٰؑ اور اس کی جماعت کے سب آدمی پانی میں داخل ہو چکے تو فرعون لشکر سمیت کنارے پر آن پہنچا پس اس کا گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرایا تو حضرت جبریل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پس گھوڑی کو دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی پانی میں اتر آیا اور جب پوری قوم پانی میں داخل ہو چکی اور اُدھر آخری آدمی موسیٰؑ کی قوم کا باہر پہنچ چکا تو خدا نے پانی کے پاٹ کو ملا دیا۔ پس دونو کنارے آپس میں مل گئے اور فرعون پوری قوم سمیت غرق ہوگیا۔

(ملخصاً از صافی)

مَا كَانَ۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپؐ قوم کے ایمان نہ لانے سے گھبرائیں نہیں۔ بلکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اور اُمتیں اپنے زمانہ کے انبیاء کو ستاتی رہی ہیں اور حق کا انکار کرتی رہی ہیں اور نتیجہ میں خدا اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کو کامیاب کرتا ہے۔ اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصریوں میں سے صرف تین آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک آسیہ زن فرعون اور دوسرا مومن

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝٦٠ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى

پس انہوں نے تعاقب کیا ان کا دن چڑھے پس جب دیکھا ایک دوسرے کو دونوں جماعتوں نے تو کہا موسیٰ کے ساتھیوں نے

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝٦١ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝٦٢ فَاَوْحَيْنَآ

کہ ہم گرفتار ہونے والے ہیں فرمایا ہرگز نہیں تحقیق میرے ساتھ میرا رب ہے مجھے راستہ بتلائے گا پس ہم نے وحی کی

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ

طرف موسیٰ کے کہ مار اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو پس وہ پھٹ گیا پس ہوگیا ہر کنارہ بلند

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝٦٣ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٤ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى

پہاڑ کی طرح اور قریب کیا ہم نے ان کے گزرنے کے بعد دوسروں کو اور نجات دی ہم نے موسیٰ کو

وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝٦٥ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٦ اِنَّ فِيْ

اور اس کے سب ساتھیوں کو پھر غرق کر دیا ہم نے دوسروں کو تحقیق اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٦٧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب ہی

آل فرعون اور تیسری ایک مریم نامی عورت تھی۔

رکوع نمبر ۹ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر

وَاتْلُ۔ پہلے حضورؐ کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا کہ اس کا مقابلہ سخت ترین دشمن خدا سے تھا اور حضرت موسیٰؑ نے ثبات قدمی و استقلال کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا یہ جد انبیاء ہیں اور عرب لوگ ان کی نسل سے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔

فَاِنَّهُمْ۔ ضمیر غائب ذوی العقول کے لئے لائی گئی۔ حالانکہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے بُت غیر ذوی العقول تھے گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے معبود اور تم اور تمہارے بُت پرست آباء سب کے سب میرے دُشمن ہیں سوائے ایک معبود کے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ وہی خالق ہے اور اچھائی کی طرف رہبری کرنے والا ہے وہی رازق ہے جو طعام اور پانی عطا فرماتا ہے اور بیمار ہونے کے بعد شفاء بھی وہی عطا فرماتا ہے۔ اور موت وحیات کا مالک بھی وہی ایک خدا ہے۔ اور اُسی سے اُمید وابستہ ہے کہ بروز قیامت لغزشوں سے معافی دے دے۔

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ

غالب رحم کرنے والا ہے اور پڑھ ان پر خبر ابراہیم کی جب اس نے

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

اپنے چچے اور اس کی قوم سے کہا کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی پس ہم ان کی عبادت

عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ

پر ثابت قدم ہیں کیا وہ سنتے ہیں تمہاری بات جب تم ان کو بلاتے ہو اور تمہیں نفع یا نقصان

أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

دے سکتے ہیں؟ کہنے لگے ہم نے دیکھا ہے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے تھے

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ

فرمایا دیکھئے کہ جس کی عبادت کرتے ہو تم اور تمہارے باپ دادا

الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي

گذشتہ تحقیق وہ میرے دشمن ہیں سوائے پروردگار عالمین کے جس نے

خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾

مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے ہدایت کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھانا دیتا ہے اور سیراب کرتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعوت میں جہاں باطل خداؤں کے نقائص بیان کئے۔ وہاں ساتھ ساتھ اللہ کے اوصاف کا ذکر بھی کیا تاکہ باطل سے تبرّی کے بعد حق سے تولّی پیدا ہو جائے۔ گویا پہلے لَا اِلٰہ کو واضح کیا اور پھر اِلَّا اللّٰہ کو ثابت کیا اور یہی حق رسالت ہے جو انہوں نے ادا فرمایا۔

یَغْفِرَلِیْ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء معصوم ہوتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لغزشوں کی بخشش کی اُمید کیوں ظاہر کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مُراد اُمت کی لغزشیں ہیں جن کے آپ شفیع ہوں گے اور چونکہ معافی کے لئے شفاعت آپ کریں گے اس لئے نسبت اپنی طرف دیدی جس طرح سورۂ فتح میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ۔ حضورؐ کو کہا گیا ہے نسبت حضورؐ کی طرف اور مُراد اُمّت کے گناہ ہیں جن کی آپؐ شفاعت فرمائیں گے۔

حُكْمًا۔ یہاں حکم سے مُراد حکمت یا علم یا نبوت باختلاف اقوال لی گئی ہے۔

لِسَانَ صِدْقٍ۔ اس کا لفظی ترجمہ ذکر خیر ہے یعنی بعد میں آنے والے مجھے اچھے الفاظ سے یاد کریں اور اس کی تاویل حضرت علیؑ

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ

اور کہا جائے گا ان کو کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا کیا تمہاری مدد کر سکتے

يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں پس منہ کے بل ڈالے جائیں گے اس میں وہ اور ان کے گمراہ پرستار

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

اور ابلیس کے لشکر سب کہیں گے درحالیکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے

تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

خدا کی قسم تحقیق ہم تھے کھلی گمراہی میں جب کہ تم کو ہم برابر کرتے تھے رب العالمین کے ساتھ

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا

اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرموں نے (جن کی ہم نے تقلید کی) پس نہیں کوئی ہماری شفاعت کرنے والا

صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

اور نہ دوست قریبی پس کاش ہمارے لئے پلٹنا ہوتا تو ہم ہو جاتے مومنوں میں سے

بعد میں دوسرے لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر مشرک بنے اور تفسیر صافی میں بروایت قمی معصوم سے مروی ہے کہ ہم اپنے گنہگار شیعوں کے لئے اس قدر شفاعت کریں گے کہ دشمنوں کی حسرت بڑھے گی اور کہیں گے ہائے ہمارا نہ کوئی دوست ہے شفاعت کرنیوالا اور نہ کوئی قرابتدار ہے جو مدد کرے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ مومن قیامت کے دن اپنے قرابتدار کی شفاعت کرے گا حتیٰ کہ اپنے خادم کے متعلق بھی کہے گا اے میرے اللہ یہ میرا خدمت گذار تھا کہ جو مجھے سردی وگرمی کی تکالیف سے بچاتا تھا پس اس کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اسی طرح اپنے ہمسایوں اور اپنے احسان کرنیوالوں کے حق میں شفاعت کرے گا۔ جو مقبول ہو گی اور ایک مومن کم از کم تیس آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا۔ ملخصاً

رکوع نمبر ۱ حضرت نوح کا ذکر

كَذَّبَتْ۔ فعل کو مؤنث لایا گیا ہے کیونکہ قوم بتاویل جماعت ہے اور اگرچہ انہوں نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو جھٹلایا تھا لیکن چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب کے برابر ہے اس لئے ان کی طرف تمام رسولوں کی تکذیب منسوب کی گئی گویا انہوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝٨٠ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝٨١

اور جب میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جو مارے گا پھر زندہ کرے گا

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝٨٢ رَبِّ هَبْ

اور وہ جس سے امید کرتا ہوں کہ بخشے گا میری لغزشوں کو قیامت کے دن اے پروردگار! عطا کر

لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝٨٣ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ

مجھے حکم اور مجھے ملا دے ساتھ صالحین کے اور کر میرے لئے ذکر خیر پیچھے آنے

فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝٨٤ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝٨٥ وَاغْفِرْ

والوں میں سے اور کر مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے اور بخش

لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝٨٦ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝٨٧

میرے چچا کو کہ تحقیق وہ گمراہوں میں سے تھا اور نہ رسوا کر مجھے قیامت کے دن

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝٨٨ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝٨٩

جس دن نہ نفع دے گا مال اور نہ اولاد مگر جو آئے اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٩٠ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝٩١

اور سجائی جائے گی جنت متقیوں کے لئے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لئے

کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے لئے آخرین میں لسانِ صدق حضرت علیؑ ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا واغفر لابی۔ حضرت ابراہیمؑ کا چچے کے لئے بخشش کی دعا کرنا اور اس کی وجہ تفسیر کی جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۳۲ پر مذکور ہے اور مفصل قصہ جلد نمبر ۹ میں صفحہ ۲۲۹ تا صفحہ ۲۳۹ بھی مذکور ہے۔

يَنْصُرُوْنَكُمْ۔ یعنی جب وہ اپنے سر سے عذاب کو نہ ٹال سکیں گے تو تم کو کس طرح عذاب سے بچا پائیں گے۔ گویا بت پرست اپنے بتوں سمیت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

فَكُبْكِبُوْا۔ یعنی اوندھے منہ اور ایک دوسرے کے اوپر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے اور روایات اہل بیتؑ میں ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو زبان سے عدل بیان کرتے تھے لیکن مقام عمل میں عدل کے تقاضوں کو بھول جاتے تھے۔

اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ جرم وہ گناہ ہے جو قابل بخشش نہ ہو اور ذنب وہ گناہ ہے جو بخشا جا سکے۔ اس لئے انبیاء و آئمہ شفیع المذنبین ہیں نہ کہ شفیع المجرمین۔ اس جگہ مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے شرک سے توبہ کرنے کے بغیر دنیا سے چلے گئے اور

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ
تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن اور تحقیق
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰنِ
تیرا رب غالب رحم کرنے والا ہے جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
کو جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو
اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَ مَاۤ
تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں
اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا
نہیں مانگتا اس پر کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر اوپر ربّ العالمین کے پس ڈرو

اَخُوْهُمْ: حضرت نوحؑ ان کی قوم کے آدمی تھے اور سلسلۂ نسب میں ان کے رشتہ داروں میں سے تھے اسلئے انکے قومی بھائی تھے نہ کہ دینی بھائی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ: اس آیت کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے کیونکہ معانی الگ الگ ہیں۔ پہلی دفعہ فرمایا میں خدا کا فرستادہ اور امین ہوں۔ اس لئے میری اطاعت کرو۔ اور اس کے بعد شاید ان کو خیال ہوگا کہ ہم سے کچھ مزدوری طلب کرے گا تو صاف لفظوں میں فرمایا کہ تعالیٰ طمع کے لئے یہ باتیں نہیں کرتا بلکہ تمہارا خیرخواہ ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی ضامن ہوگی۔

اَلْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ یعنی گھٹیا قسم کے اور رذیل پیشہ لوگ چونکہ تیرے ساتھ ایمان لا چکے ہیں لہٰذا اس زمرہ میں شامل ہونا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے پیشے سے مطلب نہیں اور نہ تمہاری بڑائی سے میرا کوئی واسطہ ہے بلکہ میں تو اپنا پیغام پہنچانے آیا ہوں اور وہ ہر ایک کے لئے یکساں ہے لہٰذا تمہارے کہنے سے میں غریب طبقہ کے لوگوں کو دھکیل کر نکال دینا پسند نہیں کرتا۔ بہرکیف جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ ہر دور میں انبیاء کی اُمتیں اپنے رسولوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتی رہی ہیں۔ پس قریش مکہ اور دیگر اکابر اگر غرباء طبقہ کے ایمان پر اعتراض کریں تو آپ پرواہ کئے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اور بڑے بڑوں کے ایمان کے طمع میں غریبوں کو اپنے دربار سے ہرگز نہ نکالیں۔

قَالُوْا: حضرت نوحؑ کی قوم آپ کی ثبات قدمی اور جرأت کو دیکھ کر جب معقول باتوں اور مدلّل نظریوں کا جواب نہ دے سکی تو اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئی جو ہر جھوٹے فریق کا دستور ہوا کرتا ہے کہ ہم تم کو پتھر ماریں گے یا ہم تجھے بدزبانی کا نشانہ بنائیں گے۔

اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اللہ سے اور میری اطاعت کرو کہنے لگے کیا ایمان لائیں تیرے لئے حالانکہ تیری اتباع کی ہے گھٹیا لوگوں نے

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُھُمْ اِلَّا عَلٰی

فرمایا مجھے نہیں پتہ جو وہ کاروبار کرتے ہیں ان کا حساب نہیں مگر میرے رب پر

رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا

اگر تم شعور رکھتے ہو اور میں نہیں دور کرنے والا مومنوں کو میں نہیں مگر

اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ

صاف ڈرانے والا کہنے لگے اگر تو باز نہ آئے گا اے نوح تو تجھ پر پتھر برسائے جائیں گے

الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ

کہا اے رب تحقیق میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے پس فیصلہ کر میرے

وَبَیْنَھُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ

اور ان کے درمیان واضح فیصلہ اور مجھے نجات دے اور جو میرے ساتھ مومن ہیں پس ہم نے اس کو نجات

وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

دی اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں جو پُر تھی پھر ہم نے غرق کر دیا بعد اس کے باقیوں کو

فَافْتَحْ بَیْنِیْ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کا جواب سُن کر بارگاہِ پروردگار میں درخواست دی کہ اے رب یہ مجھے بالکل جھٹلا چکے ہیں اب تو ہمارے درمیان فیصلہ کر یعنی ان کو گرفتارِ عذاب کر اور ہمیں اپنے عذاب سے اور ان کے شر سے نجات عطا فرما۔

اَلْمَشْحُوْن۔ وہ کشتی آدمیوں اور دیگر حیوانات سے پُر تھی۔ حضرت نوحؑ کا قصہ سورہ ھود میں جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۱۸ مفصل گذرا ہے اس کے علاوہ جلد ۷ کے صفحہ ۱۷۳ پر اور جلد ۶ کے صفحہ ۴۴ تا ۴۶ پر بھی بیان ہو چکا ہے۔

کَذَّبَتْ عَادُ ۨ۔ یعنی قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔

رکوع نمبر ۱۱ حضرت ہودؑ کا ذکر

اور آیات کی تفسیر پچھلے رکوع کی طرح ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ ۔ ریع کا معنی بلند مکان یا راستہ کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ ضرورت سے زائد آبادی سے باہر کسی بلند جگہ یا راستہ کے قریب مکان بنا لیتے تھے اور آیت سے مراد یہاں مکان ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اس فعل سے منع کیا کہ لہو و لعب کیلئے فالتو مکان نہ بنایا کرو۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ شہر سے باہر نکلے تو ایک بلند مکان پر آپؐ کی نگاہ پڑی۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ

تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے اور تحقیق تیرا

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾

رب البتہ وہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم عاد نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم نہیں ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول

أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی

أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ

اجرت کیونکہ نہیں میری اُجرت مگر اوپر رب العالمین کے کیا بناتے ہو ہر بلند مقام پر مکان کہ

یہ کس کا گھر ہے تو لوگوں نے جواب دیا فلاں انصاری کا ہے۔ پس آپؐ ٹھہر گئے۔ اتنے میں وہ انصاری آیا اور اس نے سلام کیا لیکن حضورؐ نے منہ پھیر لیا چنانچہ اس نے چند بار ایسا کیا پس اس کو حضورؐ کی ناراضگی کا احساس ہوا اور ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے حضورؐ کے چہرہ پر ملال کے آثار دیکھے ہیں نہ معلوم مجھ سے کونسی غلطی ہوئی ہے۔ آخر لوگوں نے کہا کہ ایک دن حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تیرے مکان کے متعلق آپؐ نے پوچھا تھا کہ کس کا ہے اور بتایا گیا کہ یہ فلاں کا ہے پس وہ انصاری اسی وقت اٹھا۔ اور جا کر مکان کو گرا دیا اور زمین کو ہموار کر کے واپس آگیا پھر ایک دن حضورؐ کا اس جانب سے گذر ہوا تو پوچھا وہ مکان کہاں گیا لوگوں نے سارا ماجرا سنا دیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ ہر مکان اپنے مالک کے لئے وبال جان ہوگا۔ بروز محشر سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو مَصَانِعَ مصنع کی جمع ہے اس کا معنی ہے پختہ مکان اور موجودہ اصطلاح کے مطابق عالیشان کوٹھیاں ہائے اگر اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کو حضورؐ دیکھتے کہ ایک طرف غرباء طبقہ کے لوگ کچی جھونپڑیوں کے لئے ترستے ہیں اور دوسری طرف امراء کا دل نہیں بھرتا جب تک ہر بڑے شہر میں عالیشان کوٹھی نہ ہو۔ یقیناً حضورؐ ایسے مسلمانوں سے بیزار ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لئے اسلام کا دعویٰ کرنا باعث ننگ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی سے کوتاہی کریں اور غرباء کے خون کے گارے سے اپنی قصر امارت کو تعمیر کریں ایسے لوگوں کے دل میں رائی برابر بھی خوف خدا نہیں ہوتا۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے تاکہ سب مسلمان بھائیوں کی سی زندگی گذار کر عالم انسانیت کو اسلام کا پیغام دینے کے اہل ہو سکیں۔

اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ

بے فائدہ کام کرتے ہو اور بناتے ہو پختہ محلّات شاید تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور

اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾

جب کسی کی گرفت کرتے ہو تو گرفت کرتے ہو جبار بن کر پس ڈرو خدا سے اور میری اطاعت کرو

وَاتَّقُوا الَّذِيۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ

اور ڈرو اس سے جس نے تم کو عطا کیا جو تم جانتے ہو اس نے تم کو عطا کئے چوپائے

وَّبَنِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ

اور بیٹے اور باغات اور چشمے تحقیق میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے

خُلُقُ الۡاَوَّلِيۡنَ [۲۰۸] اس کی کئی تاویلیں ہیں (۱) جس طرح تجھ سے پہلے لوگوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا تو بھی ان جیسا ہے (۲) شہر سے باہر تفریح کے لئے کوٹھیاں بنگلے اور عمدہ محلّات تعمیر کرنا وغیرہ پہلے سے چلا آیا ہے کوئی ہمارا نیا دستور نہیں ہے (۳) جس طرح ہم سے پہلے لوگ گذرے ہیں کہ ایک وقت تک جینا ہے پھر مرنا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے نہ حساب نہ سزا اور نہ جزا۔ پس ہم بھی اُسی سابق دستور پر ثابت قدم ہیں۔ جناب رسالت مآب کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تیری قوم تجھ سے ایسی باتیں کرے تو غم زدہ نہ ہو۔ کیونکہ کفار کا انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہی دستور رہا ہے نبی کا کام ہے کہ تبلیغ کے کام کو جاری رکھے اور اس بارے میں کسی کی تردید و تکذیب کی پرواہ نہ کرے۔

قوم ہود کا قصہ سورۂ ہود میں جلد نمبر ۶ صفحہ ۲۲۵ تا صفحہ ۲۲۷ پر گذر چکا ہے۔ اور آیات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد نہایت سرکش قوم تھی۔ امراء و روساء طبقہ غرباء کو انسان نہیں سمجھتا تھا اور ضرورت سے زائد کوٹھیوں اور بنگلوں کی ابتداء اور عیاشی کا رواج اسی قوم سے ہوا ہے جو بالآخر اپنے اعمال بد کے نتیجے میں گرفتار عذاب ہوئے سابقہ اقوام کے قرآنی قصص سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

رکوع نمبر ۱۲ حضرت صالحؑ کا ذکر

كَذَّبَتۡ۔ حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا مفصّل قصہ جلد نمبر ۶ میں صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۶ ذکر ہو چکا ہے اور جلد ۷ میں صفحہ ۲۲۲ و صفحہ ۲۲۳ پر بھی ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۸۹ پر بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱۰ میں گذر چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اَتُتۡرَكُوۡنَ۔ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ ان نعماتِ خداوندی پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے یہ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتیں اگر اس وقت وافر ہیں تو ان کے زوال کا خوف رکھو اور اس اللہ کی معرفت حاصل کرو جس نے یہ عطا فرمائی ہیں اور اس کا شکر ادا کرو اور اس کے بعد ان نعمات کا شمار کیا جو ان کے پاس تھیں پھلدار باغات شیریں چشمے کھیتیاں اور عمدہ کھجوریں جن کے شگوفے خوشنما ہیں۔

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾

عذاب سے کہنے لگے برابر ہے ہم پر وعظ کرو یا وعظ نہ کرو

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ

نہیں ہے یہ مگر دستور پہلے لوگوں کا اور نہیں ہم معذب ہونے والے پس انہوں نے اس

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾

کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾

اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

هَضِيْمٌ ۱۴۹ چھریرے اور ہلکے پھلکے بدن والے انسان کو ہضیم کہا جاتا ہے اس جگہ بعضوں نے تروتازہ اور بعضوں نے بغیر گٹھلی والے پھل مراد لئے ہیں۔

اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۱۵۱ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو آدمی تھے جنہوں نے ناقہ کو زخمی کیا تھا وہ اس قوم کے رئیس وزمیندار تھے اور اپنی قوم میں من مانی کارروائی کرتے تھے۔ تند اور متکبر مزاج تھے آپ نے قوم کو ان کی خوشامد و اطاعت سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

بشریت ورسالت

الْمُسَحَّرِيْنَ ۱۵۳ یعنی تیرا دماغ خراب ہو چکا ہے تجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے جس طرح کسی پر بار بار جادو ہو چکا ہو۔ بعضوں نے اس کا معنی فریب خوردہ کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم جیسا کھانے پینے والا انسان اور آپ کی نبوت کو بشریت کے منافی سمجھ کر بشر ہونے کا اعتراض بھی کیا ہے جس طرح باقی امتوں کا عام دستور ہے۔ اور آج تک ہے اور ہر زمانہ کے پیٹ لٹ مولوی لوگ عوام میں یہی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پس انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی بشریت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان کو ناقۃ اللہ کا معجزہ دکھایا گویا عمل سے ثابت کیا۔

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۴۵) اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ (۱۴۶) فِیْ

ربّ العالمین پر کیا تم چھوڑے جاؤ گے اس جگہ کی نعمتوں میں با امن باغات

جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ (۱۴۷) وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ (۱۴۸) وَتَنْحِتُوْنَ

اور چشموں میں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے خوشنما ہیں اور تراشتے ہو

مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (۱۴۹) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (۱۵۰) وَلَا

تم پہاڑوں سے اپنے گھر مہارت سے پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور نہ

تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ (۱۵۱) الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا

اطاعت کرو اسراف کرنے والوں کے حکم کی جو فساد کرتے ہیں زمین میں اور اصلاح

یُصْلِحُوْنَ (۱۵۲) قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (۱۵۳) مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ

نہیں کرتے کہنے لگے سوائے اس کے نہیں تو جادو شدہ لوگوں میں سے ہے تو نہیں مگر ہم جیسا بشر

مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (۱۵۴) قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ

پس لے آ کوئی نشانی اگر ہے تو سچا فرمایا یہ اللہ کی ناقہ ہے

لَّهَا شِرْبٌ وَّلَکُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵۵) وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ

اس کے لئے باری ہے پانی کی اور تمہارے لئے باری مقرر دن کے لئے اور نہ چھوؤ اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا

عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۱۵۶) فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ (۱۵۷) فَاَخَذَهُمُ

تم کو بڑے دن کا عذاب پس انہوں نے اس کو پے کیا پس ہو گئے پشیمان پس پکڑ لیا

کہ بشریت اور رسالت ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ خدا جس بشر کو چاہتا ہے عہدہ نبوت ورسالت عطا فرماتا ہے اور اسے صاحب اعجاز کردیتا ہے تاکہ عوام کو مطمئن کیا جاسکے ہم نے نبیوں کی بشریت کے متعلق پہلی جلدوں میں بھی اور اسی جلد میں بھی کافی بحث کی ہے شِرْبٌ۔ تقسیم کے بعد ایک حصہ کا اسم شرب ہوتا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں سمندر کے پانی کی تقسیم کے بعد ہر کنارہ کو فرق کہا گیا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روئے زمین پر پانی کا پہلا چشمہ وہی ہے جو حضرت صالحؑ کے لئے ظاہر کیا گیا جس کا پینا ایک دن ناقہ کے لئے اور دوسرے دن لوگوں کے لئے معین ہوا لیکن ان بدبختوں نے ناقہ کو پے کرکے عذاب الٰہی کو پسند کیا پس تباہ کردیئے گئے۔

الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ (١٥٨) وَإِنَّ
ان کو عذاب نے تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (١٥٩) ع كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ (١٦٠)
تیرا رب البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم لوط نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ (١٦١) إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (١٦٢)
جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم نہیں ڈرتے تحقیق میں تمہارا رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (١٦٣) وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ
پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١٦٤) أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ (١٦٥) وَتَذَرُونَ
رب العالمین پر کیا تم آتے ہو لڑکوں پر عالمین میں سے اور چھوڑتے ہو جو

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (١٦٦) قَالُوا
جو پیدا کی تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں بلکہ تم ظالم لوگ ہو کہنے لگے

رکوع نمبر ۱۳ حضرت لوطؑ کا ذکر کَذَّبَتْ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ۔ وہ چونکہ لڑکوں کے ساتھ لواطہ کرنے کے عادی تھے آپ نے ان کو اس فعلِ بد سے روکا اور فرمایا خدا نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ پس اس غلط روی کو ترک کرو اور صحیح و حلال طریقہ سے اپنی عورتوں سے خواہش نفسانی کی پیاس بجھاؤ۔ پس جھوٹے اور لاجواب انسانوں کی طرح دھمکی پر اُتر آئے کہ ہم تم کو نکال دیں گے۔ آپ نے فرمایا میں پہلے سے ہی تمہارے اس فعل سے تنگ آچکا ہوں اور اس شہر کی سکونت کو ترک کرنے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہوں۔

إِلَّا عَجُوزًا (۱۷۱) حضرت لوطؑ بمعہ اہل خانہ کے گرفتِ عذاب سے بچ گئے صرف ان کی عورت پیچھے رہی جو قوم کے غنڈوں کو آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کو اطلاع دیا کرتی تھی د مجمع، پس ان کی زمین کے تختہ کو اُلٹ دیا گیا اور جو باقی اِدھر اُدھر بچ گئے ان پر آسمان سے پتھر بھیجکر تباہ کیا گیا۔ قصّہ کی تفصیل جلد ۶ کے صفحہ ۵۶ پر اور جلد ۷ کے صفحہ ۲۲۸ تا صفحہ ۲۳۱ پر ملاحظہ ہو نیز جلد ۸ صفحہ ۱۸۶ پر بھی مختصراً واقعہ گذر چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۴ حضرت شعیبؑ کا ذکر أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ۔ ایکہ گھنے درختوں والی گھاٹی کو کہتے ہیں گویا یہ لوگ ایسے مقام پر آباد تھے جہاں درخت

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ

اگر تو باز نہ آیا اے لوط تو تجھے نکال دیا جائے گا فرمایا میں تمہارے کرتوت کو

الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

برا سمجھتا ہوں اے رب مجھے نجات دے اور میرے اہل کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں پس ہم نے اس کو بچایا اور اس کے

اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾

پورے خاندان کو مگر ایک عورت پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی پھر ہم نے ہلاک کیا باقیوں کو

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور برسائی ان پر بارش پس بری بارش تھی کافروں پر تحقیق اس میں نشانی ہے

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تیرا رب البتہ غالب مہربان

الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ع كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ

ہے جھٹلایا ایکہ والوں نے رسولوں کو جب کہ کہا ان کو

لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

شعیب نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

بکثرت موجود تھے۔ بعضوں نے اسے مدین کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایکہ دو الگ الگ مقام ہیں اور حضرت شعیبؑ دونوں کے لئے رسول مبعوث ہوئے۔

كَذَّبَ ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔ خداوند کریم نے ہر نبی کی دعوت کی حکایت ایک ہی لفظ سے فرمائی اور تمام کا کلمہ ایک ہی ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کی دعوت کا محوری و مرکزی نقطہ ایک تھا اور وہ ہے توحید کی معرفت اور اللہ کا تقویٰ۔ چنانچہ سب نبی معرفت کا درس ادلہ و براہین سے اور اس کی نعمات کے ذکر سے دیتے رہے اور عمل میں تقویٰ اختیار کرنے کی تبلیغ میں سعی بلیغ کرتے رہے اور سب نبیوں کی تبلیغ ایک جیسی تھی اور سب انبیاء کی اکھڑ و جاہل امتوں کا جواب بھی ایک جیسا تھا جیسا کہ آیات کے الفاظ سے

وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾

اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا تم سے کوئی مزدوری نہیں میری مزدوری مگر رب العالمین پر

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ

پورا کرو ناپ کو اور نہ ہو نقصان دینے والوں میں سے اور تولو ساتھ ترازو صحیح

الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

اور نہ خسارہ دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں اور نہ پھرو زمین میں کے

مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا

فساد کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پہلے لوگوں کو کہنے لگے

إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ

سوائے اس کے نہیں کہ تو جادو شدہ لوگوں میں سے ہے اور تو نہیں مگر ہم جیسا بشر اور تحقیق ہم تجھے جھوٹا

سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کی امت تول وناپ میں غدّاری کرتی تھی۔ پس ان کو صحیح تولنے اور ٹھیک پیمائش کرنے کا آپ نے حکم خداوندی سنایا۔

اَلْقِسْطَاسِ۔ وہ ترازو جس کے درمیان میں وزن صحیح بتلانے کی ایک سوئی لگی ہوئی ہوتی ہے یہاں مقصد صحیح اور پورا تولنا ہے۔

اَلْجِبِلَّۃَ۔ اس کا لغوی معنی عادت وخصلت جو فطرتِ انسانیہ میں سپرد کی جاتی ہے اور یہاں مقصد صرف انسان ہے یعنی اس اللہ نے تم کو پیدا کیا اور ان تمام انسانوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پس وہ اللہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرو اور اس کی بازپرس سے ڈرو۔

قَالُوْا۔ اس کی تشریح رکوع نمبر۱ کی تفسیر میں بشریت ورسالت کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ آیۃ ۱۸۷ یہ انتہائی لاپرواہی کا جواب ہے کہ تو نے جو آسمان کا ٹکڑا ہم پر گرانا ہے گرادے۔ ہم تیری باتوں پر کان دھرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

عَذَابَ يَوْمِ الظُّلَّةِ آیۃ ۱۸۹ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب قوم حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کو ٹھکرا چکی اور ان سے ایمان لانے کی کوئی اُمید نہ رہی تو خدا نے ان پر عذاب بھیجا۔ پس پہلے سات دن تک ان کو سخت گرمی کا عذاب دیا گیا کہ ہوا بحکم خدا بالکل بند ہو گئی پھر ان کے سروں پر ایک بادل نے سایہ کیا وہ سمجھے کہ اس سے بارش برسے گی، پس اس امید سے گرمی کی شدت سے تنگ آکر وہ گھروں سے

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ

سمجھے ہیں پس گرا ہم پر ٹکڑا آسمان سے اگر تو ہے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ

سچا فرمایا میرا رب بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس پکڑا

عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ان کو عذاب نے جو بادل کے دن تھا تحقیق وہ سخت دن کا عذاب تھا تحقیق اس میں نشانی

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ہے حالانکہ ان کے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب البتہ غالب رحم کرنے والا

الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ

ہے اور تحقیق یہ تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہے اتار ہے اس کو

الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

روح الامین ہے تیرے دل پر تاکہ تو ہو ڈرانے والا ساتھ زبان عربی

نکل کھڑے ہوئے تو خدا نے ان پر آگ برسا دی اور سب کے سب جل کر کوئلہ ہو گئے اور دنیا میں عذاب خداوندی کے لحاظ سے یہ دن سخت ترین دن تھا اس لئے خدا نے اس کو یوم عظیم کہا ہے اور حضرت شعیبؑ کا ذکر تفسیر کی جلد ۶ میں ص۵۸، ص۵۹ پر اور جلد نمبر ۷ میں ص۲۲۲ تا ص۲۲۴ پر ہو چکا ہے اور قوم شعیبؑ پر عذاب کی کیفیت ج ۶ میں ص۱۳ تا ص۶۵ پر ملاحظہ ہو۔

رکوع نمبر ۵ اولایت علیؑ

اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ: ظاہری مصداق کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن مجید ہے اور باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد ولایت حضرت علی علیہ السلام ہے چنانچہ روایات اہل بیتؑ میں تواتر سے منقول ہے اور صحف انبیاء میں بھی اس کا ذکر موجود ہے چنانچہ بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولایت علی تمام انبیاء کی کتابوں میں درج ہے۔ وَلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَّا بِنُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ وَوِلَايَةِ وَصِيِّهٖ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ یعنی خدا نے کسی کو عہدہ رسالت نہیں عطا فرمایا مگر نبوت محمدؐ اور ولایت علیؑ کے ساتھ۔ (برہان)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ: صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے کوئی کتاب و وحی نہیں بھیجی مگر زبان

مُّبِينٍ (۱۹۵) وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (۱۹۶) أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن

مبین کے اور تحقیق اس کا ذکر گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں ہے کیا ان کے لئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس کا

يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۹۷) وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ (۱۹۸)

علم بنی اسرائیل کے علماء کو بھی ہے اور اگر اس کو ہم اتارتے اوپر کسی عجمی کے

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ (۱۹۹) كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي

پس وہ ان پر پڑھتا تو وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے اسی طرح چلایا ہم نے اس کو کفار کے

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ (۲۰۰) لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ

دلوں میں (اور وہ) ایمان نہ لائیں گے اس پر یہاں تک کہ دیکھیں دردناک

الْأَلِيمَ (۲۰۱) فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۲۰۲) فَيَقُولُوا هَلْ

عذاب پس آئے گا ان پر اچانک کہ ان کو پہلے خیال بھی نہ ہوگا پس کہیں گے کیا ہم

عربی میں لیکن اسے ہر نبی اپنی قومی زبان میں سنتا تھا۔ اور حضرت رسالتمآبؐ کے کانوں میں وحی اپنی قومی زبان عربی میں آتی تھی۔ پس جب اپنی قوم سے باتیں کرتے تھے تو زبان عربی کو استعمال کرتے تھے اور جب کوئی آدمی حضورؐ سے کسی دوسری زبان میں باتیں کرتا تھا تو حضورؐ کے کانوں میں وُہ عربی بن کر پہنچتا تھا کیونکہ خداوندکریم کی جانب سے جبریل فریضۂ ترجمانی ادا کرتا تھا۔

اَوَلَمْ یَکُنْ - یعنی علماء بنی اسرائیل کو کتب سماویہ کی پیشین گوئیوں کے ذریعے سے حضورؐ کی آمد کا علم تھا اور اسی وجہ سے یہودی لوگ عربوں کے مظالم سے تنگ آکر حضورؐ کی آمد کے لئے دعائیں مانگتے تھے اور یہی چیز اوس و خزرج کے لئے ایمان کی محرک بنی تھی تو حضورؐ کی صداقت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء آپؐ کی آمد سے مطلع تھے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاہُ - یعنی عربوں کی سرشت میں تکبّر و کج مزاجی اور ہٹ دھرمی کی بدعادات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ لہٰذا اگر یہ قرآن ہم کسی عجمی پر نازل کرتے تو یہ قطعاً نہ مانتے اسی لئے ہم نے انہی میں سے ایک شریف ترین خاندان کے شریف ترین فرد پر نازل کیا جو تمام فصحاء عرب سے فصیح ترین تھا تاکہ ان کی کشش کا سبب ہو اور وہ تدبّر و تفکر کی منازل طے کر کے اس کی تصدیق کریں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

اَفَرَءَیْتَ - تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے بنی امیہ کو خواب میں منبروں پر سوار دیکھا کہ وہ لوگوں کو راہِ حق سے برگشتہ کرتے ہیں آپؐ صبح کو غمزدہ اُٹھے تو جبریلؑ حاضر ہوا اور اس نے غم و اندوہ کا سبب

نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

مہلت دی جائے گی — کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں؟ — دیکھئے اگر ہم ان کو دنیاوی نفع دیں

سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

چند سال — پھر آجائے ان پر وہ (عذاب) جس کا وعدہ کئے گئے ہیں — تو نہیں بچائے گا ان کو وہ جو

مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾

نفع دیئے گئے — اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کو پہلے ڈرانے والے تھے

ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا

از روئے نصیحت اور ہم نہیں ظلم کرنے والے — اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیطانوں نے (جیسا کہ کافر کہتے ہیں) — اور نہ ان کی یہ

يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

شان ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں — تحقیق وہ تو بات سننے سے بھی ہٹائے گئے ہیں

پوچھا۔ آپؐ نے خواب بیان فرمایا۔ پس جبریل واپس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت لایا کہ اگر چند سال انہوں نے منافع دنیاویہ سے فائدہ اٹھایا تو آخر ہماری گرفت ان کو کس طرح چھوڑ دیگی اور پھر سورۂ قدر نازل ہوا کہ خدا نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی ہے کہ یہ ایک رات بنی اُمیہ کے ایک ہزار مہینوں کی حکومت سے افضل ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ۔ قریش نے کہا تھا کہ آپ پر معاذ اللہ شیاطین القاء کرتے ہیں تو خدا نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ سننے سے دُور کئے گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آسمان پر جانے سے ان کو روکتے ہیں۔

فَلَا تَدْعُ ﴿٢١٣﴾ خطاب حضورؐ سے ہے اور مُراد ساری اُمت ہے۔

دعوت عشیرہ۔ وَاَنْذِرْ ﴿٢١٤﴾ اپنے قریبیوں کو ڈرانے کا حکم ہوا تاکہ پوری اُمت پر یہ راز کھل جائے کہ عذاب خدا کسی کی رعایت سے نہیں ٹل سکتا بلکہ عمل خیر ضروری ہے اور اللہ کی نافرمانی سے گریز کرنا واجب ہے کیونکہ اگر کسی قرابت داری یا میل ملاپ سے جان بخشی ہوتی تو حضورؐ اپنے نہایت قریبی رشتہ داروں کو کیوں سختی سے احکام خداوندی کی پابندی کا حکم دیتے۔ پس جب دین خدا میں رسولؐ کے قریبیوں کو رعایت نہیں مل سکتی تو کسی دوسرے سے کیا رعایت ہو گی۔ نیز یہ بھی بدیہی اور واضح امر ہے کہ خیر خواہی کا پہلا حق قرابت داروں کو حاصل ہے۔ اور اسلام کی دعوت سے بڑھ کر اور کوئی خیر خواہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکم خداوندی ہوا کہ نعمت اسلام کو پہلے اپنے رشتہ داروں پر پیش کیجئے بہر کیف روایات شیعہ و سنی میں یہ بات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مکہ میں نازل ہوئی تو حضورؐ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا اور اس وقت وہ چالیس مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی خوراک ایک بکرا سالم اور دودھ کا مشکیزہ تھا آپؐ نے اپنی حیثیت کے مطابق مختصر سا کھانا تیار کیا۔ چنانچہ سب

نے اسی سے سیر ہو کر کھایا۔ تو ابولہب نے فوراً کہہ دیا کہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ پس لوگ چلے گئے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہوا۔ پھر تیسرے دن جب کھانا کھا چکے تو ابولہب کے کہنے سے پہلے آپؐ نے تقریر شروع کر دی کہ تم میں سے کون ہے جو میرا وصی وزیر میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضے کا ضامن ہو گا۔ تو حضرت علیؑ نے جو سن و سال میں سب سے چھوٹے تھے اور مال و دولت میں بھی کمزور تھے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ واقعہ کو مفصل تفسیر برہان میں مجالس شیخؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مجھے اپنے خاندان کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم تین سیر کے قریب کھانا تیار کرو اور بکرے کی ایک ران پکا لو اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی ساتھ رکھو اس کے بعد تمام اولادِ عبدالمطلب کو مدعو کرو تاکہ میں حکم پروردگار کو پہنچا سکوں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں نے تعمیل حکم میں سب کچھ کر لیا جو آپؐ نے فرمایا تھا اولادِ عبدالمطلب میں آپؐ کے چچا ابوطالب، عباس، حمزہ اور ابولہب بھی تھے اور سب چالیس کے قریب مرد جمع ہو گئے۔ آپؐ کے حکم سے میں نے کھانا پیش کیا تو سب سے پہلے حضورؐ نے بنفسِ نفیس ایک گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور دندانِ مبارک سے تھوڑا سا کاٹ کر کھا لیا باقی برتن میں رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حالانکہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں سے ہر ایک آدمی اس سارے کھانے کے برابر کھا سکتا تھا۔ پھر میں نے دودھ پیش کیا تو وہ سب سیر ہو گئے حالانکہ بخدا اس قدر دودھ تو ایک ایک آدمی پی سکتا تھا۔ پس جب حضورؐ نے بات کرنی چاہی تو ابولہب نے پہلے کہنا شروع کر دیا یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ پس سارے آدمی اٹھ کر چلے گئے اور حضورؐ کوئی بات نہ کر سکے۔ پھر دوسرے دن مجھے حکم دیا کہ اے علی اُس (ابولہب) نے ایک بات کہہ کر لوگوں کو منتشر کر دیا اور مجھے بات کرنے کا موقع نہ دیا آج پھر حسبِ سابق کھانا تیار کرو اور دعوت دے کر سب کو بلاؤ۔ چنانچہ جب سب کے سب کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے اولادِ عبدالمطلب! عرب میں کوئی جوان اپنی قوم کے لئے اس سے زیادہ بہتر پیغام نہیں لایا ہو گا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں کہ اس میں تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح کا راز مضمر ہے اور مجھے اپنے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ فَاَیُّکُمْ یُؤْمِنُ بِیْ وَ یُؤَازِرُنِیْ عَلٰی اَمْرِیْ فَیَکُوْنَ اَخِیْ وَ وَصِیِّیْ وَ وَزِیْرِیْ وَ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اَھْلِیْ مِنْ بَعْدِیْ۔ یعنی پس تم میں سے کون مجھ پر ایمان لاتا ہے اور میرے معاملہ میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرے بعد میری اہل میں میرا خلیفہ ہو یہ سن کر سب خاموش ہو گئے اور گھبرا گئے تو میں اُٹھ کھڑا ہوا حالانکہ سن و سال میں سب سے چھوٹا تھا میں نے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ آپؐ کے اُمورِ رسالت میں شریکِ کار رہنے کو تیار ہوں۔ پس حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی وزیر اور میرا خلیفہ ہو گا تم میں پس اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا یہ سن کر سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھے اور ابوطالب سے کہہ رہے تھے سنا ہے؟ اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

دوسری روایت میں ابورافع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شعب میں اولادِ عبدالمطلب کو مدعو کیا کہ وہ اس وقت چالیس آدمی تھے۔ ایک بکرے کی ران تیار کی اور ثرید بنا کر اُوپر شوربا ڈالا اور اُوپر گوشت رکھ کر ان کے آگے رکھا۔ چنانچہ جب سب سیر ہو گئے، پھر ایک بڑے پیالے سے سب کو دودھ پلایا۔ جب ابولہب نے دیکھا تو کہنے لگا۔ بخدا ہم میں سے ایک ایک آدمی کے لئے بھی یہ کھانا اور دودھ

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ

پس نہ پکارو اللہ کے سوا کسی معبود کو ورنہ ہو جاؤ گے عذاب کئے جانے والوں میں سے اور ڈرا

عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور جھکا دے اپنا پہلو اس کے لئے جو تیری اتباع

ناکافی تھا۔ انہوں نے ہمیں ایک ران بکرے اور ایک کاسۂ دودھ میں سب کو سیر کر دیا یہ کوئی جادو ہی ہے دبات ختم ہو گئی اور لوگ چلے گئے، پھر دوبارہ ان کی دعوت کا انتظام کیا گیا تب حضرت نے پیغام خداوندی سنایا اور بعد میں فرمایا کہ خدا نے جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہر ایک کے خاندان سے ہی ان کا بھائی وارث وزیر اور وصی مقرر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اٹھ کر میری بیعت کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی وزیر وارث وصی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو اور اس کی منزل مجھ سے وہی ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ پس حضرت علیؑ نے اٹھ کر سب کے سامنے آپؐ کی بیعت کی آپ نے فرمایا۔ میرے قریب ہو جب حضرت علیؑ قریب ہوئے تو فرمایا منہ کھول۔ پس اپنا لعاب وحی اس میں ڈالا اور کندھوں کے درمیان اور سینہ پر بھی لعاب ملا۔ ابولہب حسد و بغض کی آگ میں پہلے سے جل رہا تھا کہنے لگا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس نے تیری دعوت کو قبول کیا تو نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؐ نے نہایت متانت اور حوصلے سے جواب دیا یہ نہیں جو تو سمجھا ہے بلکہ میں نے اس کو علم حکمت اور فقہ سے پُر کر دیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہی واقعہ تفسیر ثعلبی سے منقول ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند آواز دی۔ چنانچہ یہ سن کر سب قریشی جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ صبح یا شام کو تمہارے اوپر ایک دشمن حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا میری بات مان لو گے ؟ کہنے لگے بے شک ہم ضرور مان لیں گے تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو آنے والے سخت ترین عذاب سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ پس ابولہب نے کہا تبًّا لَكَ۔ یعنی تو ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا ہے۔ پس اس کے جواب میں خدا نے تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ۔ بھیجی۔

سیرت حلبیہ اور نہایہ ابن اثیر سے بھی روایت اسی طرح منقول ہے کہ پہلے دن تو ابولہب نے بات کاٹ دی اور مجمع کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن دوسرے دن آپؐ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں توحید پروردگار کا اعلان کیا اور اپنی نبوت کا اظہار بھی کیا پس حضرت ابوطالب نے کھڑے ہو کر عرض کی ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے قول کی تصدیق کرنے والے ہیں بے شک آپؐ کو جو حکم ہوا ہے اسے پورا کیجئے بخدا میں آپؐ کا جانثار رہوں گا اور آپ کی پوری حفاظت کروں گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن اثیر نے کہا ہے ابوطالب کی باتیں سن کر ابولہب پھر اٹھا لیکن ابوطالب نے جھڑک کر اسے خاموش کر دیا اور فرمایا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾

کرے مومنین میں سے پس اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾

اور توکل کر اوپر اس غالب کے جو مہربان ہے جو دیکھتا ہے تجھے جب کہ تو اٹھتا ہے

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ

اور تیرا تقلب سجدہ کرنے والوں میں تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے کیا میں

أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ

تمہیں بتاؤں کہ کن پر اترتے ہیں شیاطین؟ اترتے ہیں اوپر ہر جھوٹے گنہ گار

اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔ اور سیرت حلبیہ میں ہے کہ یہ دعوت ہی سرے سے حضرت ابوطالب کے گھر میں ہوئی تھی۔ طبری نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ دوسرے روز بھی ابولہب نے اپنی بدباطنی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ابوطالب نے نہایت تند و تیز لہجہ میں فرمایا او یک چشم اخاموش۔ پھر مجمع سے فرمایا کہ خبردار کوئی نہ اٹھنے پائے۔ پس سب اپنی جگہ پر جمے رہے تو ابوطالب نے عرض کی، میرے سردار کھڑے ہو کر جو ارشاد فرمانا ہو فرمائیے سب سننے کے لئے موجود ہیں۔ بے شک اپنے پروردگار کی رسالت کو پہنچائیے کیونکہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ یعنی جو ایمان لے آئے تو اس کے لئے نرمی اور حسن اخلاق سے سلوک کیجئے۔

آبائے نبی کا اسلام

وَتَقَلُّبَكَ۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آبائی سلسلہ حوا و آدم تک سب کا سب مسلمان تھا اور آیت مجیدہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے۔ آیت مجیدہ سے اگرچہ یہ معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے زمرہ میں تیرا سر بسجود ہونا اور عبادت کی حالات قیام رکوع سجود قعود میں تقلب اللہ کو معلوم ہے لیکن یہ معنی اس امر سے نہیں روکتا کہ اس سے دوسرا معنی بھی مراد لیا جائے جب کہ جمع ممکن ہو اور روایات بھی بکثرت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تیرا نور ہمیشہ ساجدین میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ پس آدم سے لے کر تا دم ولادت پاکیزہ ارحام اور طاہر اصلاب اس نور کے حامل رہے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیشہ موحدین کی صلبوں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے (الحدیث) اور آپ نے جماعت میں شریک ہونے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا مجھ سے پہلے نہ سر رکھا کرو اور نہ اٹھایا کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تفسیر برہان میں ابن بابویہ سے سند متصل کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ سے دریافت کیا گیا۔ جب آدمؑ جنت میں تھا تو آپ کہاں تھے ؟ آپ نے فرمایا میں اس کی صلب میں تھا وہ زمین پر تشریف لائے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ میرے آبائی سلسلہ میں کبھی زنا نہیں ہوا۔ اور خدا [illegible] مجھے اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ کی طرف منتقل کرتا رہا درحالیکہ میں ہادی و مہدی رہا ہوں مجھ سے خدا نے نبوت و اسلام کا میثاق لیا ہے اور اس نے میری ہر صفت کو واضح کیا ہے۔ تورات و انجیل میں میرا ذکر کیا ہے اور مجھے آسمانوں پر بلند کیا ہے اور میرا نام اس نے اپنے ناموں سے مشتق کیا ہے۔ میری اُمت حماد ہے وہ محمود ہے۔ اور میں محمدؐ ہوں ابن بابویہ فرماتے ہیں یہ روایت طرق کثیرہ سے وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ میں نے بگوش ہوش جناب رسالتمآبؐ سے سنا ہے۔

خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے عرش کے پاس اللہ کی تسبیح کرتے رہے جب آدم کو پیدا کیا گیا تو یہ نور اس کی صلب میں ودیعت ہوا وہ جنت میں تھا تو ہم اس کی صلب میں تھے۔ حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے تو ہم اس کی صلب میں تھے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو ہم اس کی صلب میں تھے پس خدا ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف ہمیشہ منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا پس اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا مجھے خدا نے صلب عبداللہ میں رکھا اور علی کو صلب ابوطالب میں ودیعت کیا مجھ میں نبوت و برکت رکھی اور علی میں فصاحت و شجاعت رکھی ہمارے نام بھی اس نے اپنے ناموں سے مشتق کیے وہ محمود ہے اور میں محمدؐ ہوں اور اللہ اعلیٰ ہے اور یہ علیؑ ہے۔

امالی میں شرف الدین سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور ہم آپ کے مرتبہ کے تو قائل ہیں لیکن آپ کے والد کو دوزخ کا عذاب ہوگا۔ آپ نے فوراً فرمایا خاموش خدا تیرا منہ توڑے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو برحق مبعوث کیا ہے اگر میرا باپ پوری زمین کے گنہگار لوگوں کے حق میں شفاعت کرے تو سب کے سب بخشے جائیں گے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میرا باپ دوزخ میں جائے حالانکہ میں قسیم النار ہوں۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اللہ کی جس نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث برسالت کیا ہے۔ حضرت ابوطالب کا نور بروز محشر تمام مخلوق کے نور پر غلبہ حاصل کرے گا سوائے نور محمدؐ کے اور میرے نور فاطمہ و حسنین کے نور اور آئمہ اطہار کے انوار کے کیونکہ اس کا نور ہمارے نور سے ہے۔ جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے خلق فرمایا۔ ہم نے حضرت ابوطالب کے ایمان اور ان کے فضائل کے متعلق تفسیر ہذا کی پانچویں جلد میں ص۲۰۰ سے ص۲۱۱ تک مفصل بیان قلم بند کیا ہے۔

وَهَلْ اُنَبِّئُکُمْ۔ کفار قریش چونکہ کہتے تھے کہ اس پر شیطان القا کرتے ہیں تو اس کا خدا نے جواب دیا ہے کہ ہم بتائیں شیاطین کیسے لوگوں پر اترتے ہیں وہ ہر جھوٹے فاسق و فاجر اور بدکردار انسان پر اترتے ہیں۔ لہٰذا کہہ دیجئے کہ مجھ پر شیطان نہیں اُترتے کیونکہ میں نہ کاذب ہوں نہ فاسق بلکہ میرے اُوپر ملائکہ کا نزول رہتا ہے۔

یُلْقُوْنَ السَّمْعَ [illegible]۔ یعنی شیاطین سنی ہوئی باتیں کاہن اور جھوٹے لوگوں پر القاء کرتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہوا کرتے ہیں

ھُمْ ضمیر کا مرجع کاہن بھی ہو سکتے ہیں اور شیاطین بھی ہو سکتے ہیں۔ اور دونو مراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

اَلشُّعَرَآءُ ۲۲۴ - تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے شعراء مشرکین مراد ہیں جنہوں نے حضور رسالتمآبؐ کی ہجو کی، اور ناشائستہ کلمات اپنے اشعار میں نظم کئے اور جاہلوں سے داد و تحسین حاصل کی۔ خداوند کریم انہی کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے کہ شاعر لوگوں کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس مقام پر شعراء سے تمام وہ شاعر مراد ہیں جو شاعری میں حد درجہ انہماک کریں حتٰی کہ قرآن و سنت کو بھول جائیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ شعراء سے مراد وہ شاعر ہیں جو جذبات کے تابع ہوں۔ جب غصہ میں ہوں گالیاں دینے لگ جائیں اور جب نظم کریں تو جھوٹ کو استعمال کریں اور زیادہ رجحان ان کا گمراہی کی طرف ہو۔ چنانچہ عام شعراء کا دستور یہی ہے کہ شعروں کی ابتداء عشقیہ مضامین سے کرتے ہیں اور تعریف طمع کے لئے کرتے ہیں اور جاہلانہ غیرت و حمیت کی بنا پر وہ ہجو کرنے لگ جاتے ہیں اور بعضوں کا خیال ہے مطلق قصہ خوان لوگ مراد ہیں جو جھوٹے افسانوں سے لوگوں میں مقام حاصل کرتے ہیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور تفسیر قمی میں ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی خواہشات سے دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں پس جہلاء ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم و فہم سے کورے ہونے کے باوجود علم کا لباس پہن بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کو عالم سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے عوام کو بھی گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اِنَّمَا عَنٰی ھٰؤُلَآءِ الْفُقَهَآءَ الَّذِیْنَ یَشْعُرُوْنَ قُلُوْبَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ یعنی اس سے مراد وہ فقیہ لوگ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں باطل کا بیج بوتے ہیں۔ الخ

بہرکیف اگر شعراء سے مراد ایک عام مفہوم لیا جائے (یعنی منشاء خداوندی کے خلاف بولنے والا) تو سب اس کے ضمن میں آجائیں گے۔ خواہ شاعر ہوں یا خطیب و مقرر ہوں۔

وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ ۲۲۶ - عام شعراء کا دستور ہے کہ ایسی مبالغہ آمیز باتیں منہ سے نکال جاتے ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے اور خود بھی جو کچھ کہتے ہیں اس پر عامل نہیں ہوتے اسی طرح اگر اس سے مراد علماء سوء ہوں تو وہ بھی کہتے کچھ اور ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ۲۲۷ - شعراء میں سے ان لوگوں کو مستثنٰی کیا گیا ہے جو ایماندار ہیں جنہوں نے جناب رسالتمآبؐ کی مدح و ثنا کی۔ اور قلب و لسان سے آپ کی نصرت کا فرض ادا کیا۔ چنانچہ حسان بن ثابت کو آپ نے دعا بھی فرمائی تھی۔ بہرکیف وہ شعراء جن کے اشعار خدا اور رسولؐ و اہل بیت کی تعریف میں ہوں اور درس معرفت دینے والے ہوں۔ جنت کی تشویق اور جہنم کی تخویف پر مشتمل ہوں یا حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی مرثیہ خوانی اور مصائب کو متضمن ہوں وہ اس مذمت سے مستثنٰی ہیں بلکہ وہ قابل مدح ہیں اور ان کے وہ اشعار جو دین خدا کی نصرت میں ہوں قابل اجر جزیل اور شکر جمیل ہیں اور انہی شعراء کے متعلق فرماتا ہے وَانْتَصَرُوْا یعنی وہ شعراء جنہوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد رسول خدا اور مومنین کا انتقام لیا وہ قابل تعریف ہیں۔ یعنی جس طرح مشرک شاعروں نے حضور اور مومنین کرام کی شعروں کے ذریعے سے مذمت کی تھی۔ ان مومن شاعروں نے اس کا ان سے بدلہ لیا کہ حضورؐ کی تعریف کی اور کفار کی انہوں نے ہجو کی۔ لہذا شاعر ہونا قابل مذمت نہیں بلکہ فضول کلامی اور یاوہ گوئی قابل مذمت و

اَثِیۡمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَ اَکۡثَرُهُمۡ کٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ

کے القاکرتے ہیں اپنی سُنی ہوئی چیزیں (کاہنوں پر) اور اکثر ان کے جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعر لوگوں کی اتباع کرتے ہیں

الۡغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّهِیۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا

گمراہ لوگ کیا دیکھتے نہیں تحقیق وہ ہر وادی میں سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق وہ کہتے ہیں جو

نفرت ہے خواہ اشعار کے رنگ میں ہو یا نثر کے لباس میں ہو۔

تفسیر صافی میں بروایت عیون حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَنۡ قَالَ فِیۡنَا بَیۡتَ شِعۡرٍ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ۔ یعنی جو شخص ہمارے حق میں شعر کا ایک بیت کہے خدا اس کو جنت کا بیت (گھر) عطا فرمائے گا۔ نیز فرمایا۔ مَا قَالَ فِیۡنَا قَائِلٌ شِعۡرًا حَتّٰی یُؤَیَّدَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ۔ یعنی جس شاعر نے بھی ہمارے حق میں ایک شعر کہا اس کی روح القدس سے تائید کی گئی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کعب بن مالک نے حضور رسالت مآبؐ سے سوال کیا کہ حضورؐ آپؐ شعراء کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا مومن تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ شاعر لوگ (جو دین کی ترجمانی میں اشعار لکھیں) ان کو تیر مارتے ہیں۔ آپؐ نے حسانؓ سے فرمایا تھا کہ ان کی ہجو کیا کرو۔ روح القدس تیرے ساتھ ہوگا۔

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ [۲۲۷] تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے آل محمدؐ پر ظلم کئے اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا جو شخص میرے دین سے تمسک رکھنا چاہے اور میری کشتی نجات پر سوار ہونا چاہے وہ علی کی اقتدا کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اس کے دوست سے دوستی رکھے اور علی میرا وصی اور میری اُمت پر خلیفہ ہے میری زندگی میں بھی اور میری وفات کے بعد بھی۔ وہ ہر مسلم و مومن کا میرے بعد امیر ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اس کی نہی میری نہی۔ اس کا تابع میرا تابع اور اس کا ناصر میرا ناصر ہے۔ پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا۔ پس فرمایا جس نے علی کو چھوڑا قیامت کے دن نہ وہ مجھے دیکھے گا اور نہ میں اسے دیکھوں گا۔ اور جو علیؑ کا مخالف ہوگا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے اور جو علی کی مدد کو ترک کردے خدا اس کی کوئی بات نہ سنے گا۔ جب اس کے پیش ہوگا۔ اور جو علیؑ کی مدد کرے گا خدا اس کی مدد کرے اور یوم جزا اس کو اپنی حجت تعلیم کرے گا۔

پھر فرمایا حضرت حسنؑ اور حسینؑ اپنے باپ کے بعد لوگوں کے امام ہوں گے اور جوانانِ جنت کے یہ دونو سردار ہیں اور ان کی ماں عالمین کی عورتوں کی سردار ہے اور ان کا باپ تمام اوصیاء کا سردار ہے اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو امام ہیں جن کا نواں قائم مہدیؑ ہوگا۔ ان سب کی اطاعت میری اطاعت ہے۔

اللہ کی طرف شکایت کرتا ہوں ان لوگوں کی جو ان کی فضیلت کا انکار کریں گے اور ان کے حق کو میرے بعد ضائع کریں گے۔ اللہ ولی و مددگار ہے میری عترت کا اور میری اُمت کے آئمہ کا اور وُہ انتقام لے گا ان سے جو ان کے حق کا انکار کریں گے ——————

يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا

کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور ذکر کیا اللہ کا بہت اور انتقام لیا انہوں

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۵

نے بعد اس کے کہ ظلم کئے گئے اور عنقریب جان لیں گے ظالم لوگ کہ کونسی بازگشت کی طرف انہوں نے پلٹنا ہے

پس اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۶۹ء، ۷ مگھر ۲۰۲۶ب

شب یک شنبہ ساڑھے سات بجے شام سورہ شعراء کی تفسیر ختم ہوئی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

سُورَۃُ نَمْل

یہ سورہ مکیہ ہے اس کی آیات کی تعداد ۹۳ ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۹۴ ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے جو سورہ طٰس (نمل) کو پڑھے تو حضرت سلیمان وہود و شعیب و صالح و ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور بروز محشر قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا اُٹھے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ہرن کی جھلّی پر لکھ کر اپنے گھر میں رکھے تو سانپ، بچھو، کیڑا، چوہا، باولا کتا اور بھیڑیا غرضیکہ کوئی موذی جانور اس کی منزل کے قریب نہ آئے گا۔ ایک روایت میں مچھر کا نام بھی درج ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص بوقت شب
اس کو ہرن کی جھلّی پر لکھے اور اس کو رنگے ہوئے چمڑے میں
بند کرے جس سے کچھ کاٹا نہ گیا ہو، اور اس کو صندوق
میں رکھ دے تو سانپ، بچھو اور مچھر غرضیکہ کوئی
موذی شی اس کے گھر کے قریب نہ آئیگی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

طٰسٓ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۝۱ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی

طٰسٓ یہ آیتیں قرآن کی اور کتاب مبین کی ہیں ہدایت اور خوشخبری

لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۲ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ

مومنوں کے لئے ہے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ

بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ

آخرت پر یقین رکھتے ہیں تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے قیامت پر زینت دی

اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۝۴ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ

ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ سرگردان ہیں وہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہوگا اور

ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ۝۵ وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ

قیامت میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے اور تحقیق تم دیا جاتا ہے قرآن حکیم و

لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ۝۶ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ

علیم (خدا) کی طرف سے جب کہا موسٰے نے گھر والی سے تحقیق میں نے دیکھی ہے آگ

رکوع نمبر ۱۶

طٰسٓ ۔ اس کی تفسیر و تشریح اسی جلد میں گذر چکی ہے صفحہ ۱۹

تِلۡکَ ۔ یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ ۔ قرآن اور آیات قرآن دونو ایک چیز ہیں البتہ یہاں قرآن اور کتاب دونو کو ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دونو سے مراد ایک ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن کا لفظ قرأت کو ظاہر کرتا ہے اور کتاب کا لفظ کتابت کو نمایاں کرتا ہے یعنی یہ لکھی اور پڑھی جانیوالے چیز ہے پس یہ بمنزلہ اس ناطق (بولنے والے) کے ہے جو لکھ بھی سکتا ہو اور پڑھ بھی سکتا ہو۔ بنابریں اس کو مُبین کی صفت سے موصوف کرنا اس کی ناطق سے تشبیہ کو مزید پختگی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے مضامین و مطالب اس قدر واضح اور مبرہن ہیں گویا کہ یہ کتاب

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

عنقریب لاؤں گا تمہارے پاس اس سے کوئی پتہ یا لاؤں گا شعلہ آگ کا تاکہ تم تاپ سکو

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ

پس جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ برکت دیا گیا جو آگ کے اندر ہے اور جو اس کے باہر ہے پاک ہے

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے اے موسیٰ تحقیق میں اللہ غالب حکمت والا ہوں

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ

اور ڈال دے اپنا عصا پس جب اس کو دیکھا کہ حرکت کر رہا ہے مثل چھوٹے سانپوں کے تو پیچھے دوڑا اور مڑ کر

يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩

بھی نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر تحقیق میرے پاس رسول نہیں ڈرا کرتے

خود اپنے مقام پر بولتا ہوا مقرر ہے جو مطالب و مقاصد کو نہایت سلجھے ہوئے انداز سے بیان کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ اسی لئے اس کو بعض جگہ بیان کی صفت سے بھی متصف کیا گیا ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى ص۲۱۳. یعنی اپنے بیان برہان اور اعجاز کے لحاظ سے ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے پس اس کا محل اعراب رفع ہے کیونکہ خبر واقع ہے اور ہادیًا و مبشرًا کی تاویل میں اس کو منصوب بنا پر حالیت کے بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

زَيَّنَّا لَهُمْ. یعنی بوجہ کفر و شرک کے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں پس ان کے لئے ان کے وہی کفریہ اعمال مزین کئے گئے ہیں اور وہ انہی پر خوش ہیں۔ پس توفیق ایمان سے محروم ہیں۔ اور گمراہی کی تاریکی میں سرگرداں ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا ذکر اِذْ قَالَ مُوْسٰى ص۱۲۳. حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جب وہاں رہنے کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ تفسیر کی جلد ۹ ص۱۶۳ و ص۱۷۴ پر واقعہ مفصل درج ہو چکا ہے۔ سردی زوروں پر تھی رات کا وقت تھا اندھیرا چھا چکا تھا راستے کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا قریب کہیں جلتی ہوئی آگ دکھائی دی تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا اور اپنی اہلیہ سے فرمایا۔

اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ. ایناس چونکہ انس سے ہے لہذا اس کا معنی ہے چیز کا دیکھنا جس میں انس و محبت اور اطمینان و سکون کی خوشبو ہو گویا فرمایا کہ میں ایک ایسی آگ دیکھ رہا ہوں جو ہمارے لئے سکون نفس کی موجب ہے کی لہذا تم یہاں ٹھہرو میں وہاں سے رستہ کا سراغ دریافت کرونگا یا آگ کا شعلہ لاؤں گا تاکہ اس سے تاپ کے سردی کی تکلیف سے نجات ہو چنانچہ ہاتھ میں خشک گھاس مٹھی بھر لے

لیا تاکہ جلتی ہوئی آگ سے ایک شعلہ (لمبا) لاکر سردی کا علاج کریں۔ جب قریب پہنچے تو قدرت خالق کا عجیب وغریب منظر دیکھا کہ ایک سرسبز وشاداب درخت کی پُررونق شاخوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں جونہی آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اتنا ہی درخت کی تازگی ورونق میں اضافہ ہوتا ہے نہ آگ درخت کی رونق کو برباد کرتی ہے اور نہ درخت کی سبزی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر اثر انداز ہوتی ہے پس دریائے حیرت میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے مطلب کی فکر میں مٹھی بھر خشک گھاس کو آگ کی طرف بڑھایا تاکہ جلتا ہوا آگ کا شعلہ واپس اہلیہ کی طرف لے جائیں جونہی آپ آگے بڑھے آگ ان کی طرف بڑھی فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ جب دوبارہ سہ بارہ یہی ماجرا پیش آیا تو فرط حیرت میں ایک تماشائی بن کر قدرت پروردگار کا نظارہ دیکھنے کے لیے رک گئے۔ اتنے میں نہایت شیریں وپُرکیف لہجے میں آگ کے اندر سے ایک رُوح پرور آواز آئی جس سے لمبے سفروں کے تھکے ماندے مسافر نبی کو سرور محسوس ہوا۔ محبت آمیز اور پیارے انداز سے خوش آمدید یُوں ہوئی نُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی مبارک ہے وہ جو آگ کے اندر ہے اور مبارک ہے وہ اس کے پاس آیا یہ قدرت کی زبان سے تحیہ واکرام کے وہ الفاظ تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے قلب وجگر میں محبت کی ایک لہر پیدا کردی اور مزید پیاری گفت گو کے لیے فکر لاحق سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن گوش ہوگئے۔ کہتے ہیں یہ ندائے وحی تھی جس نے آگ کے اندر والے فرشتوں اور باہر کھڑے ہوئے حضرت موسیٰ کو مبارکباد کا پیغام تہنیت وتحیۂ وحدت سنایا۔ روشن فضا کے اندر فرشتے محو تسبیح وتقدیس پروردگار تھے اور حضرت موسیٰ اس کے باہر دل آفریں منظر اور پیاری آوازوں میں محو حیرت تھے اتنے میں پھر آواز آئی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی پاکیزہ ہے ہر عیب سے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل اس شیریں لب ولہجہ کے سننے کیلئے اور زیادہ بے تاب ہوگیا تو فوراً آواز آئی یَامُوْسٰى ایک دوست اپنے دوست کو نام لے کر پکارے تو جو سرور کی کیفیت دوست کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ کوئی دوسرا انسان نہیں کرسکتا۔ جب زبان توحید سے حضرت موسیٰ نے اپنے نام کی پکار سُنی تو جوشِ محبت اور ولولۂ عقیدت میں منتظر تھے کہ کیا پیغام آتا ہے اور یہ اللہ کا اپنے پیارے کلیم سے کلام کا پہلا موقع تھا جس کی چاہت نے حضرت موسیٰ کے دل سے عیال ومال کا خیال نکال دیا تھا پس تعارف کے انداز میں ارشاد فرمایا اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ میں وہ اللہ ہوں جو غالب اور حکمت والا ہوں۔

كَاَنَّهَا جَانٌّ۔ جانٌ چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور سورۂ اعراف میں ثعبانٌ مُّبین کہا ہے یعنی اژدہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ تھا تو اژدہا لیکن تیزی سے اِدھر اُدھر اس طرح حرکت کرتا تھا جس طرح چھوٹے ہلکے پھلکے سانپ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں فرمایا اس طرح حرکت کرتا تھا۔ كَاَنَّهَا جَانٌّ جس طرح گویا کہ چھوٹا سانپ ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب پہلی دفعہ عصا زمین پر پھینکا تھا تو اسوقت چھوٹا سانپ تھا جیسا کہ اس مقام پر ہے اور جب فرعون کے سامنے پھینکا تو اژدہا بن گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہر دو دفعہ خود بھی ڈر گئے۔ پہلی دفعہ اگرچہ چھوٹا سانپ تھا لیکن اس لیے ڈرے کہ واقعہ نیا اور پہلی دفعہ کا تھا اب اگر دربارِ فرعون میں بھی اسی طرح چھوٹا سانپ بنتا تو یقیناً حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا نہ ہوتا کیونکہ پہلے آزما چکے تھے کہ میرے پکڑنے سے ویسے کا ویسا سانپ ہی بن جائیگا۔ لیکن جب اس کو بڑا اژدہا بنا ہوا دیکھا تو دل پر خوف طاری ہوگیا اور اس میں مصلحت کار فرما تھی اور چند فائدے تھے۔

(۱) جب جادُوگروں نے اپنی رسیوں کو پھینکا اور جادو کر کے انہیں سانپ ظاہر کیا تو حضرت موسیٰ خود گھبرا گئے۔ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں

ارشاد ہے۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی۔ یعنی موسیٰ نے بھی دل میں گھبراہٹ محسوس کی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ جس طرح انہوں نے رسیوں کے چھوٹے چھوٹے سانپ بنا دیئے ہیں اگر میں عصا کو پھینکوں تو وہ بھی اسی طرح ایک چھوٹا سا سانپ ہی بنے گا۔ پس لوگوں کے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جائے۔ پس ارشاد قدرت ہوا۔ لَاتَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ یعنی گھبراؤ نہیں کیونکہ تو ہی غالب رہے گا۔ پس اس دفعہ جو عصا کو پھینکا تو پہلے کی طرح چھوٹا سا سانپ نہیں تھا جس طرح پر پہلی ملاقات خداوندی کے موقعہ پر بنا تھا بلکہ ایک بہت بڑا اژدہا تھا جس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۱۷۶ پر اور جلد ۶ ص۹۸ پر اور اسی جلد میں صفحہ ۱۹۶ پر گذر چکی ہے۔ چنانچہ اس نے جادوگروں کے تمام مصنوعی سانپوں کو اپنا لقمہ بنا لیا۔ اگر یہ بھی خود چھوٹا سا سانپ ہوتا اور ان مصنوعی سانپوں کو کھاتا تو جادوگروں کا ذہن مطمئن نہ ہوتا بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کو بڑا جادوگر ہی سمجھتے نبی نہ مانتے کیونکہ ایک حجم کے جانور کا اپنے برابر کے ایک جانور کو کھانا بھی ظاہراً ممکن نہیں تھا چہ جائیکہ اپنی جسامت کے ہزاروں جانوروں کو کھا جائے۔ پس وہ حضرت موسیٰ کے سانپ کو جادو کہتے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ ہمارے سانپ غائب ہو گئے ہیں ورنہ اس حجم کے سانپ کے لئے ناممکن ہے کہ حقیقتاً اپنے حجم کے ہزاروں سانپوں کو کھا جائے۔ پس خدا نے اس دفعہ اس کو ایک بڑے اژدہا کی شکل دیدی تاکہ جادوگر مطمئن ہو جائیں کہ یہ جادو نہیں بلکہ قدرت خداوندی کا مظہر ہے کیونکہ جادو والی چیز دوسری آنکھوں کو دھوکا دے سکتی ہے لیکن اس کے لیے کھانا اور دیگر آثار زندگی مترتب ہونا جادو نہیں قدرت خدا ہے۔

(۲) اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر پہلے کی طرح چھوٹا سانپ ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کے عادی ہونے کی وجہ سے خوف نہ کرتے اور دربار فرعون میں جادوگروں کے سامنے ان کا خوف نہ کرنا جادوگروں کو شک میں ڈال دیتا کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔ پس وہ سمجھتے کہ جس طرح ہمارا جادو ہے وہ بھی جادو ہے کیونکہ جس طرح ہم اپنے سانپوں سے نہیں ڈرتے وہ بھی نہیں ڈرتا۔ اس لئے خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے دی جس سے ابھی تک حضرت موسیٰؑ خود بھی مانوس نہ تھے پس اژدہا کی شکل اور ڈراؤنی حالت دیکھ کر حضرت موسیٰ بھی دوسرے ڈرنے والوں کی طرح ڈر گئے جس سے جادوگر سمجھے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔

(۳) اور اس میں تیسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر حضرت موسیٰؑ خود نہ خوف کرتے تو فرعون کی خدائی کا بھانڈا تو پھوٹ چکا تھا۔ جب اس نے اژدہا کو اپنی طرف متوجہ دیکھا اور اس کا پاخانہ بھی خوف کے مارے نکل گیا پس جادوگروں نے تو یہ سمجھ لیا کہ فرعون یقیناً خدا نہیں جو ایک اژدہے سے خوف کھا رہا ہے لیکن جس نے عصا کو اتنا بڑا اژدہا بنا دیا ہے وہ ضرور خدا ہے۔ پس حضرت موسیٰؑ کو خدا مان کر وہ مشرک ہو جاتے اور تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا کیونکہ جس طرح فرعون کی خدائی کا دعویٰ غلط ثابت کرنا تھا اسی طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ توحید پروردگار کے قائل ہوں۔ پس خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے کر موسیٰ کے دل میں خوف پیدا کر دیا تاکہ لوگ فرعون کی خدائی کو باطل سمجھ کر موسیٰؑ کو خدا تسلیم کریں جو عصا کو اژدہا بنانے پر قادر ہے پس وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ یقیناً اس فعل پر قادر نہیں ہے ورنہ خود اس سے خوف نہ کرتا۔ پس خدا وہ ہے جس نے موسیٰؑ کو یہ معجزہ دیکر بھیجا ہے اور یہ اس کا رسول برحق ہے اور ہم نے اس مطلب کو

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱

مگر جو ظلم کرے پھر تبدیل کرے نیکی بعد برائی کے تو تحقیق میں بخشنے والا مہربان ہوں

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ

اور داخل کر اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا نورانی سفید بغیر عیب کے نو دوسرے معجزوں کے ساتھ

اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا

(جا) طرف فرعون کے اور اس کی قوم کے تحقیق وہ ہیں فاسق پس جب

جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا

پہنچیں ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں تو کہنے لگے یہ صاف جادو ہے اور انہوں نے

بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

انکار کیا ان کا حالانکہ مانتے تھے ان کو ان کے دل ازراہ ظلم و تکبر پس دیکھ کیا انجام ہوا فساد

الْمُفْسِدِیْنَ ۝۱۴ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

کرنے والوں کا اور تحقیق ہم نے دیا داؤد و سلیمان کو علم دونو نے کہا حمد ہے اللہ کے لئے

جلد ۶ صفحہ پر سوال و جواب کے رنگ میں قدرے واضح کیا ہے۔ نیز اس سے یہ بات خوب واضح ہو گی کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا امام کے ہاتھوں پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ پس اللہ معجز ہے اور انبیاء و آئمہ معجز نما ہیں۔

اِلَّا مَنْ - یہ سابق سے مستثنیٰ منقطع ہے۔ اور اس کا پہلے مطلب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ - یہاں فی مع کے معنی میں ہے یعنی اس کے علاوہ نو معجزات اور عطا فرمائے جن کا ذکر جلد ۹ صفحہ ۸۰ تا ۸۳ پر گذر چکا ہے

مُبْصِرَةً - یعنی اس قدر واضح کہ کثرت سے دیکھی جا سکے اور مُفْعِلَةٌ کا وزن کثرت کو ظاہر کرتا ہے جس طرح اَرْضٌ مَضَبَّةٌ وہ زمین جس میں سوسمار زیادہ ہوں مُفْعَاةٌ جس میں افعی (اژدہا) زیادہ ہوں مُحَیَّاةٌ جس میں سانپ زیادہ ہوں۔

رکوع نمبر ۲ حضرت سلیمان کا قصہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا - یعنی ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا اور اس علم سے مخصوص علم مراد ہے کیونکہ علم نبوت و رسالت تو باقی نبیوں اور رسولوں کو بھی عطا ہوا ہے اور علم کے بغیر تو کوئی نبی یا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔ پس علم سے مراد علم قضا یعنی رعایا میں فیصلوں کا علم۔ پس وہ اپنے زمانہ کے حکمران و سلطان

الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ

جس نے ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے مومن بندوں پر اور وارث ہوا

سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ

سلیمان داؤد کا اور کہا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی بولی پرندوں کی اور

بھی تھے اور مملکت کے چیف جسٹس بھی۔ اس کے علاوہ پرندوں اور دیگر حیوانات کی بولی بھی جان سکتے تھے۔ (مجمع البیان نقلاً عن ابن عباس)

فَضَّلَنَا یعنی خداوند کریم نے ہمیں باقی لوگوں سے امتیازی شرف عطا فرمایا کہ ہمیں اس نے نبوت دی اور صاحب اعجاز بنایا۔ نیز علم مخصوص عطا فرمایا اور ہمارے لئے لوہے کو نرم کیا اور شیاطین وجن وانس کو ہمارا تابع فرمان بنایا۔

وراثتِ انبیاء

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ۔ آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ حکومت سلطنت تخت بخت جائداد جاگیر اور محلات و مکانات غرضیکہ اس کی جملہ متروکہ اشیاء کے وارث ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ نبیوں کے مال کی اولاد وارث ہوتی ہے۔ جس طرح دوسرے لوگوں کی وارث ان کی اولاد ہوا کرتی ہے اور نبی اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں۔ جس طرح دوسرے لوگ اپنے آباء کے وارث ہوا کرتے ہیں اور خانوادۂ رسالت واہل بیت عصمت سے اسی طرح مروی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے علم و نبوت اور ملک و سلطنت کے واحد وارث ہوئے۔ اور اس میں حضرت داؤد کی دوسری اولاد شریک نہ تھی۔ خاتونِ جنت کے مقدمۂ فدک میں جو حدیث پیش کر کے خلیفۂ وقت نے بی بی کا دعویٰ خارج کیا تھا درحقیقت وہی پیش کردہ مفروضہ حدیث ہی آیاتِ وراثتِ انبیاء کے معانی کی توڑ پھوڑ کی موجب بنی ہے اور خلیفہ وقت کے کاسہ لیسوں نے یہی تاویل پیدا کی کہ سلیمان اپنے باپ دادا کے علم و نبوت و ملک کا وارث تھا۔ اسی طرح حضرت زکریاؑ کی دعا میں جہاں یہ الفاظ ہیں یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ یعنی مجھے وہ لڑکا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ وہاں بھی انہوں نے وراثتِ نبوت مراد لے لی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و نبوت حقیقت کے اعتبار سے قابل وراثت امور نہیں ہیں ورنہ ہر نبی کی ہر اولاد نبی ہوتی اور دنیا میں کوئی آدمی اس صورت میں غیر نبی نہ رہتا۔ کیونکہ سب کے سب کم از کم حضرت آدمؑ نبی کی تو اولاد میں ہی۔ اسی طرح دنیا کا کوئی فن قابل وراثت نہیں ہوتا ورنہ ہر صاحب فن کی اولاد صاحب فن ہوتی پس وراثت کا تعلق مُورث کے متروکہ مال و اسباب جاگیر و جائداد اور زر و دولت پر ہوتا ہے جن کی ملکیت قابل نقل و انتقال ہو۔ اور یہ ہے وراثت کا حقیقی اطلاق جس پر احکامِ وراثت مترتب ہوتے ہیں۔ البتہ علوم و فنون وصفات و کمالات وغیرہ ناقابل انتقال امور و اشیاء پر وراثت کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کسی عالم کا بیٹا خواہ باپ سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو بلکہ کہیں دُور دراز کے سفر طے کر کے تحصیل علوم کرے اور عالم بن جائے تو باپ کے مرنے کے

بعد کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے باپ کا صحیح وارث ہے۔ حالانکہ باپ نے اپنے علم سے اس کو ایک حرف بھی تعلیم نہیں کیا تھا اسی طرح ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر ڈاکٹری میں بھی باپ کا وارث کہلائے گا اگرچہ باپ سے نہ بھی سیکھا ہو اور جملہ فنون بلکہ صفات انسانیہ کا یہی حال ہے اور صفات رذیلہ و ناقصہ میں بھی یہ اطلاق جاری ہوا کرتا ہے اور یہ وراثت کا مجازی اطلاق ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ کیا حضرت زکریاؑ کی دعا کہ لے پروردگار مجھے اپنا وارث عطا کر اسی مجازی اطلاق کے پیش نظر تھی تو یقیناً عقل صحیح اس کی تردید کر دے گی کیونکہ کسی باپ کو کیا وثوق ہو سکتا ہے کہ میرا بیٹا میرے فنون وعلم و کمالات کا وارث ہوگا یا نہیں اور حضرت زکریا کو معلوم تھا کہ اس سے قبل جس قدر انبیاء کی اولادیں گذری ہیں وہ نبوت میں اپنے آباء کی وارث نہیں ہوئیں پس وہ خود کس طرح اللہ سے ایسی دعا کر سکتے تھے۔ نیز حضرت زکریا کی مناجات میں یہ الفاظ بھی صراحت سے مذکور ہیں۔ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ۔ یعنی مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے کہ اگر میرا اپنا لڑکا نہ ہوا تو وہ میری وراثت پر قبضہ کر لیں گے۔ حالانکہ حضرت زکریا صاف جانتے تھے کہ نبوت ایسی چیز نہیں جس پر کوئی دوسرا غیر مستحق قبضہ کر سکے۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ وارث سے مراد وارث مال و ترکہ ہے نہ کہ وارث علم و نبوت۔ ویسے بھی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں لفظ کو حقیقی یا مجازی معنی پر محمول کرنا مساوی احتمال رکھتا ہو اور قرینہ مجازی معنی پر کوئی نہ ہو تو لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے لیکن اگر قرینہ بھی موجود ہو جو مجازی معنی کی نفی اور حقیقی معنی کی تائید کرتا ہو تو ایسی صورت میں مجازی معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت زکریا کی دعا میں اگر حقیقی و مجازی دونوں معنوں کا برابر احتمال بھی ہوتا تب بھی چونکہ قرینہ نہیں لہذا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا بلکہ مجازہ کا مخالف قرینہ موجود ہے (اور یہ کہ آپ نے عرض کی کہ مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے اور یہ ڈر نبوت و علم کے متعلق ہو نہیں سکتا) پس ضروری ہے کہ وراثت مالیہ مراد لی جائے نہ کہ علمیہ۔ علاوہ ازیں آپ نے دعا میں یہ عرض بھی کی وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا۔ یعنی اے اللہ اس کو رضی (پسندیدہ و برگزیدہ) بھی بنا تو اگر وارث نبوت کی دعا مانگ رہے ہوتے تو بعد میں اس کی برگزیدگی کی دعا بے محل تھی۔ کیونکہ جو نبی ہوتا ہے وہ تو برگزیدہ ہوتا ہی ہے۔ البتہ مالی وارث کے سوال کے ساتھ جس طرح دیگر وارثوں کا خطرہ ظاہر کرنا برمحل ہے۔ اسی طرح اس کی برگزیدگی کی دعا بھی بجا و برمحل ہے۔ اس کی تحقیق جلد ۹ صفحہ ۱۳۷ و صفحہ ۱۳۹ پر گذر چکی ہے۔

اب رہا آیت مجیدہ میں سلیمان کی وراثت کا معاملہ تو اس میں شک نہیں کہ معنی مجازی کے لحاظ سے حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے علم و نبوّت و ملک و سلطنت کے واحد وارث تھے اور اس میں ان کی دوسری اولاد شریک نہیں تھی لیکن آیت مجیدہ میں اس امر کی ضمانت کہاں ہے کہ حضرت داؤدؑ کی مالی وراثت باقی اولاد پر تقسیم ہوئی اور اس سے حضرت سلیمانؑ کو حصہ نہ دیا گیا۔ اولاً تو جو مفروضہ روایت مقدمہ فدک کی ردّ میں پیش کی گئی تھی۔ اس میں یہ شق بھی ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا لہذا حضرت داؤدؑ کی اولاد جو سلیمان کے علاوہ تھی وہ آپ کی کسی چیز کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ ملک و سلطنت اور نبوت و علم میں ان کے واحد وارث حضرت سلیمانؑ تھے اور باقی جائداد قاعدہ کے لحاظ سے بیٹوں کو مل نہیں سکتی تھی لہذا وہ یکسر محروم ہونے چاہییں اور ثانیاً اگر کوئی گنجائش نکال کر دوسروں کو وارث بنایا گیا اور حضرت سلیمانؑ کو باقی مالی وراثت سے محروم کیا گیا کیونکہ یہ نبی تھا اور نبی وارث نہیں ہوا کرتے تو اس کو آیت کے کس لفظ سے ثابت کیا جائے گا۔ پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی مالی جائداد کے وارث سب لڑکے لڑکیاں تھے اور حضرت سلیمانؑ ان میں شریک تھے۔

أُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَ

عطا کیا گیا ہمیں ہر اس چیز میں سے (حصہ) تحقیق یہ البتہ فضل ظاہر ہے اور

حُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

جمع کئے گئے سلیمان کے لئے اس کے لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے پس وہ

يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ

روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب پہنچے وادیٔ نمل پر (تو سنا) کہ ایک چیونٹی نے کہا

لیکن علم ونبوت وملک کا وارث باقی برادری سے امتیازی صورت میں صرف حضرت سلیمان ؑ تھے اس لئے حضرت سلیمان ؑ کا آیت میں مخصوص طور پر ذکر کیا گیا کہ وہ داؤد کے وارث ہوئے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ بچپنے میں کیسے امام بن گئے تو آپ نے فرمایا جب خدا نے حضرت داؤد ؑ پر وحی کی کہ اپنا جانشین نامزد کرو اور حضرت سلیمان کو اپنا ولی عہد قرار دو تو وہ ابھی تک عالم بچپنے میں تھے اور دنبیاں چرایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے عابد و زاہد لوگوں نے اور علماء نے اس کی کم سنی پر اعتراض کیا تھا لیکن خدا نے داؤد ؑ پر وحی کی تھی کہ حضرت سلیمان ؑ کا عصا اور دوسروں کے عصا کے کر ایک کمرے میں بند کر کے رکھ دو اور مہر کر دو۔ پس جس کا عصا صبح کو تروتازہ اور ثمر آور ہو جائے تو اسی کو خلیفہ مقرر کر دو۔ پس قوم اس پر رضامند ہو گئی اور صبح کو دروازہ کھولا گیا تو حضرت سلیمان ؑ کا عصا تروتازہ تھا اور اس پر پھل بھی لگا ہوا تھا پس وہ نامزد ہو گئے اور تفسیر کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۲۴۱ پر اس کی دوسری وجہ مذکور ہے۔

مَنطِقَ الطَّيْرِ۔ اہل لغت کے نزدیک نطق کا اطلاق صرف بنی آدم پر ہی ہو سکتا ہے اور باقی جانوروں پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نطق کلام کے معنی میں ہے اور باقی جانور کلام پر قادر نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۱۳۲ پر ثابت کیا ہے کہ کلام اس ذریعہ وواسطہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچائے اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتا اور رہن سہن میں معاشرہ کا محتاج نہ ہوتا تو کلام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی پس حرفوں اور لفظوں سے مرکب ہونے والی آواز کو کلام کا نام دے دیا گیا اور حیوان چونکہ حروف والفاظ کے بغیر مہمل آوازوں سے یا اشاروں سے یا آنکھوں یا دوسرے مخصوص ذرائع سے ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھا لیتے ہیں لہذا ان کا وہ مخصوص انداز کلام کہا جا سکتا ہے پس موجودات کی ہر نوع وصنف کا کلام ان کی حقیقت وکیفیت وحیثیت کے لحاظ سے جدا جدا نوعیت کا ہو گا۔ لہذا جس کلام کی تعریف اہل لغت کرتے ہیں کہ لفظوں اور حرفوں سے مرکب ہونے والے بامعنی و مفید آوازوں کا نام کلام ہے یہ صرف کلام انسانی کی تعریف ہے نہ کہ مطلق کلام کی۔ بنا بریں پرندوں اور حیوانوں کی آوازیں جو افہام وتفہیم کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوں ان کا کلام کہی جا سکتی ہیں اور وہی ان کی بولی ہوتی ہے بلکہ بعض شعراء عرب نے تو غیر جاندار اشیاء کی ہیئت کذائیہ کو بھی کلام کہا ہے جو کسی بات پر دلالت کرتی کر رہی ہو۔ چنانچہ ایک عرب شاعر متنبیؔ کہتا ہے۔

وَذَكِيُّ رَائِحَةِ الرِّيَاضِ كَلَامُهَا يَبْغِي الثَّنَاءَ عَلَى الْحَيَا فَتَفُوحُ

باغات کی پاکیزہ خوشبو ان کا کلام ہے وہ بارش کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تو مہک اُٹھتے ہیں

وَاُوْتِيْنَا۔ مقصد یہ ہے کہ نبوت اور حکومت کے لیے جس قدر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کو مشرق و مغرب یعنی پوری روئے زمین پر حکومت دی گئی اور سات سو برس اور چھ ماہ انہوں نے حکومت کی۔ ان کی حکومت جنوں، انسانوں، شیطانوں، حیوانوں اور درندچرند پرند وغیرہ کی جملہ اصناف پر تھی ہر قسم کی ضروریات کا علم ان کو دیا گیا اور ہر جنس کی بولی ان کو تعلیم کی گئی۔ ان کے دورِ سلطنت میں عجیب و غریب صنعتیں رونما ہوئیں۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خداوند کریم نے دیگر علوم کے علاوہ اس زمانے کی مروجہ تمام زبانوں کی معرفت بھی عطا فرمائی تھی بلکہ وہ پرندوں، درندوں اور جملہ حیوانوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ علاوہ ازیں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے تو زبان فارسی استعمال کرتے تھے۔ جب حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں، کارکنوں اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے تھے تو رومی (انگریزی) زبان بولتے تھے خانگی اور گھریلو معاملات میں سریانی و نبطی زبان استعمال کرتے تھے جب محراب عبادت میں خالق بے نیاز کے سامنے عبادت و مناجات کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عربی زبان کو استعمال فرماتے تھے اور جب بیرونجات سے وفود ملنے کے لیے آتے یا چیف جسٹس کی کرسی پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت عبرانی زبان میں بات کرتے تھے۔ اور یہی گویا اس زمانہ کی عام مروجہ زبانیں تھیں۔

تفسیر صافی میں بروایت بصائر الدرجات منقول ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا تحقیق اللہ نے ہمیں بھی پرندوں کی بولیاں تعلیم کی ہیں۔ جس طرح حضرت سلیمان بن داؤدؑ کو تعلیم کی تھیں اور ہمیں ہر حیوان کی بولی کا علم دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے خواہ (بحری ہو یا بری)

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ انسانوں پرندوں، حیوانوں بلکہ کسی ذی روح کا کلام امام سے مخفی نہیں ہوتا یعنی جو شخص جس بولی اور جس لہجے میں بات کرے امام اس کو سمجھ سکتا ہے اسی طرح وہ جملہ ذی روح جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتا ہے اور فرمایا جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ امام نہیں ہے بہرکیف اس باب میں روایات کثیرہ موجود ہیں کہ آئمہ طاہرین حیوانات کی بولیاں جانتے تھے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی فوجی چھاؤنی کا رقبہ ایک سو فرسخ یعنی تین سو میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پچیس فرسخ انسانوں کے لیے پچیس قوم جن کے لیے پچیس وحشی جانوروں کے لیے اور پچیس فرسخ پرندوں کے لئے مخصوص تھے اور آپ کی رہائش کے محلات اور رہائشی مکانات ایک ہزار کی تعداد میں تھے جو شیشے سے بنے ہوئے تھے اور ان کے نیچے لکڑی لگی ہوئی تھی۔ آپ کی منکوحہ عورتیں تین سو اور کنیزیں سات سو تھیں جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تھے تو تخت اس قدر وسیع تھا کہ اس پر ہر صنف کا ایک ایک گروہ بیٹھتا تھا پس ہوا کو حکم دیتے تھے تو تخت کو فضا میں اڑا کر چلتی تھی پہلے تیز ہوا کو حکم ہوتا تھا اور وہ آپ کے تخت کو زمین سے بلند کرتی تھی پھر نرم اور دھیمی ہوا اس کو وہاں لے جاتی تھی جہاں کا آپ ارادہ کرتے تھے۔ ایک دن آپ کا تخت

يَآ اَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ

اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں لاشعوری کے عالم میں تم کو سلیمان

وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

اور اس کا لشکر روند نہ ڈالے پس ہنسے خوب اس کی بات سے اور

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ

کہا اے رب مجھے توفیق دے کہ شکر کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی ہے اور

دوش ہوا پر سوار تھا اور آپ فضائے آسمانی میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پورے شاہانہ ٹھاٹھ سے جلوہ گر تھے کہ پروردگار کی جانب سے وحی ہوئی کہ میں نے تیری حکومت میں ایک اور اضافہ کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مخلوق میں کوئی بھی کہیں بات نہیں کرے گا مگر ہوا ہر ایک کی ہر آواز کو تیرے کانوں تک پہنچا دے گی۔

يُوْزَعُوْنَ[۱۷] یعنی پرندے اوپر پر پھیلائے دوش بدوش فضا میں کھڑے رہتے تھے اور بقدرتِ خدا وہ ایک جگہ رُکے رہتے تھے اور اِدھر اُدھر منتشر نہ ہوتے تھے۔

حضرت سلیمان کے تخت کے اوپر جو قالین بچھایا جاتا تھا وہ طول و عرض میں ایک ایک فرسخ (۳) میل تھا جو ریشم کے ساتھ سنہری تاروں کا بُنا ہوا تھا اور جنوں نے تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ درمیان میں آپ سنہری منبر پر جلوہ گر ہوتے اور ارد گرد تین ہزار سنہری و روپہلی کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن میں سنہری کرسیوں پر انبیار اور روپہلی کرسیوں پر علمار تشریف فرما ہوتے تھے ان کے ارد گرد باقی لوگ بیٹھتے اور ان کے ارد گرد قوم جنات و شیاطین کو جگہ دی جاتی اور اوپر فضا میں پرندے پر پھیلائے ہوئے سر پر سایہ فگن رہتے تھے تاکہ آپ پر دھوپ نہ پڑے۔ صبح سے شام تک دوش ہوا پر تخت سلیمانی ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام سے صبح تک بھی اسی رفتار و انداز سے سفر طے ہوتا تھا۔

اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ[۱۸] ایک دن حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا وادیٔ نمل کے اوپر سے گذر رہا تھا کہ ہوا نے ایک چیونٹی کی بات آپ کے کانوں تک پہنچا دی جو دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر لاشعوری کے عالم میں تم کو روند نہ ڈالیں اور اس چیونٹی کا نام مُنذرہ بتایا گیا ہے۔

علامہ طبرسی نے اس آیت کے ماتحت یہ نظریہ پیش فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دن حضرت سلیمانؑ کا تخت فضائے آسمانی میں نہیں تھا بلکہ زمین پر لشکر سمیت پیدل سفر کر رہے تھے اور غالباً اس وقت ہوا کو ان کے زیر فرمان نہیں کیا گیا تھا اسی لئے تو چیونٹی نے روند جانے کا خطرہ ظاہر کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کو تو جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن چیونٹی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت

عَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

جو تونے میرے والدین پر کی اور یہ کہ عمل کروں نیک جس پر تو خوش ہو اور مجھے داخل فرما اپنی رحمت سے

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ

اپنے نیک بندوں میں اور پڑتال کی پرندوں کی پس فرمایا کیا بات ہے کہ

سلیمانؑ اور اس کا لشکر آرہے ہیں اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کو تمام جانوروں پر حق حکومت دیا گیا تو اس کا لازمہ ہے کہ جانوروں کو بھی شعور دیا جائے تاکہ وہ سلیمان اور غیر سلیمان میں فرق کر سکیں ورنہ اپنے حکمران کی اطاعت صحیح معنوں میں نہ کر سکیں گے اور چیونٹیاں اپنے اندر پہلے سے ایک فطری شعور رکھتی ہیں چنانچہ وہ جس قدر دانے اپنے سوراخوں میں جمع کرتی ہیں ان کو دو حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں کیونکہ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ نمی پڑنے سے اُگ نہ جائیں اور دھنیا چونکہ نصف بھی اُگتا ہے۔ لہٰذا دھنیا کے دانے کو دو چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں پس جس پروردگار نے ان کو یہ شعور دیا ہے وہ یہ شعور بھی دے سکتا ہے کہ کون ہمیں روند سکتا ہے اور کون نہیں روند سکتا اور سلیمان و غیر سلیمان میں ان کو امتیاز کرنے کی طاقت بھی دے سکتا ہے اور بعضوں نے اس امر کو حضرت سلیمانؑ کا خارق عادت معجزہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ چیونٹی کی بات جب حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچی تو رک گئے، اور لشکر کو بھی پیشقدمی سے روک دیا۔ تاکہ وہ سب کی سب اپنے سوراخوں میں گھس سکیں۔ اور حضرت سلیمان کے ہنسنے کی وجہ بھی یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ اپنے عادلانہ رویّے پر خوشی محسوس کرکے ہنسے کہ چیونٹی تک چھوٹے سے چھوٹے اور کمزور سے کمزور حیوان بھی مجھے اپنا عادل حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وُہ بھی میرے عدل کے قائل ہیں چنانچہ چیونٹی بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی ہے کہ سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ لاشعوری کے عالم میں سلیمانؑ کا لشکر تم کو روند نہ دے وہ یہ سمجھتی ہے کہ دیدہ دانستہ عادل بادشاہ ہمیں ہرگز نہ روندے گا پس خوشی سے ہنسے اور اس کے بعد بارگاہ ربوبیت میں نعمتِ پروردگار کا شکریہ ادا کیا اور عرض کی مجھے اپنے شکر کی مزید توفیق مرحمت فرما۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کا لشکر پیدل نہیں بلکہ فضائے آسمانی میں وادی نمل سے تین میل کی بلندی پر تھا اور ہوا نے چیونٹی کی آواز کو ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔ جب کہ وہ دوسری چیونٹیوں کو جلدی سوراخوں میں گھسنے کا مشورہ دے رہی تھی پس اس کی ہوشیاری اور پھرتی سن کر ہنسے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا آرہا تھا کہ چیونٹی نے بات کہی اور ہوا نے حضرت سلیمان کے کانوں تک پہنچا دی (البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پروگرام وادیٔ نمل میں اترنے اور قیام کرنے کا ہو اور اس کو چیونٹی باذن پروردگار بھانپ گئی ہو کہ لشکر نے یہاں اترنا ہے پس اپنی قوم کو متنبہ کر دیا ہو) یہ بات سُن کر حضرت سلیمانؑ نے لشکر کو قیام کا حکم دیا اور تخت زمین پر آگیا، پس حکم دیا کہ اس چیونٹی کو میرے پیش کیا جائے۔ چنانچہ جب وہ لائی گئی تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے نبی نہیں سمجھتی اور کیا میں عادل نہیں ہوں؟ چیونٹی نے عرض کی حضور میں آپ کو نبی بھی سمجھتی ہوں اور عادل بھی جانتی ہوں آپ

أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا

میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا کیا وہ غیر حاضر ہے ؟ اس کو ضرور سزا دوں گا

شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ

سخت یا اس کو ذبح کر دوں گا مگر یہ کہ لائے میرے پاس دلیل (عذر) واضح پس زیادہ

نے فرمایا پھر تو نے اپنی قوم کو میرے ظلم سے کیوں خوفزدہ کیا ہے۔ اس نے عرض کی حضور! وہ عبادتِ خدا کرتی تھیں اور توحید پرست تھیں اگر آپ کا تخت و تاج بخت و اقبال اور شان و شوکت دیکھ لیتیں تو معمولی شعور رکھنے والی مخلوق آپ کو خدا سمجھ بیٹھتی اور خدا کی عبادت سے اعراض کر کے آپ کی عبادت کرنے لگتی، اور مشرک ہو جاتی میں نے اس بہانہ سے ان کو شرک سے بچایا ہے کہ نہ یہ شان و شوکت دیکھیں اور نہ ان کا عقیدہ خراب ہو، پس عبادتِ پروردگار میں کسی کو شریک نہ کرنے پائیں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ۔ تفقد کا معنی ہوتا ہے پڑتال کرنا کہ سب حاضر ہیں یا کوئی ان میں غیر حاضر بھی ہے۔

مَالِيَ لَا أَرَى۔ درحقیقت مالہٗ لا اراہ ہونا چاہیے اس کو کیا ہو گیا ہے کہ نظر نہیں آتا لیکن محاورۂ عرب میں ایسی ترکیبوں میں ازراہِ تعجب نسبت متکلم کی طرف دی جاتی ہے جس طرح کسی کو غمناک دیکھ کر کہا جاتا ہے۔ مَالِيَ أَرَاكَ كَئِيبًا۔ حالانکہ کہنا چاہیے۔ مَالَكَ أَرَاكَ كَئِيبًا۔ یعنی تجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں۔

الْهُدْهُدَ۔ پنجابی میں اس کو درکھان کہتے ہیں۔ تفاسیر میں اس کی دو وجوہ ذکر کی گئی ہیں ایک تو یہ کہ جب آپ تخت پر اہلِ دربار سمیت جلوہ گر ہوتے تھے تو پرندے اوپر صف بستہ رکے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی گود میں دھوپ کا نشان ہوا تو فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو ہدہد غائب تھا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو سفر میں پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو پانی تلاش کرنے کیلئے حکم دینا تھا کیونکہ یہ زمین کے اندر پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح ہمیں شیشے سے نظر آتا ہے۔ بروایت عیاشی ابو حنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت سلیمانؑ کی ہدہد کو طلب کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ہدہد زمین سے پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح تم لوگ شیشی میں تیل کو دیکھتے ہو۔ یہ سن کر ابو حنیفہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر ازراہِ تمسخر ہنسنے لگا۔ آپ نے پوچھا۔ اے ہنستا کیوں ہے؟ کہنے لگا۔ آج میں نے جیت لیا ہے۔ فرمایا وہ کیسے؟ تو کہنے لگا جو پرندہ پانی کو زمین کے اندر سے دیکھ سکتا ہے وہ زمین کے اوپر بچھے ہوئے جال کو کیوں نہیں دیکھ سکتا کہ پھنس جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اے نعمان، تجھے معلوم نہیں جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جایا کرتی ہیں۔

لَأُعَذِّبَنَّهُ۔ یعنی میں اس کو اس غیر حاضری کی اور بلا رخصت چلے جانے کی سزا دوں گا یا تو اس کے پر نوچ کر اس کو دھوپ میں ڈال دوں گا، یا اس کے کسی دشمن پرندے کے ہمراہ اس کو پنجرے میں قید کر دوں گا۔ چونکہ آپ کی حکومت کا دائرہ وسیع تھا اور پرندے بھی ان کے زیر حکومت تھے لہٰذا قانون شکنی اور فریضہ سے غیر حاضری کی سزا نظامِ حکومت کو قائم رکھنے کے

لئے ضروری تھی پس ہر جنس کی سزا اس کی اپنی حیثیت کے مطابق تجویز ہوا کرتی تھی چنانچہ ہدہد کی سزا پر نوچ کر دھوپ میں ڈالنا یا دشمن کے ساتھ ایک پنجرے میں قید ہونا یا ان دونوں سے سخت سزائے موت دینا تھی چنانچہ فرمایا اَوْلَاَذْبَحَنَّهٗ یا اس کو ذبح کر دوں گا چونکہ پوری مملکت میں آپ چیف جسٹس تھے۔ لہٰذا معمولی سزا دیتے یا سخت سزا تجویز کرتے یا سرے سے معاف کر دیتے۔ ان کے اختیار میں تھا۔

اَوْلَيَاْتِيَنِّيْ۔ یا یہ کہ وہ میرے پاس عذر واضح لائے اور اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے پس سزا معاف کردوں گا۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت محمد مصطفیٰ تمام نبیوں کے وارث تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ حضورؐ اس سے اعلم تھے۔ سائل نے پوچھا۔ حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو باذنِ پروردگار زندہ کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان بن داؤدؑ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے؟ کیا حضورؐ بھی یہ کام کرسکتے تھے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ نے جب ہُدہُد کو غائب پایا تو ناراض ہوکر فرمایا میں اس کو اس کی غیر حاضری کی سزا دوں گا کیونکہ وہ پانی کے متعلق صحیح خبر دیا کرتا تھا۔ تو گویا اس پرندہ کو وہ چیز عطا کی گئی جو حضرت سلیمانؑ کو عطا نہ ہوئی۔ بے شک ہوا چیونٹیاں جن و انس اور شیاطین وغیرہ سب اس کے اطاعت گذار تھے لیکن ہوا میں پرواز کرنے کے باوجود اُسے پانی معلوم نہ ہوسکتا تھا (اور اس بات میں وہ ایک پرندے کا محتاج تھا) اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ قرآن کے ذریعے پہاڑ چل سکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کئے جاسکتے ہیں اور مردے زندہ ہوسکتے ہیں اور ہم اسی قرآن کے وارث ہیں جس میں پہاڑوں کا چلانا مسافت کا طے کرنا اور مُردوں کا زندہ کرنا موجود ہے اور ہم ہوا کے نیچے پانی کا وجود جانتے ہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی غائب ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مُبین میں نہ ہو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو کیا ہے جن کو ہم نے چُن لیا ہے۔ پس ہم ہی وہ ہیں جن کو اللہ نے چُنا ہے اور ہم کو ہی اس نے کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ (ملخصاً)

وافی میں بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں سخت قحط ہوا پس لوگ حضرت سلیمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور دعائے بارش کی درخواست کی آپ نے فرمایا کل صبح نماز کے بعد آجانا چنانچہ دوسرے دن نماز صبح کے بعد آپ بمع رعایا کے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ چیونٹی کو آپ نے دیکھا کہ قدم زمین پر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے مناجات کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم تیری مخلوق تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ تو ہم کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اب پلٹ جاؤ کہ دوسری مخلوق کے صدقہ میں تمہیں بھی سیراب کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ واپس آئے اور اس سال اس قدر بارش ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایک سال میں اتنی بارش نہیں ہوئی تھی (وافی باب الذنوب) اور اسی مضمون کی روایت فقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

فَمَكَثَ ۲۳۳۔ یعنی حضرت سلیمانؑ زیادہ نہ ٹھہرا کہ ہُدہُد پیش ہوگیا۔ اور اس نے اپنا عذر پیش کرنا شروع کیا یا یہ کہ ہُدہُد زیادہ نہ ٹھہرا۔ غیر حاضری میں کہ آگیا اور کہنے لگا۔

غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ

ویر نہ گذری (کہ وہ آگیا) پس کہا میں ایک خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں اور لایا ہوں ملک سبا سے

بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ

یقینی خبر تحقیق میں نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ان پر حکمران ہے اور دی گئی اس کو

كُلِّ شَىْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ

(معلومی ضرورت کی) ہر چیز اور اس کا تخت عظیم الشان ہے اور میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا ہے پوجا کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

سورج کی اللہ کے سوا اور مزین کیا ہے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک رکھا ہے

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ

ان کو سیدھے راستے سے پس وہ ہدایت نہیں پاتے کہ نہ سجدہ کریں اللہ کا جو

اَحَطْتُ۔ میں نے اس کا احاطہ کیا ہے۔ جس کا آپ نے نہیں کیا یعنی میں وہ معلومات حاصل کر کے لایا ہوں۔ جو آپ کو نہ جن فراہم کر سکے اور نہ انسان۔ اور میں ایسے مقام پر پہنچا ہوں کہ آپ آج تک وہاں نہیں پہنچ پائے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ سابق انبیاء میں یہ بات ممکن بھی بلکہ واقع تھی کہ ان کی رعایا اور امت میں سے کوئی فرد ایک بات جانتا ہو اور نبی کو اس کا علم نہ ہو۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کے واقعہ میں یہ کہنا کہ ماتحت نبی کو ایسی باتیں معلوم تھیں جن کا مافوق نبی موسیٰ کو علم نہ تھا کیسے ممکن ہے؟ حضرت موسیٰؑ کا ماتحت انسان تو تھا بلکہ نبی بھی تھا۔ جس سے بعض معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا لیکن حضرت سلیمان کا ماتحت نبی تو بجائے خود انسان بھی نہیں ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو ایسے معلومات لایا کہ نبی بھی ان سے بے خبر تھا۔ ہاں علوم نبوت اور احکام شریعت میں ہر نبی کا اپنے زمانہ کے اور اپنی جملہ اُمت کے افراد سے ممتاز ہونا ضروری ہے اور یہ اللہ کے راز ہیں اور وہ خود ہی ان کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

بہر کیف ہُدہُد نے جب یہ دعوےٰ کیا کہ میں ایسے معلومات لایا ہوں کہ آپ ان سے آج تک بے خبر ہیں تو حضرت سلیمان ؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور پوری توجہ سے اس کی خبروں کو سُنا۔ اس مقام پر حضرت سلیمانؑ کا یہ دعوےٰ کہ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ۔ یعنی ہم کو ہر چیز میں سے عطا کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ جو اشیاء نظام مملکت اور تدبیر سلطنت کے لئے نیز جو علوم

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا

نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (عدم سے وجود کی طرف) اور جانتا ہے خفیہ و اعلانیہ

ومعارف مقامِ نبوت کے لئے ضروری ہیں ہم کو وہ عطا کئے گئے ہیں نہ کہ ہر چیز ورنہ ہدہد کی خبر سے وہ بے نیاز ہوتے۔

مِنْ سَبَاٍ۔ ہدہد نے کہا کہ میں ابھی ملک سباء سے آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت حکمران ہے۔ بعض نحویوں نے سباء کو منصرف پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قبیلہ منسوب ہے اور بعضوں نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے پس علم اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور بعض نحویوں نے اس کا منصرف پڑھنا اور غیر منصرف پڑھنا برابر قرار دیا ہے اور جنہوں نے ایک شخص کا نام قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ یمنی لوگ سب اس کی نسل سے ہیں اور وہ سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک یمن میں واقع ہے اور اس کا دوسرا نام مارب ہے اور یہ صنعاء سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ شاید اس زمانہ میں ملک یمن کو ملک سباء ہی کہتے ہوں گے کیونکہ پایۂ تخت یہی شہر تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ خداوندکریم نے سباء میں بارہ نبی بھیجے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے حضورؐ سے سباء کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا سبا ایک آدمی کا نام تھا جس کے دس لڑکے تھے اُن میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں جا بسے ان کے نام لخم جذام غسان اور عاملہ تھے اور یمنیوں کے نام کندہ اشعر ازد مذحج حمیر اور انمار ہیں اور انمار کے دو قبیلے ہیں خشعم اور بجیلہ۔ بہرکیف شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو یا شخص کا نام ہو۔ ان میں تضاد اس لئے نہیں کہ ایک شخص کے نام سے شہر کا نام بھی رکھا جا سکتا ہے اور وہ قبیلہ کا نام بھی بن جاتا ہے۔

بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ۔ یعنی پکی خبر اور ہر لحاظ سے مکمل خبر لایا ہوں کہ اس کا کوئی ضروری گوشہ معرض خفا میں نہ ہوگا اور احاطہ کا لفظ بھی اس معنی کی وضاحت کے لئے ہے کہ میں نے اس کے سارے گوشے معلوم کئے ہیں کہ ادھوری خبر نہیں لایا۔

اِمْرَاَۃً۔ یعنی وہاں واحد حکمران ایک عورت ہے (اس کا نام بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان تھا اور مروی ہے کہ چالیس پشتوں سے ان میں حکومت چلی آرہی تھی۔ چالیسواں بادشاہ بلقیس کا والد تھا جس کا نام شراحیل یا شرحبیل منقول ہے۔)

اُوْتِیَتْ۔ یعنی تدبیر مملکت اور نظام حکومت کے لئے جن اسباب و آلات کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پاس سب کچھ موجود ہے۔

عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی اس کا سریر مملکت بہت بڑا ہے کہ آپ کے پاس بھی ایسا نہیں ہے جس کا سامنے کا حصّہ سونے کا ہے۔ جس پر یاقوت سُرخ اور زمرد سبز جڑے ہوئے ہیں اور پچھلا حصہ چاندی کا ہے جو گوناگوں کے ہیرے جواہر اور رنگ برنگے موتیوں سے مرصع ہے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی تیس تیس ذراع تھی اور وہ دربارِ عام میں اس کے اوپر بیٹھ کر حکم کرتی تھی۔ رازی نے (علی ما نقل عنہ) ذکر کیا ہے کہ ملحد و بے دین لوگ اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اوّلاً تو ہُدہُد کا کلام کرنا ناممکن ہے اور ثانیاً شام (اردن) سے یمن کی طرف جانا اور تھوڑی سی مدّت میں جا کر واپس پہنچنا بھی محالات میں سے ہے اور اس کا جواب مفصّل لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ اُمور خالق کل پروردگار کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہیں۔ اس قسم کے اشکالات وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہاتھ دامن توحید

سے کوتاہ ہو۔ ابوالحسن شعرانی مجمع البیان کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ پرندہ کی حکایت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو قابل اعتراض ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے لئے امور غائبہ کی خبریں دینا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نیز پرندوں کا تربیت پاکر خطوط لے جانا اور ان کا جواب لانا امور ناممکنہ میں سے نہیں ہے۔ لہذا مفسرین نے اس بارے میں جو معلومات درج کتب کی ہیں ان کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت وسیع ہے اور واقعہ میں ذکر کردہ امور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہیں البتہ اگر روایات غلط طور پر نقل کی گئی ہیں تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسی روایات درج کتب کی ہیں جو حقیقت سے بے تعلق ہیں (اقول) زمانہ گذشتہ میں جب کہ اسباب و ذرائع محدود تھے۔ اور رسل و رسائل کے امور پیدل کے لمبے چوڑے اسفار پر منحصر تھے شاہان وقت کے پاس پرندوں کی تربیت کا معقول انتظام ہوتا تھا جو بعض ضروری خطوط کو تربیت یافتہ پرندوں کے ذریعے سے دور دراز تک بھیجتے تھے اور جواب واپسی بھی حاصل کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چونکہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ پرندے بھی اس کے زیر فرمان تھے تو ان کا تربیت یافتہ ہونا اور اس قسم کے امور کو انجام دینا کیا بعید ہے نیز اللہ قادر ہے کہ بعض پرندوں کو اس قدر تیزی کی توفیق دے دے اور حضرت سلیمان ع کی جانب سے ممکن ہے کہ محکمہ سراغرسانی انہی پرندوں کے سپرد ہو جس طرح کہ سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کی ڈیوٹی ہوا کے ذمہ تھی اور محکمہ تعمیرات قوم جن کے سپرد تھا اس کا بلا اطلاع چلا جانا حضرت سلیمان ع کے لئے قابل اعتراض تھا اور محکمۂ سراغرسانی کا اس کے ذمہ ہونا اس امر سے بھی منکشف ہے کہ حضرت سلیمان ع نے جب اس کی غیر حاضری پر اس کی سزا کا اعلان فرمایا تو یہ استثناء بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی معقول عذر اور واضح چیز اس نے پیش کی (یعنی کچھ اچھے معلومات اس نے فراہم کئے) تو اس کی سزا برطرف کر دی جائے گی اور ہدہد کی مکمل رپورٹ اس امر کی غماز ہے کہ وہ تربیت یافتہ تھا اور اس میں عہدۂ سفارت کی اہلیت موجود تھی۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ تفصیل بیان کی کہ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو سورج کی عبادت کرتا ہوا پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کے پجاری ہیں اس پر بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ہدہد جیسے پرندے کو اللہ کی معرفت سے کیا سروکار اور اسے کیا خبر کہ سورج کی عبادت اور اللہ کی عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں نہ وہ ذوی العقول میں سے تھا اور نہ اس قسم کی باتیں سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا کیونکہ عبادت کی تکلیف صرف جنوں اور انسانوں کے لئے ہے اور یہی معرفت حاصل کرنے کے اہل ہیں اور اس اشکال کا حل انہوں نے یہ پیش کیا ہے کہ پرندے کی خبر اس طرح تھی جس طرح انسانوں میں چھوٹے لڑکے جو بلوغ کے قریب ہوں وہ اگرچہ خود معرفت نہیں رکھتے لیکن ہمیں اللہ کی عبادت کرتا دیکھ کر کہیں اس کا الٹ دیکھیں تو اس کو باطل کہنے کو تیار ہوتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ حق و باطل میں تمیز کرنے کے اہل نہیں ہوتے اسی طرح ہدہد نے ادھر حضرت سلیمان ع کو اللہ کا سجدہ کرتے دیکھا تھا جب ملکہ سبا کو اس نوعیت کی مخالف عبادت میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ باطل ہے۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ یہ حل بالکل قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ حق اور باطل یعنی توحید پرستی اور سورج پرستی میں فرق کرنا اور ایک کو اچھا سمجھنا اور دوسرے کو برا جاننا بغیر معرفت خداوندی کے قطعاً ناممکن ہے اسی طرح جائز اور ناجائز کا فرق بیان

کرنا ایک غیر عارف سے محال ہے اور اس کے بعد ان کی گمراہی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا کہ ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے مزین کر رکھا ہے اور ان کو راہِ حق سے روک رکھا ہے یہ ایک ایسا پُر مغز اور مدلل بیان ہے کہ نہ معرفت رکھنے والا اس کو ادا نہیں کر سکتا اور اس سے صاف واضح ہے کہ ہُدہُد کے تصور میں عدلِ خداوندی کا نقشہ بھی تھا اور یہ کہ خدا فعلِ قبیح کا بھی مرتکب نہیں ہو سکتا اور خدا قادر ہے کہ کسی پرندہ کو اتنا شعور و ہوش عطا فرمائے کہ وہ ان معاملات کو سمجھ سکے اور بیان کر سکے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس قسم کی چیزیں بعید از قیاس ہیں تو اس استبعاد سے حقیقت اشیاء بدل نہیں سکتی چنانچہ آجکل کے زمانہ ارتقاء انسانی میں جب کہ فضائے آسمانی کو مسخر کرنے کے لئے انسانی ذہن بے چین ہیں اور چاند کی فتح کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ ایک طرف دعوے کرنے والے بے دھڑک اور بانگِ دہل اخباروں میں اور ریڈیائی اطلاعات میں دھڑا دھڑ اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے خلا باز چاند پر اُتر گئے اور چاند کی سطح پر کچھ دیر رہ کر واپس آگئے، انہوں نے چل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی زبان سے بھی اعلان کیا کہ ہم گئے اُترے اور کچھ دیر تک ٹھہرے آپس میں باتیں کیں اور وہاں سے کچھ ساتھ بھی لائے اور اس سب اعلان و اشتہار و دعوٰے کے باوجود اس سائنسی دَور میں بہت کافی انسان ایسے بھی ہیں جو اب تک یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ ناممکن ہے بعید ہے غلط ہے اور سفید جھوٹ ہے۔ اب دنیا کا کوئی مہذب سے مہذب انسان ان سے منوا تو دیکھے بلکہ سنا ہے بعض مولویوں نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جو چاند پر کسی انسان کے اترنے کو صحیح مانے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یعنی وہ مُرتد ہو جاتا ہے اور اس کی مسلمان عورت اس سے فارغ ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ جو شخص کسی کی بات کو ناممکن کہنے لگ جائے اس سے منوانا بہت مشکل ہو جاتا ہے بہرکیف یہ ہُدہُد کا واقعہ جس کی قرآن نے حکایت کی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے مقتضا کے خلاف ہو یا اس کو ناممکن کہا جا سکے۔

اَلَّا یَسْجُدُوْا۔ اگر الّا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو پچھلی عبارت کے ساتھ متصل ہوگا اور ہدہد کی حکایت کا تتمہ ہوگا۔ یعنی شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا ہے لِئَلَّا یَسْجُدُوْا تاکہ وہ اللہ کا سجدہ نہ کریں۔ پس اس صورت میں یہ مفعول ہوگا۔

اور اس کی دوسری قرأت اَلَایَسْجُدُوْا بغیر تشدید کے ہے اور اس کی اصل ہے اَلَا یَا قَوْمِ اسْجُدُوْا اس اعتبار سے یہ آیت درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ پہلی بات یعنی ہُدہُد کی حکایت ختم ہوئی کہ وہ شیطان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہیں کہ اللہ کی عبادت کی طرف آتے ہی نہیں ہیں۔ پس ارشاد ہوا کہ اے لوگو اللہ کی عبادت کرو۔ جس نے آسمان اور زمین کی پوشیدہ اشیاء کو کتم عدم سے نکال کر خلعتِ وجود عطا فرمایا اور ممکن ہے کہ یہ حضرت سلیمان ؑ کا مقولہ ہو لیکن پہلی تشدید والی قرأت کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک تو کلام متصل میں جملہ معترضہ کا فاصلہ نہیں پڑتا اور دوسرا اَلیَسْجُدُوْا میں یاء داخل ہے ورنہ اگر اَلا حرف تنبیہ ہوتا اور یا حرف ندا ہوتا تو کتابت میں یا الگ ہوتا اَلَا یَا اسْجُدُوْا امر کا صیغہ بغیر اتصال یا کے لکھا جاتا۔ دوسری قرأت کے لحاظ سے امر پر حرف تنبیہ اس لئے ہے کہ مامور کو مامور بہ کی اہمیت کا احساس دلایا جائے اور اسی بناء پر منادی کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا اور مامور بہ کو فوری طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر اَلَّا یَسْجُدُوْا پہلی قرأت کے لحاظ سے پڑھا جائے اور اس کو ماقبل کے ساتھ متصل قرار دیا جائے۔ تو آیت کے اختتام پر سجدۂ تلاوت استحباباً کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ آیت میں سجدہ کا حکم نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے، کہ

تُعۡلِنُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۶﴾ سجدہ قَالَ

سب کاموں کو اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے فرمایا

سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾ اِذۡهَبۡ بِّكِتٰبِىۡ

عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا ہے تو جھوٹ بولنے والوں میں سے لے جا میرا یہ خط

هٰذَا فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾

پس ڈال طرف ان کے پھر پوشیدہ ہو جا ان سے پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں ؟

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنۡ

کہنے لگی اے سردارانِ قوم میری طرف بھیجا گیا ہے ایک خط کریم تحقیق وہ سلیمان

ترک سجدہ پر مذمت کا ہونا سجدہ کی محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ بنابریں آیت کے اختتام پر سجدہ مستحب ہے اور اس کا طریقہ پارہ نمبر۹ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

خَبۡءَ السَّمٰوٰت۔ اس جگہ خَبۡءُ بمعنی مخبوءٌ ہے یعنی جن اشیاء کو خدا نے کتم عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعتِ وجود میں ظاہر فرمایا وہ سب مخبوء یعنی پوشیدہ تھیں جن کو عالم خفا سے نکال کر عالم ظہور میں اس نے جگہ دی۔ بعضوں نے خبءٌ کا معنی غیب کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمانوں کی پوشیدہ چیز جس کو اللہ ظاہر کرتا ہے اس سے مُراد بارش ہے اور زمین کی پوشیدہ اشیاء جملہ نباتات ہیں۔

قَالَ سَنَنۡظُرُ۔ جب ہُدہُد نے اپنے سفر کی رپورٹ پیش کر لی تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تیری خبر کی صحت کا ہم ابھی امتحان لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک خط تحریر فرمایا اور سر بمہر کر کے ہُدہُد کے حوالے کیا اور فرمایا میرا خط ملکہ سبا بلقیس کے پاس لے جا اور اس کا جواب واپس لے آ۔

فَاَلۡقِهۡ۔ اس کو قاریوں نے تین طریقوں سے پڑھا ہے۔ اَلۡقِهۡ۔ اَلۡقِهِ۔ اَلۡقِهِمۡ۔ موجودہ قرآنوں میں پہلی قرأت درج ہے۔

تَوَلَّ عَنۡهُمۡ۔ یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ وہ پرندہ تربیت یافتہ تھا کیونکہ حضرت سلیمانؑ اس کو فرما رہے ہیں کہ خط دے کر ان کی نظروں سے چھپ کر رہنا اور حالات کا خوب جائزہ لیتے رہنا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کیا تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ہُدہُد خط کو لے کر وہاں پہنچا تو اس وقت ملکہ بلقیس اپنے محل میں سیدھی سوئی ہوئی تھی اور محوِ خواب تھی پس اس نے اس کے سینے پر خط پھینک دیا اور اس کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہُدہُد کہیں رات کے پچھلے حصہ میں پہنچا کہ اس کے پہنچنے کے بعد سُورج کا طلوع ہوا اپنی چونچ میں خط کو لیکر اِدھر اُدھر موقعہ کی تلاش میں رہا ملکہ اپنے محل کے اندر تھی اس کے کمرہ میں مشرقی طرف ایک روشندان تھا کہ چڑھتے سورج کی روشنی اس

سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ

کی طرف سے ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر ہے اور یہ کہ میرے اوپر سرکشی

وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ع قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ

نہ کرو اور آجاؤ مسلمان ہو کر کہنے لگی اے سردارو! مشورہ دو مجھے میرے معاملہ میں کہ میں نہیں

سے گذر کر کمرہ کے اندر پہنچ جاتی تھی اور ملکہ اُٹھ کر سورج کا سجدہ کرلیتی تھی۔ ہدہد نے جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے پر مار کر روشندان کی کھڑکی کو بند کردیا پس کمرے میں اندھیرا ہوگیا حتیٰ کہ سورج کے طلوع ہونے کا بھی ملکہ کو علم نہ ہوسکا پس وہ دن معلوم کرنے کے لئے اُٹھی تو اس نے اس کے سامنے حضرت سلیمان کا مکتوب ڈال دیا ملکہ نے خط کا مطالعہ کیا اور مضمون خط کو سمجھا پھر باہر آئی اور ارا کین دولت ومشیران حکومت اور جملہ آفیسران مملکت کو بلایا اس وقت ان کی تعداد تین سو بارہ تھی پس ان کے سامنے حضرت سلیمان کے خط اور اس کے مضمون کا انکشاف کیا۔

کِتَابٌ کَرِیْمٌ۔ خط کو کریم کہنے کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں (۱) خط بند تھا اور اُوپر مہر تھی اس لئے اس کو کریم کہا اور حضورؐ کا بھی فرمان ہے کہ خط کا اکرام یہ ہے کہ اس کو بند کرکے مہر کیا جائے (۲) بسم اللہ کی ابتدا کی وجہ سے اسے کریم کہا (۳) حسن تحریر اور عمدگیٔ بیان کی وجہ سے اس کو کریم کہا (۴) چونکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے متعلق سن چکی تھی کہ وہ جنوں، انسانوں اور پرندوں سب پر وسیع حکومت وسلطنت کا مالک ہے اس لئے ان کے خط کو کریم کا لقب دیا۔

رکوع نمبر ۱۸ ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو

قَالَتْ۔ ملکہ بلقیس نے جب ارکان دولت اور شجاعانِ لشکر کے سامنے حضرت سلیمانؑ کے خط کا مضمون پڑھا۔ جس میں توحید پروردگار کا سب سے پہلے اعلان تھا۔ چنانچہ خط کا سرنامہ ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا۔ اس کے بعد اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ میں بصورت انکار، جنگ کا اعلان اور تہدید کا پہلو بھی ظاہر تھا اور آخر میں وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ کے فقرہ میں صلح کی پیش کش تھی۔ سب نے مل کر حضرت سلیمانؑ کے خط کے تینوں پہلوؤں پر غور وخوض کیا اور جب کسی صحیح اور حتمی فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو فوجی افسروں نے اپنی وفا شعاری اور جانبازی کا یقین دلایا کہ ہمارے ذمہ جو فریضہ ہے ہم اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ ہر بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے کوہ گراں بن کر کھڑے ہونے کو تیار ہیں اور کٹ جائیں گے مٹ جائیں گے۔ لیکن ناموس ملک اور شرافتِ قوم کے دامن پر تاحیات داغ نہ آنے دیں گے اور سلطنت کی بقاء کی خاطر خون کا آخری قطرہ قربان کردینے کے لئے ہم تیار ہیں۔ باقی رہا حکومتی فیصلہ تو اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اقتدار اور تخت تیرے ہاتھ میں ہے۔ پس تیرے حکم کے سامنے ہمارے سر حاضر ہیں جو حکم تمہیں بھلا معلوم ہو ارشاد کیجئے اگر اعلان جنگ کرنا ہے تو فوج باوفا سر دھڑ کی بازی لگائے کھڑی ہے اور اگر صلح کرنی ہے تو ہماری وفا شعاری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ۔ ملکہ نے جب فوجی نوجوانوں کو آمادہ حرب وضرب دیکھا تو کہنے لگی۔ اے میری وفادار فوج کے جانباز وجیالے

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ أُولُوا

قطعی فیصلہ کرتی کسی معاملہ میں یہاں تک کہ تم حاضر ہو کہنے لگے ہم طاقت ور

قُوَّةٍ وَّ أُولُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾

ہیں اور کافی شجاعت کے مالک ہیں اور حکم تیرے پاس ہے پس دیکھ لو جو حکم کرنا ہے

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ

کہنے لگی تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو

أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّيْ مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ

ذلیل کرتے ہیں اور یہی دستور رہا ہے اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک

بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ

ہدیہ پس دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں پس جب قاصد سلیمانؑ کے پاس پہنچا

نوجوانو! اور میرے ملک کے شیردل بہادرو! میں تمہارے جذبات سے کھیلنا پسند نہیں کرتی۔ ذرا جذبات سے بالاتر ہوکر سوچو اور ٹھنڈے دل سے اس کا صحیح حل تلاش کرو۔ دیکھو آگ لگانا آسان ہے لیکن اس کے پھیل جانے کے بعد اس کا بجھانا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح لڑائی کا چھیڑنا اور اعلان جنگ کردینا آسان ہے لیکن اس کا انجام نہایت بھیانک اور دہشت ناک ہے۔ آج تک کی تاریخ کا جائزہ تو لو۔ جب بادشاہ لڑتے ہیں تو تباہی جانبین میں ہوتی ہے۔ اکثر کام کے آدمی اور فوج کے مایۂ ناز نوجوان میدان میں مارے جاتے ہیں۔ بہت سے آباد و شاد گھرانوں کی خوشیاں غموں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور پھر فاتح بادشاہ جب مفتوح و مغلوب حکمران کے پایۂ تخت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتا ہے تو پہلے شہر تباہ ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی باعزت شہری کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اور یہی دستور آج تک چلا آیا ہے ان سب باتوں کو خوب سوچو اور جذبات کی رو میں جانے اور بہنے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

وَإِنِّيْ مُرْسِلَةٌ۔ میں اس بات کی مزید تحقیق کرتی ہوں کہ آیا وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے یا دنیا کا بادشاہ ہے۔ پس اگر نبی برحق ہوگا۔ تو ہم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ پس میں ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں، اگر دنیاوی بادشاہ ہوگا تو مال دنیا لے کر خوش ہو جائے گا۔ پھر اس کا مقابلہ ہم آسانی سے کرسکیں گے۔ لیکن اگر نبی ہوگا تو دنیاوی مال پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔ پس ہم مقابلہ نہ کریں گے۔ بلکہ اُس کے سامنے سر تسلیم خم کرکے خوشی خوشی دامن اسلام سے وابستہ ہوجائیں گے۔

ملکہ بلقیس کی رائے سب نے پسند کی۔ اور اسی کو مجلس مشاورت کا آخری فیصلہ قرار دیا گیا۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے پانچ چیزیں تیار کیں۔
(۱) نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں اور سب کو ایک رنگ کا لباس پہنا دیا تاکہ نر و مادہ کی شناخت نہ ہو سکے۔ اور اس میں دو قول اور بھی ہیں۔
بعض کہتے ہیں کہ ہر صنف کی تعداد دو دو سو تھی اور لباس عورتوں کا لڑکوں کے لئے اور مردوں کا لڑکیوں کے لئے تجویز ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ پانچ سو کی تعداد تھی کہ لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور لڑکوں کو زنانہ لباس۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن گلے میں سونے کے ہار اور کانوں میں موتیوں سے جڑے ہوئے سنہری بندے پہنائے گئے۔ اور سب کو عمدہ گھوڑوں پر سوار کیا گیا جن کی لگامیں موتیوں سے جڑاؤ دار سنہری تھیں اور یہ سب کچھ بطور ہدیہ کے پیش کرنا تھا۔
(۲) اس میں دو قول ہیں۔
ایک یہ کہ اطلس و دیباج کے قیمتی کپڑوں میں سونے کی اینٹیں لپیٹ کر بھیجیں۔
اور دوسرا قول یہ ہے کہ سونے کی پانچ سو اینٹ۔ چاندی کی پانچ سو اینٹ اور ایک یاقوت و جواہر سے جڑا ہوا تاج شاہی بطور ہدیہ کے روانہ کرنا تجویز ہوا۔
(۳) ایک ڈبیہ میں ایک درِ ناسفتہ بند کیا اور اس میں ایک مہرہ بھی رکھا جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا
(۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے ہدیوں میں ایک عصا بھی بھیجا جو بعد میں حمیر کے شہنشاہوں میں بطور وراثت کے یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔
(۵) نیز ایک پانی کا خالی پیالہ بھی ساتھ دیا۔ پہلی روایت کے مطابق اپنی قوم کے ایک شریف آدمی منذر بن عمرو کو بلایا اور عہدۂ سفارت اس کے سپرد کر کے چند آدمی چیدہ و فہمیدہ اور بھی اس کے ساتھ کئے۔ نیز ایک خط تحریر کیا۔ جس میں حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی گئی کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق نبی ہیں تو عورتوں اور مردوں میں امتیاز کر دیں اور یہ بتائیں کہ ڈبیہ کے اندر کیا چیز بند ہے اور درِ ناسفتہ میں سوراخ کر دیں۔
اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ سوراخ نہ لوہے سے ڈالا جائے اور نہ آگ اس کے قریب کی جائے اور ترچھے ٹیڑھے سوراخ والے مہرے میں تاگا ڈال دیں کہ تاگا ڈالنے والا نہ انسان ہو اور نہ جن ہو۔
اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کے سر کا کنارہ اور نیچے کا کنارہ معین کر دیں اور پیالہ کو پانی سے پُر کریں جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا ہو۔ پس یہ سب چیزیں اپنے نامزد سفیر منذر بن عمرو کے حوالہ کیں اور خط بھی ساتھ دیا۔ اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ خیال رکھنا جب پہلی بار ان سے ملاقات ہو تو دیکھنا اگر غصہ سے بھرپور ہو کر تجھے رعب و جلال سے دیکھتا ہو تو سمجھ لینا کہ دنیاوی بادشاہ ہے۔ پس بالکل نہ گھبرانا کیوں کہ ہماری طاقت اس سے کم نہیں ہے۔ لیکن

اگر تجھے پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھے اور لطف و کرم کے انداز سے پیش آئے تو یقین کرنا کہ وہ خدا کا فرستادہ نبی ہے۔ پس ادھر سے ہدایا و تحائف لے کر ملک سبا (یمن) سے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اور ادھر ہُدہُد ان تمام باتوں کو نوٹ کر کے تیز پروازی سے بارگاہِ سلیمانی میں پہنچا اور جاتے ہی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی کارگذاری اور پوری حقیقتِ حال سنا دی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کی رپورٹ مکمل سن لی تو جنوں کو حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کریں چنانچہ انہوں نے تعمیلِ حکم میں بہت جلدی کی پھر حکم دیا کہ قیام گاہ سے لے کر چند فرسخ تک پورا میدان صاف کر کے اس پر سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش تیار کر لو۔ اور اس پورے میدان کی چار دیواری مکمل کرو۔ جس کے کنگرے سونے اور چاندی کے ہوں۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گیا تو جنوں کو حکم دیا کہ اپنی تمام اولاد کو یہاں بُلا لاؤ۔ چنانچہ سب قوم جنات اکٹھی ہو گئی تو فرمایا میدان کے دائیں بائیں ان کو کھڑا کر دیا جائے۔ پس درمیان میں اپنے شاہی تخت پر حضرت سلیمان علیہ السلام خود جلوہ افروز ہوئے۔ اور چار ہزار کرسی، تخت کے دائیں طرف اور چار ہزار کرسی تخت کی بائیں طرف نہایت اچھی ترتیب اور سلیقے سے رکھی گئی۔ شیاطین کو حکم دیا کہ صف بستہ چند فرسخ تک راستے پر کھڑے ہو جاؤ اور دوسری طرف انسانوں کو صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ وحشی جانوروں درندوں حشرات الارض اور پرندوں کو نہایت خوشنما انداز میں صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ راستے کے دائیں بائیں بہت دور تک حضرت سلیمانؑ کی مختلف الاجناس فوج صف بستہ حکم شاہی میں پابند اور چاک و چوبند انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ ادھر سے جب ملکہ بلقیس کے قاصد سامان ہدیہ لے کر اس میدان کے قریب پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہی ضبط اور فوجی نظم و نسق اور مختلف الاجناس رعایا کا سلیقہ و ڈسپلن ملاحظہ کیا تو ان کے سانس پھول گئے۔ اور حیرت و اضطراب کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے۔ پس شرم کے مارے ہدیے اور تحفے جو ساتھ لائے تھے وہ میدان کی چار دیواری کے باہر پھینک کر اندر آ گئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی دربار میں پہنچ کر آپ کا آداب شاہانہ سے سلام کیا آپ نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھی سے پیش آئے اور رسمی خوش آمدید کے بعد فرمایا سناؤ کس مطلب کے لئے آئے ہو تو انہوں نے اپنا سارا پروگرام پیش کر دیا۔ منذر بن عمرو سارے وفد کا سربراہ تھا اس نے ملکہ کا خط پیش کیا آپ نے فرمایا وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے پیش کی تو آپ نے اس کو حرکت دی اور فرمایا اس میں درِ ناسفتہ ہے اور ایک مہرہ ہے جس کا سوراخ ٹیڑھا ہے۔ بلقیس کے سفیر نے عرض کی کہ حضور دُرِ ناسفتہ میں سوراخ کرنا ہے اور مہرے میں تاگا ڈالنا ہے۔ آپ نے دیمک کو بلوایا اور حکم دیا۔ پس اس نے باریک تاگا منہ میں لیا اور درِ ناسفتہ کی ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی۔ پھر فرمایا۔ اس مہرے میں تاگا کون ڈالے گا تو ایک سفید رنگ کے باریک کیڑے نے عرض کی حضور یہ کام میں انجام دوں گا۔ پس اس نے باریک تاگا منہ میں لیا اور مہرے کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پار ہو گیا

قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ

تو آپ نے فرمایا کیا تم میری مدد کرتے ہو مال سے حالانکہ جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے. بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم

پھر لڑکیوں اور لڑکوں کے درمیان امتیاز کا مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا تو دیکھا کہ لڑکیاں اپنی فطرت کے مطابق منہ دھونے کے لئے ایک ہاتھ میں پانی ڈال کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملاتی تھیں اور منہ پر پانی ڈالتی تھیں اور لڑکے ہاتھ میں چلّو لے کر منہ پر ڈال دیتے تھے ہاتھ دھونے کے لئے لڑکیاں کہنیوں کے اندر پانی ڈالتی تھیں. اور لڑکے کہنیوں پر ڈالتے تھے اسی طرح پانی ڈالنے میں بھی فرق تھا کہ لڑکیاں کہنیوں کے باطن پر یک بار پانی ڈال لیتیں پھر ملتی تھیں۔ اور لڑکے پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اُوپر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ ان علامتوں سے آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ کر دیا۔ اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کو اُوپر کی طرف پھینکا اور فرمایا جو کنارہ پہلے زمین پر واپس آئے اس کو سر سمجھنا۔ پھر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا جب پسینہ پسینہ ہو گئے تو فرمایا پیالے ان کے پسینے سے بھر لو یہ پانی نہ آسمان کا ہے اور نہ زمین کا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ۔ یعنی جب ملکہ سبا بلقیس کا قاصد منذر بن عمرو ہدیے لے کر پہنچا تو حضرت سلیمان ع نے ہدیوں کو دیکھ کر فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو. حالانکہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا مال کافی ہے۔ تم اپنا مال واپس لے جاؤ۔

بَلْ اَنْتُمْ۔ یعنی تم لوگ ایک دوسرے کے ہدیوں کے محتاج ہوتے ہو اور ہدیہ ملنے سے خوش ہوتے ہو لیکن میں اس مال دنیا کو حقیر سمجھتا ہوں۔

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ۔ پھر قاصد سے فرمایا کہ ملکہ سے جا کر کھلے اور واضح الفاظ میں میرا پیغام دے دینا کہ اسلام کے علاوہ میں تمہاری اور کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں پس اسلام کو قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو جنگ تمہیں مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ تمہارے بس میں نہیں کہ میری ان دیو پیکر فوجوں کا مقابلہ کر سکو۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ذلّت و خواری سے بچو اور اسلام کے دامن میں باامن و امان داخل ہو جاؤ۔

پس جب ملکہ بلقیس کا سفیر واپس پہنچا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت نظام ملک عظمت و شوکت اور فوج و لشکر کے متعلق اپنے آنکھوں دیکھے حالات سنائے اور ہدیے بھی واپس لوٹا دیئے اور سب سوالات کے جوابات صحیحہ بھی پیش کئے۔ تو ملکہ اور اس کی رعایا کو یقین ہو گیا کہ وہ نبی مرسل ہیں دنیاوی حکمران نہیں ہیں لہٰذا ان سے جنگ کرنا غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو قبول کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر بارگاہِ سلیمانی میں نیازمندی کے اظہار کے لئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اور آخر کار رختِ سفر باندھ کر اپنی شانِ شاہانہ کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف سفر اختیار کیا۔

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا۔ اِدھر حضرت جبرئیل نے حضرت سلیمان ع کو اطلاع دے دی کہ ملکہ سبا بلقیس یمن سے روانہ ہو کر آ رہی ہے۔ پس آپ نے ارکین دولت مشیرانِ حکومت اور سرداران لشکر کو خصوصی پیغام بھجوا کر ایک مخصوص مجلس مشاورت قائم

بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا

لوگ اپنے ہدیوں سے خوش ہوتے ہو ان کی طرف واپس جا پس ہم لائیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ وہ ان کا

قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے نکال دیں گے ذلیل کر کے کہ وہ خوار ہوں گے

کی۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اجتماع کی غرض سے سب کو آگاہ کیا کہ ملکہ سبا مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر کے بہر ملاقات یمن سے روانہ ہو چکی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے لہٰذا تم میں سے کوئی ہے۔ جو میری اس خواہش کو پورا کر سکے۔ اور ملکہ کے تخت کو منگوانے کی کئی وجوہ مفسرین نے ذکر کی ہیں (۱) تخت بلقیس کی تعریف سن کر آپ اس کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے اور چونکہ آپ کے لئے اس کے اسلام کو قبول کرنے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اس کی آمد سے قبل اس کے تخت کو منگوانا چاہتے تھے (۲) ملکہ کی عقل و دانش کے امتحان کے لئے ایسا کرنا چاہا تاکہ اس کا حلیہ تبدیل ہونے کے بعد وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہ (۳) اپنی نبوت کی صداقت پر ملکہ کو اعجاز دکھانا چاہتے تھے تاکہ اس کا ایمان زیادہ مضبوط ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے دارالحکومت میں پولیس و فوج کے پہرہ کے نیچے محلات شاہی میں مقفل کر کے آئی تھی، پس اس کا اس سے پہلے پہنچ جانا خالی از اعجاز نہ تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بہت بارعب اور صاحب جلال انسان تھے خود پہلے کلام نہ کرتے تھے جب تک کوئی دوسرا سوال نہ کرتا تھا۔

پس ایک دن اپنے تخت حکومت پر اپنی شان شاہانہ سے جلوہ گر تھے کہ نزدیک غبار دکھائی دیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے ؟ تو جواب ملا کہ حضور ملکہ سبا بلقیس آ رہی ہے اور اب فلاں مقام پر قیام پذیر ہے اس وقت آپ کوفہ اور حیرہ کے درمیان موجود تھے اور اس کا قیام وہاں سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا پس آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا تخت اس کے مسلمان ہو کر پہنچ جانے سے پہلے پیش کرے ایک دیو بولا میں مجلس برخواست ہونے سے پہلے پیش کروں گا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام دربار شاہی میں مقدمات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے صبح سے دوپہر تک بیٹھا کرتے تھے جب دیو نے کہا کہ مجلس برخواست ہونے سے پہلے لاؤں گا تو آپ نے فرمایا اس سے بھی جلدی چاہیئے۔

لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قوی اس لئے کہا کہ اپنی طاقت پر اس کو بھروسہ تھا کہ میں اس قدر دیر میں لا دوں گا اور امین کہہ کر ظاہر کیا کہ تخت پر جڑے ہوئے موتیوں اور جواہر کا نقصان نہیں کرونگا اور پوری امانت داری سے یہ فریضہ انجام دوں گا۔

اَلَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ۔ اس سے مراد حضرت آصف بن برخیا ہیں جو حضرت سلیمان کے بھانجے بھی تھے اور ان کے پاس وہ اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے ہر دعا مستجاب ہوتی تھی اور بعضوں نے اس کا نام بلخیا۔ اسطوم۔ خضر بھی لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جبریل امین ؑ تھے کہ خدا نے اس کو حضرت سلیمان ؑ کا تابع کر دیا تھا اور کتاب سے باختلاف

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ

فرمایا (سلیمان نے) اے سرداران قوم کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ پہنچیں میرے پاس

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ

مسلمان ہو کر کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں اس کو لاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے

مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ

اٹھیں اور میں اس بات پر قدرت رکھنے والا امین ہوں کہا اس نے جس کے پاس کچھ علم تھا

نظریات لوح محفوظ جنس کتب سماویہ یا کتاب سلیمان مُراد لی گئی ہے۔

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ ۔ یعنی میں پلک جھپکنے سے پہلے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمانؑ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی جب نیچے کی طرف دیکھا تو تختِ بلقیس حاضر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آصف نے سجدہ کیا اور اسمِ اعظم کے ذریعہ سے دُعا کی پس تخت بلقیس یمن کے دار الحکومت سبا سے غائب ہو کر حضرت سلیمانؑ کے پاس اُسی وقت آموجود ہوا۔ جب سلیمان نے کہا لاؤ تو آصف نے کہا یہ لیجیے حاضر ہے اور تخت بلقیس کے فوراً آجانے کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کی مسافت کو لپیٹ لیا گیا۔ پس طی الارض کے ذریعے سے تخت بلقیس پہنچ گیا۔

اسم اعظم تفسیر صافی میں بصائر الدرجات اور کافی سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم تہتر حروف پر تقسیم ہے اور آصف کے پاس ان میں سے صرف ایک حرف تھا پس اسنے زبان پر جاری کیا تو تخت بلقیس کے نیچے سے زمین کھچ گئی اور آصف نے اس کو پکڑ لیا پھر زمین اپنی حالت پر چشم زدن میں پلٹ گئی اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں اور ایک حرف باقی اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

بروایت عیاشی حضرت علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اَلَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کا مصداق آصف بن برخیا ہے لیکن حضرت سلیمان خود بھی اس اسم اعظم سے عاجز نہ تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ جن وانس پر یہ بات واضح کر دیں کہ میرے بعد تم پر حجت خدا یہ ہیں اور یہ بھی حضرت سلیمان کا ہی علم تھا جو انہوں نے آصف کو تعلیم کیا تھا باذنِ پروردگار اور اس کو اللہ نے فہم عطا فرمائی تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ رہے جس طرح حضرت داؤدؑ کی زندگی میں خدا نے فیصلے کی فہم حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی تاکہ داؤدؑ کے بعد ان کی امامت و نبوت میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ تفسیر کی جلد نمبر ۹ ص ۲۴۱ پر ہم نے اس کی وضاحت کی ہے اور حضرت سلیمان کی حکومت پر بھی وہاں ایک مختصر نوٹ آیات متعلقہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس اسم اعظم

کے دو حرف تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس چار حرف تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آٹھ حرف تھے۔ حضرت نوحؑ کے پاس پندرہ حرف تھے اور حضرت آدمؑ کے پاس پچیس حرف تھے لیکن خداوند کریم نے وہ سب حضرت محمد مصطفےٰؐ کو عطا فرمائے اسم اعظم کے تہتّر حروف ہیں۔ جن میں سے بہتّر حبیبِ خدا کو عطا فرمائے اور ایک مخصوص طور پر اللہ نے اپنے پاس رکھا اور فرمایا خدا کی قسم ہمارے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ سوال کرتے تھے اور ان کا سوال پورا کیا جاتا تھا اور جب کوئی دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔ اگر آج موجود ہوتے تو ہمارے محتاج ہوتے۔ سید رضی کی کتاب خصائص سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مسجد میں رونق افروز تھے کہ دو شخص مقدمہ لے کر داخل ہوئے ان میں سے ایک خارجی تھا اور فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو کہنے لگا آپ نے فیصلہ درست نہیں کیا اور عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ پس خدا کے نزدیک آپ کا یہ فیصلہ قطعاً پسندیدہ نہیں ہے۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اِخْسَاْ عَدُوَّ اللّٰہِ۔ اے دشمن خدا دفع ہو جاؤ۔ (اِخْسَاْ کتے کو بھگانے کے لیے استعمال ہوتا ہے) فوراً وہ شخص سیاہ کتا بن گیا اور حاضرین نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اس کے بدن سے الگ ہو کر ہوا میں چلے گئے۔ راوی کہتا ہے۔ پس وہ آپ کے سامنے عاجزی کرنے لگا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آپ کو اس پر رحم آ گیا پس آسمان کی جانب دیکھا اور لب ہائے مبارک کو کچھ حرکت دی کہ ہم نہ سن سکے۔ بخدا ہم نے دیکھا کہ وہ دوبارہ انسان بن گیا اور اس کے کپڑے ہوا سے پلٹ کر واپس اس کے جسم پر آ گئے۔ پس وہ پاؤں گھسیٹتا اور کانپتا ہوا مسجد سے باہر چلا گیا اور ہم ازراہِ حیرت واستعجاب آپ کی جانب دیکھنے لگے۔ فرمایا کیوں فرطِ تعجب سے میری طرف دیکھتے ہو؟ ہم نے عرض کی حضور! کیسے تعجب نہ کریں حالانکہ ہم آپکا اعجاز دیکھ چکے ہیں۔ پس فرمایا حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کے وصی جناب آصف بن برخیا نے بھی ایک ایسا کام کیا تھا جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کے بعد آیات قرآن کی تلاوت کی جن میں ملکہ بلقیس کے تخت کولانے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہارا نبی افضل ہے یا سلیمان بن داؤدؑ؟ سب نے جواب دیا کہ ہمارا نبی افضل ہے آپ نے فرمایا پھر تمہارے نبی کے وصی کو سلیمانؑ کے وصی سے یقیناً افضل ہونا چاہیئے۔ حضرت سلیمانؑ کے وصی کے پاس صرف ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے اس نے اللہ سے سوال کیا۔ پس خدا نے اس کے اور تختِ بلقیس کے درمیان سے زمین کو لپیٹ لیا۔ پس اس نے تخت کو پکڑ کر چشم زدن میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتّر حرف ہیں اور باقی ایک حرف ذاتِ پروردگار کے لئے مخصوص ہے یہ سن کر حاضرین مجلس نے عرض کی کہ حضور! اگر یہ بات ہے تو معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے آپ فوجی بھرتی کے لئے لوگوں کو کیوں حکم دیتے ہیں تو فرمایا۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گذار بندے ہیں اس کی مشیت سے سبقت نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امر کے ماتحت اقدام کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اس لئے دعوت دیتا ہوں تاکہ خدا کی جانب سے حجت تمام ہو جائے اور امتحان پورا ہو لے اگر یہ بات درمیان میں نہ ہوتی تو کوئی دیر نہ لگتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جس رنگ میں چاہے آزماتا ہے۔ پس آپ ہم سے اٹھے حالانکہ آپ کے اعجاز کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزین تھی۔

اختصاص مفید سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آصف نے صرف اس قدر دیر لگائی کہ ایک مرتبہ پیچھے دیکھا اور پھر سامنے تا حدِ نگاہ نظر کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان ع کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر تختِ بلقیس سامنے رکھ دیا اور دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس نے انگلی کا اشارہ کیا اور تختِ بلقیس کو سامنے پایا۔

امام علی نقی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ حضرت سلیمان ع آصف کے محتاج نہ تھے کیونکہ آصف کا علم بھی بحکمِ پروردگار حضرت سلیمان ع کے علم سے ماخوذ تھا صرف اپنی اُمت کو اس کی اہمیت دکھلانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ ہو۔ اب اس اعتراض کی اہمیت ہی کوئی نہیں رہی کہ اتنی جلدی میں تختِ بلقیس کیسے لایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات نے اہلِ دُنیا سے منوالیا ہے کہ خزائنِ ارضیہ میں سے انسان اپنے خداداد دماغ کی بدولت ایسے عجائب وغرائب اُمور حاصل کرسکتا ہے کہ کوتاہ بین لوگ اس کے تصور سے بھی قاصر ہوتے ہیں کسی زمانہ میں اس قسم کی تیزی لوگوں کیلئے باعثِ تعجب تھی۔ لیکن دورِ حاضر میں یہ استعجاب حماقت کا دوسرا نام بن گیا ہے۔ ہوائی جہازوں کی فضا میں پرواز لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی جب قدم اس سے بھی آگے بڑھا تو پچھلا استعجاب معمول بن گیا اور نئی ایجاد نے مقامِ حیرت لے لیا۔ اب راکٹوں کا سلسلہ اور آسمانی بلندیوں کے طے کرنے کا پروگرام اور چاند کی فتح کا مسئلہ وغیرہ سابق انبیاء کے معجزوں کی تصدیق کا پہلو دامن میں لئے ہوئے ہیں اور یہ یاد رہے کہ سائنس کی ترقیاں نت نئے روپ بدل کر اپنے سابق نظریات کو جھٹلا سکتی ہیں لیکن اسلامی نظریات کو تا قیامت غلط نہیں کہا جا سکتا اور ہر آنے والا دن اُن کی تصدیق کے مواد لے کر طلوع ہوتا ہے اور سائنس دن بدن اسلامی نظریات کے قدموں میں جھکتی چلی جارہی ہے جن لوگوں نے حضورؐ کے معراجِ جسمانی کو ناممکن کہا تھا کیونکہ علمِ ہیئت جو پُرانے زمانے کی سائنس تھی آسمانوں کے خرق والتیام کو محال کہتی تھی اور کرۂ نار اور کرۂ زمہریر جو بلندی میں ہوا سے اوپر فرض کرلئے گئے تھے ان سے گذرنے کو ناممکن قرار دیتی تھی اب نئی ترقیات اور تازہ ترین ایجادات جو سائنسی ترقی کے اہم کرشمے ہیں انہوں نے سابق سائنس کے نظریات کو خیالات فرسودہ قرار دے دیا اور خرق والتیام کی محالیت کو غلط ثابت کر دیا۔ نیز کرۂ زمہریر و کرۂ نار کے مفروضوں کو عمل سے غلط ثابت کرکے رکھ دیا اور آسمانی فضاؤں کو تسخیرِ کائنات کے امکان کے تحت چیرتے ہوئے چاند پر اپنا علم جا لہرایا اور ابھی تک اس کی للچائی ہوئی نظریں بہت دُور تک پڑ رہی ہیں۔ کہ آنے والا زمانہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ بہر کیف انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ مادی طاقتوں کے بل بوتے پر انسان فضا و خلا سے پار ہوسکتا ہے اور ملکوتِ سماویہ تک رسائی پا سکتا ہے تو قدرتِ خداوندی کے ماتحت پیغمبر کا قاب قوسین تک پہنچنا کیا مشکل ہے اور اس لحاظ سے پھر ملکہ بلقیس کے تخت کو یمن سے شام تک چشم زدن میں حاضر کرنا کیا بعید ہے۔ جب مادی طاقتیں سابق کے ناشدنی امور کو واقع کا لباس پہناتی چلی جارہی ہیں تو روحانی طاقتیں اور خدائی قدرتیں یقیناً اس سے بہت زیادہ کرسکتی ہیں اور جس طرح مادی طاقتوں کی چشم دید بلند پروازی کو غلط کہنا حماقت ہے۔ اسی طرح روحانی کرشموں اور نبوتی معجزوں کو محلِ استعجاب قرار دینا بھی کور باطنی اور حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔

قَالَ نَكِّرُوْا۔ صفحہ ۲۵۱۔ جب تختِ بلقیس حضرت سلیمان ع کے سامنے آیا اور اُدھر ملکہ کی آمد آمد ہوئی تو آپ نے حکم جاری کیا کہ

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ

کتاب سے میں لاؤں گا اس کو قبل اس کے کہ پلٹے تیری طرف تیری پلک پس آپ نے اس کو اپنے

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫

پاس ٹھہرا ہوا پایا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ کیا میں اس کا

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

شکر کرتا ہوں یا کفر کرتا ہوں اور جو شکر کرے تو وہ شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لئے اور جو کفر کرے

ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تاکہ ہم اس کی عقل کا امتحان لیں آیا وہ تبدیلی کے بعد بھی اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہ ہے یا یہ امور اس کی ہدایت ایمانی کے باعث ہو سکتے ہیں یا نہیں ہے کیونکہ اعجاز سے تخت کا چشم زدن میں اس کی آمد سے پہلے پہنچنا قدرت خدا کا منظر تھا اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت کی تصدیق کا پیش خیمہ تھا۔ پس اس کی عقل و دانش کا جائزہ لینے کی خاطر اس میں سے جڑے ہوئے موتی اکھیڑ لئے گئے۔ اور ان کی ترتیب میں ردّ و بدل کر کے سُرخ کی جگہ سبز اور زرد کی جگہ سرخ اور سبز کی جگہ سفید وغیرہ دوبارہ جڑ دیئے گئے اور ملکہ کی آمد پر اسی تخت کے اوپر دعوتِ استقبالیہ کا انتظام کیا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَتْ جب ملکہ پہنچی اور شان شاہانہ کے مطابق اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا تو چونکہ شاہی تخت پر اس کو جگہ دی گئی تھی لہذا آپ نے اس سے دریافت فرمایا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ۔ کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہے۔ پس ملکہ نے فوراً حکمت و تدبر کے دریا میں غوطہ لگا کر جواب میں ایسے جواہر ریزے پیش کئے کہ علم و دانش کی بارگاہ سے صدائے آفرین و تحسین گونج اٹھی کہا كَاَنَّهٗ هُوَ نہ اثبات نہ انکار۔ اثبات اس لئے نہ کیا کہ اس میں تغیر رونما تھا اور انکار اس لئے نہ کیا کہ جو کچھ اس کے تخت میں تھا وہ اس میں موجود تھا صرف تبدیلی و تغیر تھا نیز یہ بھی خیال تھا کہ اس کو اپنے پایہ تخت میں فوج و پولیس کے پہرہ میں چھوڑ آئی ہوں اور اس قدر مختصر مدت میں اتنی دوری سے اس کا لایا جانا بھی قدرت بشر سے باہر ہے۔ البتہ مافوق البشر طاقت اس کو لا سکتی ہے اور اس کی انتہائی دانائی ہے کہ هُوَ هُوَ (یعنی یہ وہی ہے) نہیں کہا کہ مبادا وہ نہ ہو اور جھوٹ بن جائے اور لَيْسَ هُوَ (یعنی یہ وہ نہیں) بھی نہیں کہا کہ ممکن ہے وہی ہو اور جھوٹ بن جائے پس بین بین جملہ کہہ کر مطلب کو ادا کیا۔ كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی گویا یہی وہی ہے یا ایسا لگتا ہے کہ یہی وہی ہے۔ پس اس کو تسلی دلائی گئی کہ یہ تیرا وہی تخت ہے جس کو تو اپنے محل کے سات دروازے مقفل کر کے اندر چھوڑ آئی ہے اور یہ قدرت پروردگار کا کرشمہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) ملکہ بلقیس نے جب سُنا کہ یہ وہی میرا تخت ہے جو قدرت خدا سے باعجاز یہاں پہنچا ہے تو کہنے لگی ہمیں پہلے سے تیری نبوت کا علم ہو گیا تھا جب کہ ہمیں اپنے سفیر نے پلٹ کر مفصل رپورٹ پیش کی تھی۔ پس

فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (٤٠) قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي

پس تحقیق میرا رب غنی کریم ہے — فرمایا متغیر کردو اس کے تخت کو ہم دیکھیں گے کیا پہچانتی ہے یا

أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ (٤١) فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ

ان لوگوں میں سے ہے جو پہچان کی توفیق نہیں پاتے — پس جب آئی تو کہا گیا کہ

أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَ

تیرا تخت اس طرح ہے؟ کہنے لگی گویا یہی وہی ہے — اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو گیا تھا اور

كُنَّا مُسْلِمِينَ (٤٢) وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ

ہم تسلیم کر چکے تھے — اور روکا اس کو اس نے جس کی عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا

ہم اللہ کی قدرت اور اس کی توحید کا اسی وقت سے اقرار کر چکے تھے اور ہم مسلمان ہو چکے تھے بلکہ اندازِ گفتگو سے بھانپ گئی کہ میری عقل و دانش کا امتحان لیا جا رہا ہے اور اظہارِ معجزہ سے ایمان توحید و ایمان نبوت کے لئے اختبار مقصود ہے تو جواب دیا کہ میں آپ کی نبوت اور توحیدِ پروردگار کی معرفت پہلے سے حاصل کر چکی ہوں لیکن عبادتِ خدا سے مجھے یہ چیز مانع رہی ہے کہ میرا گذارا قوم کفار کے ساتھ ہے (۲) یہ حضرت سلیمان کا کلام ہے جب ملکہ بلقیس سے سوال و جواب ہو چکا تو فرمایا ہمیں توحیدِ پروردگار اور اس کی بے پایاں قدرت و صنعت و حکمت کا پہلے علم دیا جا چکا ہے اور ہم اس کے حکم کے سامنے تسلیم کرنے والے بندے ہیں (۳) سلیمان و بلقیس کی باہمی گفتگو سن کر یہ جملہ قوم سلیمانؑ نے کہا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب ملکہ سبا پہنچ چکی تو حضرت سلیمانؑ نے قوم جن کو حکم دیا ایک عالی شان محل تیار کریں جس کا فرش شیشے کا بچھایا جائے اور اس کے نیچے پانی کا بہت بڑا حوض ہو جس میں مچھلیاں مینڈک اور دوسرے بحری جانور چھوڑ دیئے جائیں اور اس کی دیواروں پر بھی آئینہ کاری ہو۔ اور مروی ہے کہ جنوں اور شیطانوں نے جب ملکہ بلقیس کی ملک سبا سے آمد کی خبر سنی تھی تو ان کو یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا حضرت سلیمانؑ اس سے شادی کر لے ورنہ ہم کو ہمیشہ اس کا اور اس کی اولاد کا تابع فرمان رہنا پڑے گا کیوں کہ ملکہ بلقیس کی ماں قوم جن کی عورت تھی لہذا انہوں نے ملکہ کا غلط تعارف کرایا ہوا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ آزمائشی طریقے اختیار فرمائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں پر بال کثرت سے تھے۔ حسب الحکم قوم جن نے عالی شان محل تعمیر کیا اور فرش شیشے کا بنایا اور نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کر کے اس میں مچھلیاں اور دیگر دریائی جانور چھوڑ دیئے، پس حضرت سلیمان نے نو تعمیر شدہ محل میں اپنا عالی شان تخت نصب کرایا اور

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَٰفِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا

کیونکہ وہ کافر قوم میں سے تھی کہا گیا داخل ہو صحن میں پس جب

اور ملکہ کو اندر آنے کی پیش کش کی جب ملکہ قریب پہنچی تو پانی کو موجزن دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیا ابن داؤدؑ کو میری سزائے موت کے لئے پانی میں غرق کرنے کے علاوہ اور طریقہ کار کوئی نہیں سوجھا۔ اب بزدلی کر کے پیچھے ہٹنا شان شاہی کے خلاف تھا لہٰذا پاؤں سے کپڑے کا دامن بلند کر کے آگے قدم رکھا ادھر حضرت سلیمانؑ محل کے اندر سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے فرمایا یہ محل ہے یا محل کا فرش ہے جو شیشے سے تیار کیا گیا ہے پانی نہیں ہے (صَرْحٌ کا معنی صحن اور محل دونوں کئے گئے ہیں) پس اندر داخل ہوئی اور حضرت سلیمانؑ کو قوم جنات کی غلط بیانی کا علم ہو گیا البتہ ملکہ کے پاؤں پر بال بکثرت تھے جس کے لئے قوم جنات نے لورہ وہڑتال سے ایک بال صفا نسخہ تیار کیا اور یہ انہی کی ایجاد ہے جو استعمال کے لئے ملکہ کو دیا گیا۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ۔ اس کی دو تاویلیں ہیں (۱) جب صحن کو پانی سمجھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئی تو اس کے لئے معافی مانگی کہ میں بدگمانی کر کے اپنے نفس پر ظلم کر چکی ہوں اے اللہ مجھے معاف کر اور میں سلیمانؑ کے ساتھ اسلام لا چکی ہوں (۲) جب محل میں اندر داخل ہوئی اور سلیمان کی شاہانہ شان وشوکت اور تخت کی عظمت کا ملاحظہ کیا اور ان کے معجزات کا تصور کیا تو معرفت توحید و نبوت کا فانوس اس کے دل میں فروزاں ہوا۔ پس اپنے کفر سے توبہ کرتے ہوئے یہ کلمات زبان پر جاری کئے اور مروی ہے کہ اندر پہنچتے ہی حضرت سلیمانؑ نے اس کو دعوت اسلام دے دی۔ اور معجزات تو پہلے دیکھ کر تسلی کر چکی تھی۔ پس یہ کلمات کہہ کر اسلام کا اظہار کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور حکومت ملک سبا اس کے حوالے کر دی اور مروی ہے کہ زولبعہ نامی ایک جن کو حکم دیا جو وزیر امور جنات تھا کہ یمن میں پہنچ کر ملکہ بلقیس کے لئے ضروری امور کی انجام دہی کرے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں مصر اور فلسطین کے علاقوں میں صنعتی ترقی بہت زیادہ ہوئی چنانچہ بیت المقدس کی تعمیر اور اہرام مصر میں بہت بڑے پتھروں کا استعمال جو دور حاضر میں بغیر مشینوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے یہ قوم جن کی تسخیر کا نتیجہ تھا۔ نیز فراعنہ مصر کے جسموں کا آج تک باقی رہنا انہی کی ایجاد کردہ ادویہ کے نتیجہ میں ہے جن کی حقیقت سے دور حاضر کے مفکر بھی ناآشنا ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا ایک مچھلی کو دعوت دینا سورہ نور کی تفسیر میں عظمت پروردگار کے عنوان میں مذکور ہے ص ۱۴۹

رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالح کا ذکر

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا۔ حضرت صالحؑ اور اس کی قوم کا ذکر جلد ۶ صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۶ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۰۷ میں بیان ہو چکا ہے۔ نیز جلد ۷ ص ۲۲۲ و جلد ۸ ص ۱۸۹ پر بھی مذکور ہے

فَرِيقَانِ۔ یعنی کچھ ایمان لائے اور زیادہ کفر پر رہے۔ اور ان دونو کے درمیان جھگڑا رہتا تھا۔

يَٰقَوْمِ۔ وہ کہتے تھے کہ جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ جلدی لے آ۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کو عذاب طلب کرنے سے روکتے تھے کہ ایسا نہ کرو بلکہ رحمت مانگو۔

رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ

اس کو دیکھا تو خیال کیا پانی کی لہر اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا فرمایا (سلیمان نے) یہ صحن ہے جس پر فرش کیا گیا

مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ

ہے شیشے کا کہنے لگی اے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب اسلام لاتی ہوں ساتھ سلیمان

سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

کے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح

صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ

کو کہ عبادت کرو اللہ کی پس وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے (صالح نے) کہا

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ

اے قوم کیوں جلدی کرتے ہو عذاب کی بجائے رحمت کے کیوں نہیں تم معافی مانگتے اللہ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ

سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ کہنے لگے بدشگونی حاصل کی ہم نے تیری وجہ سے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ

فرمایا تمہاری شگون بد اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جن کا امتحان لیا گیا اور تھے شہر میں نو آدمی جو

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

فساد کرتے تھے زمین میں اور نہ اصلاح کرتے تھے (انہوں نے آپس میں) کہا کہ قسمیں کھاؤ اللہ کی کہ

اَطَّيَّرْنَا۔ خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا تو کہنے لگے ہماری یہ بدبختی تیری اور تیری جماعت کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بدبختی تمہارے اعمالِ بد کے نتیجہ میں تم پر اللہ نے بطور امتحان کے بھیجی ہے۔

تِسْعَةُ رَهْطٍ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے نام یہ منقول ہیں (۱) قدار بن سالف (۲) مصدع (۳) دھمی (۴) دھیم (۵) دعمی (۶) دعیم (۷) اسلم (۸) اقبال

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا

اس کو رات میں قتل کرو اور اس کے گھروالوں کو پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم اس کو اور اس کی اہل کو کس نے قتل کیا ہے

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ

اور ہم سچے ہیں اور انہوں نے مکر کی تجویز کی اور ہم نے جواب مکر کی تجویز کی اور ان کو کوئی پتہ نہ تھا پس دیکھ کس طرح ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ

انجام ان کے مکر کا تحقیق ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر خراب پڑے

خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

ہیں بوجہ ظلم کے تحقیق اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو جانے اور ہم نے نجات دی ایمان

اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ

والوں کو اور وہ جو تھے ڈرتے اور بھیجا ہم نے لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرتے ہو تم بے حیائی دانستہ طور

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ

پر کیا تم پوری کرتے ہو مردوں سے شہوت بغیر اپنی عورتوں کے بلکہ تم جاہل

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ

لوگ ہو پس نہ تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو آل لوط کو

ر۹: صداف. انہوں نے علیحدہ مشورہ کیا اور قسم کھائی کہ رات کے اندھیرے میں حضرت صالح ؑ اور اس کے سب گھروالوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ جس شہر میں تھے اس کا نام حجر تھا اس لئے ان کو سورہ حجر میں اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھا اور جس وادی میں یہ شہر تھا اس کو وادی قری کہتے ہیں اور آپس میں طے یہ ہوا کہ اس کو قتل کر کے اس کے وارثوں سے کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم خود موجود تھے اور نہ ہمیں پتہ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے یہ مکر کی تجویز بنائی اور اللہ نے اپنے مقام پر ان کو سزا دینے کی تجویز کی۔ چنانچہ حضرت صالح کو رات کے وقت قتل کرنے کے لئے گئے تو خدا نے فرشتوں کو بھیجدیا اور انہوں نے پتھر برسا کر ان کو فی النار کر دیا اور یہ واقعہ ناقہ کے قتل کرنے کے بعد کا ہے کیونکہ ناقہ کے قاتل بھی یہی لوگ ہی تھے۔ بعض محرک اور

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫

اپنی بستی سے تحقیق یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں پس ہم نے ان کو نجات دی اور اس کی اہل کو مگر اس کی عورت کہ

قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ

مقدر کیا ہم نے اس کو پیچھے رہنے والوں میں اور برسایا ہم نے ان پر مینہ پس بُرا تھا مینہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا کہہ دے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

حمد ہے اللہ کی اور سلام اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک بنا رہے ہیں؟

بعض فاعل اور دوسری روایت میں ہے خدا نے حضرت صالح ؑ کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ پس ان کو گرفتارِ عذاب کر کے مار دیا۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ حضرت صالح ؑ کو قتل کرنے جا رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے۔ پس اللہ نے ان کے اوپر اس پہاڑ کو گرا دیا اور وہ دب کر ہلاک ہو گئے اور ان کے گھر خراب و خالی ہو گئے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حجر میں حضرت صالح علیہ السلام نے دامن کوہ میں ایک مسجد بنائی تھی جس میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ نے ان کو گرفتاری عذاب کے لئے تین دن کا چیلنج کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ تین دن تک یہ سب مر جائیں گے اور میں ان سے فارغ ہو جاؤں گا۔ آؤ تین دن کے اندر اندر ہم ہی اُس سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ اسی مسجد کی طرف روانہ ہوئے جس میں آپ نماز میں مشغول تھے تو پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر گرا۔ اور وہ سب کے سب اسی کے نیچے دب گئے جو باقی پیچھے موجود تھے ان پر صیحہ کا عذاب آیا جو پہلی جلدوں میں مذکور ہو چکا ہے اور تقاسموا باللہ کے لفظ میں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ وجودِ خدا کے منکر نہ تھے بلکہ اس کے قائل تھے لیکن شرک کے مرض میں مبتلا تھے کہ غیر اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کے سامنے جھکتے تھے چنانچہ وہ حضرت صالح ؑ سے صاف کہتے تھے کہ تیرے کہنے سے کیونکر ہم ان کی عبادت کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔

وَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اس آیت مجیدہ میں اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ جو ظالم ہو، بالآخر اس کے نتیجے میں اس کا گھر تباہ ہوتا ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت موجود ہے جو پتہ دیتی ہے کہ ظالم کا گھر تباہ ہوا کرتا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی اور حضرت صالح علیہ السلام ان کو لے کر حضر موت کی طرف گئے اور وہاں آپ کی رحلت ہو گئی اس بنا پر اس جگہ کا نام حضر موت ہو گیا۔

حضرت لوط ؑ کا ذکر

وَلُوْطًا۔ تفسیر کی جلد ۶ ص ۵۶ جلد ۷ ص ۲۲۸ جلد ۸ ص ۱۸۶ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۱۰ پر حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد اصحاب محمدؐ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ پوری امت محمدیہ مراد ہے۔ لیکن تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مراد آلِ محمد علیہم السلام ہیں اور وہی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ

کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی پس اگائے اس

حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط

کے ذریعے باغات رونق دار تمہارے بس میں نہیں تھا کہ اگاتے اس کا پودا کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ (۶۰) أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ

بلکہ وہ لوگ (راہ حق سے) عدول کرتے ہیں کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے قابل اور بنائیں اس کے

خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

اندر نہریں اور بنائے اس کے لئے پہاڑ اور مقرر کیا دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۶۱) أَمَّنْ

پردہ کیا کوئی الٰہ ہے اس کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے کون

رکوع نمبرا بیان توحید

أَمَّنْ خَلَقَ۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال لطف سے اتمام حجت کے طور پر اپنی توحید پر اس رکوع میں کافی روشنی ڈالی ہے اور ان آیات مجیدہ میں کائناتی امور میں سے پندرہ اہم افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ ان سب کو میں نے انجام دیا ہے اور اس میں میرا کوئی شریک نہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا (۲) آسمان سے پانی برسانا، (۳) سبزیوں اور باغات وغیرہ کو اگانا۔ ان میں تین اوصاف کو استفہام انکاری کے رنگ میں اپنی طرف منسوب کر کے اپنے تخلیقی کارنامے میں اپنی وحدت کا اعلان فرمایا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے۔ یعنی ان سابقہ تین صفات کو کسی کی طرف منسوب کرنا اسے الٰہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ میں ہی ان کا فاعل ہوں اور میں ہی واحد الٰہ ہوں (۴) زمین کو ٹھہرنے کے قابل بنانا (۵) دریاؤں نہروں کا پیدا کرنا (۶) پہاڑوں کی تخلیق (۷) دو پانیوں کے درمیان تلخ اور شیریں کی دھاروں میں پردہ کو قائم رکھنا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور اس کی قریبی اور حسی مثال انڈے کے اندر سفید اور زرد دو پانیوں کے درمیان جب کہ ظاہری کوئی پردہ نہیں۔ پس اللہ کی جانب سے قدرتی حد موجود ہے جس کی وجہ سے سفید و زرد دونو پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ ان چار افعال کو شمار کر کے فرمایا کوئی ہے دوسرا الٰہ جو یہ کام انجام دے سکے اور اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی کو ان کاموں کا فاعل سمجھے گویا اس نے اللہ کے علاوہ الٰہ تجویز کیا (۸) مصیبت زدوں کی فریادوں کو سننا اور قبول کرنا (۹) صاحبانِ مصیبت کی مصیبت

يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ

سنتا ہے مصیبت زدہ کی فریاد جب اس کو پکارے اور دور کرتا ہے مصیبت اور کرتا ہے تم کو خلیفہ زمین

الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ

کا کیا کوئی الہ ہے ساتھ اللہ کے بہت کم سوچتے ہو کون ہدایت کرتا ہے

فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے اپنی رحمت سے

رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ

پہلے کیا کوئی الہ ہے اللہ کے ساتھ بلند ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں کون ابتداءً پیدا کرتا

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ

ہے پھر دوبارہ اٹھائے گا اور کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی الہ ہے اللہ کے ساتھ

کو دور کرنا اور مشکلیں آسان کرنا (۱) زمین پر نسل بعد نسل تصرف دنیا اور گذشتگان کا خلیفہ (جانشین بنانا) ان تین صفتوں کو ذکر کر کے پھر چیلنج کیا کہ کوئی ہے دوسرا الٰہ جو مصیبت کے ماروں کی فریادیں سنے اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے اور زمین پر تمہاری نسل کو قائم رکھے۔ گویا جس نے اللہ کے سوا کسی کو فریادرس حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا (۱۱) بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت کرنا (۱۲) باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہواؤں کا لانا جن میں بارش کی خوشخبری موجود ہو۔ پھر ان دو صفتوں کے بعد چیلنج کو دہرایا کہ کوئی ہے اور الٰہ جو یہ کام کر سکے یعنی جس نے غیر اللہ کو یہ کام کرنے والا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا اور یہاں اس کا حکم بھی ذکر کر دیا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور اللہ بلند و بالا ہے۔ ان مشرکانہ عقائد و خیالات سے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے (۱۳) مخلوق کا ابتداءً پیدا کرنا (۱۴) دوبارہ زندہ کر کے اُٹھانا (۱۵) آسمان و زمین کے وسائل سے رزق دینا۔ ان اوصاف کا ذکر کر کے پھر چیلنج کیا کہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو یہ کام کر سکے یعنی جو بھی ان کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دے گویا اُس نے اس کو اللہ کا شریک قرار دیا حالانکہ ان امور میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر ان پندرہ اوصاف و افعال کے بیان کرنے اور ان میں شریک کرنے کی نفی کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو لوگ ان باتوں میں میرا کسی کو شریک بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہم نے عقائد شیعہ کے موضوع پر ایک مفصّل و مدلل کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار لکھی ہے اُس میں مسئلہ توحید کی کافی وضاحت

قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾ قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى

کہدو لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو کہدو نہیں جانتا جو بھی آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ‌ؕ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور زمین میں ہے غیب کو مگر اللہ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے

بَلِ ادّٰرَكَ عِلۡمُهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡهَا‌ ۚ بَلۡ هُمۡ

بلکہ یقینی ہو جائے گا ان کا علم آخرت میں بلکہ وہ شک میں ہیں بلکہ وہ

موجود ہے۔ جس کو توفیق ہو اس کا مطالعہ کرے۔ بیشک ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جنہوں نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک قرار دے دیا۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو غلو کرکے اللہ کا بیٹا اور کاروبار میں اس کا شریک مان کر مشرک ہوگئے۔ اور نصرانی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کرکے مشرک بن گئے۔ اسی طرح بعض آلِ محمدؐ کے محب کہلانے والے فرطِ محبت میں غلو کرکے آلِ محمدؐ کو اللہ کا شریک قرار دے بیٹھے اور ان کی پشت پناہی میں بعض جبہ تراش منبر کے ٹھیکیدار مولوی خم ٹھونک کر میدان میں اُتر آئے اور انہوں نے اعلانیہ آلِ محمدؐ کے دین کو مسخ کرنے اور ان کی تعلیم کو معطل کرنے کا پروگرام بنا لیا اور ادھر اُدھر کے چند رطب و یابس روایات کا سہارا لے کر محکمات سے کنارہ کش ہوتے ہوئے متشابہات سے مطلب براری کو غنیمت سمجھا۔ پس آلِ محمدؐ کو کائنات کے تکوینی نظام کا مختارِ کل ثابت کرکے اللہ کو معطل سمجھ لیا۔ علمائے حقہ کا فرض ہے کہ ایسے بدلگام مولویوں کی ہاؤ ہو سے مرعوب نہ ہوں اور عوام کی نعرہ بازی سے ہرگز نہ گھبرائیں بلکہ منہاج نبوت پر پرچم توحید کو بلند رکھنے کے لئے جرأت سے قدم بڑھاتے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ اکثریت ہر زمانہ میں باطل پرستوں کی ہوتی ہے اور اللہ کے بندے تھوڑے ہی ہوتے ہیں نیز اکثریت ہمیشہ حق کے خلاف شور مچایا کرتی ہے لیکن دلیل و برہان میں ان کی زبان گنگ اور پاؤں لنگ ہوتے ہیں اور حق والوں کے پاس اپنی صداقت کے لئے دلیل و برہان کا مضبوط سہارا ہوتا ہے کاش لوگ قرآن کی آیات سے درس لیتے اور آلِ محمد کی تفسیر کے ماتحت ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

علم غیب

اَلۡغَيۡبُ۔ مسئلہ غیب کی وضاحت ہم نے تفسیر کی گزشتہ جلدوں میں کردی ہے۔ مثلاً جلد ۴ صفحہ ۷۸، جلد ۵ صفحہ ۲۲۱، جلد ۶ صفحہ ۱۴۸، جلد ۷ ص ۲۱۹ و ص ۲۴۷

وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ۔ یعنی انہیں یہ شعور نہیں کہ ہم نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ۔ لفظ ماضی کے ہیں اور معنی مستقبل کا ہے گویا قیامت کے یقینی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے یعنی کفار اب دنیا میں تو عقیدۂ قیامت کا انکار کرتے ہیں لیکن بروز محشر ان کا علم متدارک یعنی کامل ہو جائے گا اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کے علم سے اندھے ہیں۔ ان کے انکار میں قوت کو ظاہر کرنے

مِّنۡهَا عَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ ع وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اس سے اندھے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے کیا جب ہم اور

کے لئے بل کو لایا گیا۔ یعنی جس چیز کو اب نہیں مانتے قیامت کو تو علم یقینی اور عینی کے ساتھ ان کو ماننا پڑے گا بلکہ دنیا میں تو وہ سمجھنے اور سننے کے بعد شک کی دلدل سے نہیں نکلتے پھر ترقی کر کے کہا گیا کہ نہیں بلکہ وہ سوچنے کی جرأت سے محروم ہیں اور اس معاملے میں بالکل اندھے ہیں۔ صافی میں نہج البلاغہ سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بعض آنے والی چیزوں کی خبریں بیان فرمائیں تو کسی نے کہہ دیا کہ حضور آپ تو علم غیب کو جانتے ہیں آپ ہنس پڑے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک ذی علم سے سیکھی ہوئی چیز ہے۔ علم غیب قیامت کا علم ہے اور وہ امور جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ پس اللہ ہی جانتا ہے کہ مادہ کے رحم میں مذکر ہے یا مؤنث بدصورت ہے یا خوبصورت، سخی ہوگا یا بخیل اور شقی ہوگا یا سعید، نیز جہنم میں کون جائے گا اور جنت میں کون جائے گا، پس یہ وہ علم غیب ہے جس کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کے علاوہ اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے اور انہوں نے مجھے سکھایا ہے اور انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ اس کو حفظ رکھ سکوں اور میرے اعضا اس پر حاوی رہیں۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ۔ حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے حق میں ہے بخدا وہی مضطر ہے جب آئے گا اور مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرے گا۔ اور دعا مانگے گا تو اللہ اس کی دعا کو مستجاب کر کے اس سے مصیبت کو دور کرے گا اور اسے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور یہ اس آیت کی تاویل ہے نیز ایک طویل روایت کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ بخدا وہی حضرت قائم آلِ محمدؑ مضطر ہیں اور وہ پڑھا کرتے ہیں یا پڑھیں گے۔ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ۔ الخ ہمارے قبلہ و کعبہ استاد العلماء مولانا سید محمد یار شاہ صاحب مدظلہ العالی کا یہ دستور ہے جب بھی دفع مصیبت کے لئے کسی کے حق میں دعائے خیر کریں تو کم از کم دس مرتبہ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ الخ پڑھ کر دعا کرتے ہیں اور خدا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی مصیبتیں دور فرما دیتا ہے اور جو بھی ان سے مصیبت کے دفع کے لئے دعا کا طریقہ دریافت کرے تو ان کو بھی یہی طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور حدیث سابق سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام اپنے دورِ غیبت میں اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ کا ورد کرتے ہیں یا یہ کہ بوقت ظہور اس کو پڑھیں گے۔

رکوع نمبر ۲

قَالَ الَّذِيۡنَ۔ بار بار اپنے اسی سوال کو کافر دہراتے رہے کہ مٹی ہونے کے بعد ہمیں کیونکر دوبارہ اٹھایا جائے گا یہی باتیں ہمارے باپ دادا بھی سنتے آئے ہیں اور یہ پرانی کہانیاں ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہے اور ان کو بار بار یہی جواب دیا گیا کہ جو ذات ایجاد پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کر کے تم کو اٹھائیگا

وَيَقُوۡلُوۡنَ۔ یہ جھوٹے بندوں کا دستور ہے کہ ایک سوال کو چھوڑا پھر دوسرا شروع کر دیا پھر تیسرا و علی ہذا القیاس کہنے لگے اچھا تم جس عذاب کی خبر ہم کو سناتے ہو وہ کب آئے گا؟

وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ

ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو ہم نکالے جائیں گے قبروں سے تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے کا نہیں یہ مگر

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

کہانیاں پہلے لوگوں کی کہہ دو سیر کرو زمین میں پس دیکھو کس طرح

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ

انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کھا ان پر اور نہ ہو تنگ دل اس سے جو وہ

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

مکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ (عذاب کا) اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾

سچے کہدو شاید ہوگا قریب تمہارے لئے بعض وہ جس کی تم جلدی کرتے ہو

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

اور تحقیق تیرا رب صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر نہیں کرتے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ

اور تحقیق تیرا رب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی غائب

غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

آسمان و زمین میں مگر وہ کتاب مبین میں ہے تحقیق یہ قرآن بیان کرتا

قُلْ عَسٰی ۔ لغت کے لحاظ سے عسیٰ امید کے معنی میں ہوتا ہے لیکن جب خدا فرمائے تو اس میں شک کا معنی نہیں رہتا بلکہ یقین مراد ہوتا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جس عذاب کی جلدی چاہتے ہو اس میں سے بعض کو تو عنقریب چکھ لوگے اور باقی دائمی عذاب بعد میں ہوگا قریبی عذاب سے مراد جنگِ بدر میں قتل و قید کا عذاب ہے۔ اور رُدِفَ کا معنی قَرُبَ اور دَنَا یعنی قریب ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ ۔ یعنی قرآن مجید نے وہ باتیں فیصلہ کن بیان کیں جن میں قوم یہود اختلاف رکھتی تھی مثلاً ان کے درمیان حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعہ میں اختلاف تھا اور قرآن نے اس کو مفصل بیان کر دیا اسی طرح جس نبی کی تورات میں خوشخبری دی گئی تھی بعض اس

يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ أَكْثَرَ ٱلَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُۥ

ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ چیزیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور تحقیق یہ

لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِۦ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے ہے تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے

وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ إِنَّكَ عَلَى ٱلْحَقِّ ٱلْمُبِينِ ﴿٧٩﴾

اور وہ غالب و دانا ہے پس توکل کر اللہ پر تحقیق تو واضح حق پر ہے

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ ٱلْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ ٱلصُّمَّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا۟ مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو آواز جب وہ پیچھے پلٹ جائیں

وَمَآ أَنتَ بِهَٰدِي ٱلْعُمْيِ عَن ضَلَٰلَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ

اور نہیں تو ہدایت کر سکتا اندھوں کو ان کی گمراہی سے تو صرف سنا سکتا ہے ان کو جو ایمان لائیں ہماری

بِـَٔايَٰتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا

آیات پر پس وہ تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں اور واقع ہوگا ان پر قول (عذاب) تو نکالیں گے

لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟

ہم ان کے لئے دابۃ الارض کو جو ان سے بولے گا تحقیق لوگ ہماری

سے یوشع مراد لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ابھی آنے والا ہے اور قرآن نے اس کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد حضورؐ کی ذات اور قوم یہود کی کتابوں کا مطالعہ نہ ہونے کے باوجود ان امور کا ذکر حضورؐ کا ناقابل انکار معجزہ ہے۔

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ جس طرح مُردے کوئی بات نہیں سنتے اسی طرح کفار بھی تیری باتوں کے لئے مردوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر زندہ ہیں تو بہروں کی طرح ہیں جس طرح وہ نہیں سُن سکتے۔ خصوصاً جب پشت کر کے جا رہے ہوں اور چونکہ یہ لوگ بھی قرآن کی آواز کانوں میں پڑتے ہی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں اور جس طرح اندھے انسان کو راستہ دکھانا ناممکن ہے۔ البتہ اندھوں کو ہاتھ پکڑ کر منزلِ مقصود پر لے جایا جا سکتا ہے لیکن اس مقام پر یہ تیری ڈیوٹی نہیں ہے۔

دابۃ الارض وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ۔ یعنی جب لوگوں پر عذاب واجب ہو جائے گا کہ ان سے خیر کی توقع نہ رہے گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجود ختم ہو جائے گا، تو اس وقت اللہ کی جانب سے فیصلہ یہ ہوگا۔

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ ۔ یعنی ہم زمین سے دابۃ الارض نکالیں گے ۔ اور یہ صفا و مروہ کے درمیان سے ظاہر ہوگا اور وہ خبر دے گا کہ یہ مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ پس تکلیف کا زمانہ ختم اور توبہ کا دروازہ بند ہوگا اور یہ چیز علائم قیامت سے ہے وہ ہر مومن کو چھوڑے گا اور ہر کافر کو مارے گا وہ وقوف مزدلفہ کی شب کو نکلے گا جب کہ لوگ منیٰ کی طرف جارہے ہوں گے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد دُم دار حیوان نہیں ہے بلکہ وہ صاحب ریش (مرد) ہوگا۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا میں صاحب عصا ہوں اور صاحب علامت ہوں یعنی مومن کی پیشانی پر ایمان کی نشانی اور کافر و منافق کی پیشانی پر کفر و نفاق کی نشانی لگانے والا میں ہوں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا۔ حضرت علی علیہ السلام ریت کی ڈھیری اکٹھی کر کے اُوپر سر رکھ کر سوئے ہوئے ہیں۔ پس حضورؐ نے پیر لگا کر فرمایا قُمْ یَا دَآبَّةَ الْاَرْضِ یعنی اے دابۃ الارض اُٹھو۔ صحابہ میں سے ایک شخص بولا حضورؐ کیا ہم بھی ایک دوسرے کو اس نام سے بلا سکتے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم یہ صرف اسی کا ہی لقب ہے اور یہی وہ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس فرمایا اے علی۔ جب آخری زمانہ آئے گا تو خدا تجھے بہترین شکل و صورت عطا کر کے بھیجے گا۔ اور تیرے پاس میسم ہوگا (یعنی نشان لگانے کا آلہ) کہ اس کے ذریعے سے اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگائے گا۔ الحدیث۔ نیز منقول ہے ایک شخص نے عمار بن یاسر سے کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت نے میرا دل خراب کر دیا ہے اور مجھے شک میں ڈال دیا ہے عمار نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہی آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی دریافت کیا۔ عمار نے جواب دیا بخدا میں کھانے پینے اور بیٹھنے سے پہلے تجھے دابۃ الارض دکھلاؤں گا۔ پس عمار اس شخص کو حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس لایا جب کہ آپ خرما اور مکھن کھا رہے تھے۔ آپ نے عمار کو دعوت دی پس وہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ وہ شخص حیرت سے دیکھتا رہا جب وہاں سے اُٹھ کر واپس ہوئے تو اس شخص نے کہا۔ سبحان اللہ۔ تو نے تو قسم کھائی تھی کہ کھانے پینے بلکہ بیٹھنے سے بھی پہلے تجھے دابۃ الارض دکھاؤں گا وہ وعدہ کیا ہوا، جواب دیا۔ اگر تیرے پاس عقل ہے تو میں تجھے دکھا چکا ہوں۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دابۃ الارض میں ہوں۔

ایک دفعہ اصبغ بن نباتہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ گھی اور سرکہ سے کھانا تناول فرمارہے تھے اصبغ کہتا ہے میں نے یہ آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی پوچھا آپ نے فرمایا وہ دابہ ہے جو گھی اور سرکے کے ساتھ روٹی کھاتا ہے۔
ایک دفعہ معاویہ نے اصبغ پر اعتراض کیا کہ تم شیعہ لوگ حضرت علی کو دابۃ الارض کہتے ہو۔ اصبغ نے جواب دیا کہ اس کے یہودی لوگ بھی قائل ہیں۔ معاویہ نے راس الجالوت کی طرف آدمی بھیج کر اس کو منگوا لیا اور پوچھا۔ کیا تمہارے نزدیک دابۃ الارض بھی کہیں لکھا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا تجھے پتہ ہے اس کا نام کیا ہے اس نے جواب دیا اسکا نام ایلیا ہے پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا اے اصبغ واقعی ایلیا اور علی دونو لفظ ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ

آیات پر یقین نہیں رکھتے اور جب ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ ان میں سے جو جھٹلاتے

يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ

تھے ہماری آیات کو پس وہ روکے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ جب آئیں گے تو فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

تھا ہماری آیات کو حالانکہ تم کو ان کا علمی احاطہ نہ تھا بھلا تم کیا کرتے رہے ہو ؟

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور واجب ہوگا قول (عذاب) انہیں پر بوجہ ظلم کے پس وہ نہ بولیں گے

جناب رسالتمآبؐ سے بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ جب دابۃ الارض کا خروج ہوگا تو اس کے ہمراہ حضرت موسیٰؑ کا عصا حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی وہ مومن کے چہرہ کو عصا موسےٰؑ سے روشن کریں گے اور کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانؑ سے مہر کریں گے۔

رکوع نمبر ۳۔ آمد قائمؑ

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مذہب امامیہ میں جو لوگ رجعت کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قیامت کے دن ہر اُمّت میں سے ایک ایک گروہ نہ اٹھے گا۔ بلکہ اس دن تو سب لوگوں کو اُٹھایا جائے گا اور اس مضمون کی احادیث آئمہ ہدےٰ سے بکثرت وارد ہیں کہ قیام مہدیؑ کے قریب اللہ تعالےٰ ان کے شیعوں اور موالیوں میں سے ایک جماعت کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا تاکہ ان کی نصرت وامداد کا ثواب حاصل کریں اور ان کی پُرکیف وپُرامن حکومت کی بہاریں دیکھیں۔ نیز ان کے دشمنوں میں سے بھی ایک قوم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے اور ان کو آپ کے شیعوں کے ہاتھوں دنیا کا وہ عذاب بھی چکھا جائے جس کے وہ مستحق تھے اور آپ کی حکومت کی عظمت وشوکت ان کو دکھا کر رسوا و ذلیل کیا جائے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپنے اسی آیت مجیدہ کے ذیل میں فرمایا۔ دُنیا میں جس قدر مومن قتل کی موت مرے ہیں وہ اُٹھائے جائیں گے اور پھر اپنی طبعی موت مریں گے اور جس قدر مومن اپنی طبعی موت سے مرے ہیں ان کو اٹھایا جائیگا۔ پس وہ قتل کی موت سے مریں گے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں عقیدۂ رجعت کو بعض شیعوں کا عقیدہ قرار دے کر بعد میں فرمایا۔ کہ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ یہ چیز اللہ کی قدرت شاملہ میں داخل ہے اور ایسا کرنا محالات ذاتیہ میں سے نہیں ہے اور گذشتہ اُمتوں میں اس قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ان کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ موجود ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ اور اس کے علاوہ دیگر واقعات جو اپنے مقامات پر گذر چکے ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ سے خبر صحیح میں وارد ہے کہ میری اُمت میں وہ

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنائی رات تاکہ سکون کریں اس میں اور دن دکھانے والا

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائے اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں

سب واقعات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل میں گذرے ہیں جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے حتاکہ اگر ان میں سے کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ اور جو لوگ امامیہ میں سے رجعت کے قائل نہیں ہیں وہ اس قسم کی تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو رجعت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اس سے مراد لیتے ہیں حکومت اور شاہی آل محمدؐ کی ہوگی اور محبان آل محمدؐ اس زمانہ میں خوشحال ہونگے۔ نہ کہ گذشتہ لوگ پلٹ کر دوبارہ آجائیں گے۔ ان کے استدلال کو نقل کرنے کے بعد علامہ طبرسی خود فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُعَوَّلُ فِيْ ذَالِكَ عَلٰى اِجْمَاعِ الشِّيْعَةِ الْاِمَامِيَّةِ وَاِنْ كَانَتِ الْاَخْبَارُ تَعْضُدُهٗ وَتُؤَيِّدُهٗ۔ یعنی اس عقیدہ میں بڑی دلیل جس پر اعتماد ہے وہ ہے شیعہ امامیہ کا اجماع اور جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ اس اجماع کی مؤید ہیں۔ الہٰذا احادیث کی تاویل کرنے سے عقیدہ کا بطلان ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس سے ان کا رجحان اسی طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ رجعت کے قائل ہیں اور یہی حق ہے کیونکہ معصوم نے رجعت کا بیان فرماتے ہوئے آیت مجیدہ کو بھی استدلال کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ آیت رجعت پر دلالت کرتی ہے اور بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان آیات سے مراد حضرت امیر المومنینؑ اور باقی آئمہ طاہرین ہیں۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عامہ لوگ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا۔ سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا قیامت کے دن ہر امت سے ایک ایک گروہ کو اٹھایا جائیگا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائیگا بلکہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے اور قیامت کے متعلق آیت یہ ہے۔ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا۔ یعنی ہم ان کو محشور کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے

وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم نے میری آیات یعنی آئمہ و انبیاء کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے فکر و تدبر کر کے اور انصاف و عدل کے تقاضوں پر عمل کر کے ان کو صحیح پہچانا ہی نہیں تھا اور نہ تم نے ان کی صحیح معرفت حاصل کی تھی۔

اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ تنبیہ اور سرزنش ہے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تم نے ان کو جھٹلا دیا۔ یہ تم کیا کرتے رہے ہو؟

مُبْصِرًا۔ یعنی روشن کہ اس میں تم چیزوں کو دیکھتے ہو اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہو۔

نفخ صور

وَيَوْمَ يُنْفَخُ۔ نفخ کا معنی ہے پھونکنا اور صور کے متعلق اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ صورت کی جمع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صورتوں میں روح پھونکے جائیں گے۔ پس وہ زندہ ہو کر محشور ہوں گے۔ اور تفسیر صافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ وہ نور کا ایک سینگ ہے جس کا ایک کنارہ چوڑا اور دوسرا تنگ ہے۔ پس اس کا ایک کنارہ اسرافیل فرشتے کے منہ میں ہے کہ وہ نفخ کرے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس میں اس قدر سوراخ ہیں جس قدر انسانی ارواح۔ پس ہر روح کا الگ

فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر وہ جو

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ

چاہے اللہ اور سب آئیں گے اس کے پاس ذلیل ہو کر اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

تو خیال کرے گا ان کو جمے ہوئے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی طرح

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا

یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے مضبوط بنایا ہر شی کو تحقیق وہ باخبر ہے جو تم

تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

کرتے ہو جو بجا لائے نیکی تو اس کے لیئے بہتری ہوگی

الگ سوراخ ہے (اور اس کے نفخ سے ہر روح اپنے متعلقہ جسم میں چلا جائے گا) اور مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا جب پہلی دفعہ نفخ ہوگا تو تمام زمین و آسمان کے ساکنین کے دل جائیں گے اور سب پر گھبراہٹ طاری ہوجائے گی جب دوسری نفخ ہوگا تو تمام ذی روح مر جائیں گے اور تیسری دفعہ نفخ ہوگا تو سب زندہ ہوکر دوبارہ محشور ہوں گے۔ اسکی تفصیل جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۱۳۴ پر آئے گی۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یہ ان کا استثناء ہے جن پر نفخ صور سے گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور وہ چار فرشتے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل اور مروی ہے کہ شہداء پر بھی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ اور اس میں انبیاء و آئمہ سب داخل ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ۔ یعنی اس دن دیکھو گے کہ پہاڑ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے یعنی جس طرح گھنے بادل جب چھائے ہوئے ہوں تو دیکھنے سے وہ چلتے معلوم نہیں ہوتے حالانکہ چل رہے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ بھی کثرت اور پھیلاؤ کی وجہ سے ساکن معلوم ہوں گے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ یعنی پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضا میں پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔

اَتْقَنَ كُلَّ۔ یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں عیب نکالنے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں پس اس کی وضع و ہیئت کو اس طرح مکمل بنایا جس کے وہ لائق تھی۔

بِالْحَسَنَةِ۔ اس سے مراد کلمہ توحید و اخلاص ہے اور بعضوں نے اس سے مراد ایمان لیا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حسنہ سے مراد ولایت علیؑ ہے اور سیئہ سے مراد اس کے دشمنوں کی تابعداری ہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنہ اہل بیتؑ کی محبت و ولایت کی معرفت ہے۔ اور سیئہ اہل بیت کا بغض اور ولایت کے انکار کا نام ہے۔

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

اس کی وجہ سے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور جو کرے بُرائی پس اوندھے منہ

فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

جائیں گے دوزخ میں (کہا جائے گا) تم کو نہیں جزا دی جاتی مگر اس کی جو تم کرتے رہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ

تھے سوائے اس کے نہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کروں اس شہر کے رب کی جس نے

الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

اس کو حرمت والا بنایا اور اس کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا۔ یہاں خیر سے مراد ہے اچھی جزا اور مِنْ تعلیلیہ ہے یعنی اس کو اچھی جزا ملے گی بوجہ ایمان وولاء آلِ محمدؐ کے لہذا یہاں خیر کو افعل التفضیل کا صیغہ قرار دینا غلط ہے کیونکہ معنی ہو جائے گا کہ اس کو جو جزا ملے گی وہ اس ایمان وولا سے بہتر ہوگی۔ حالانکہ ایمان یا کلمہ توحید واخلاص یا ولاءِ آلِ محمدؐ سے کوئی چیز اچھی نہیں ہو سکتی۔

اٰمِنُوْنَ۔ آیت بتلاتی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اہل توحید اہل ایمان وولاء محفوظ ہوں گے۔

فَكُبَّتْ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حسنہ سے مراد ہم اہل بیتؑ کی محبت ہے۔ اور سیئہ سے مراد ہمارا بغض ہے اور دوسری روایت میں جابر سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ! اگر میری اُمت روزے رکھے کہ کمزوری کی وجہ سے تانگے کی طرح ان کے جسم کمزور پڑ جائیں اور نمازیں اس قدر پڑھیں کہ کمریں ان کی جھک جائیں اور پھر تیرے ساتھ بغض رکھتے ہوں تو منہ وناک کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

حُرمتِ مکہ

اِنَّمَآ اُمِرْتُ۔ صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو گرایا تھا تو اس کی بنیادوں میں ایک پتھر دیکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا پس انہوں نے ایک پڑھے لکھے آدمی سے پڑھوایا اس کی تحریر کا مقصد یہ تھا میں اللہ مکہ کا مالک ہوں میں نے اس کو حرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین وآسمان کو خلق کیا اور میں نے اس کو ان دو پہاڑوں کے درمیان رکھا۔ اور اپنے سات فرشتے اس پر مؤکل کئے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ جس دن فتح کر کے مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کا دروازہ کھولا۔ اور کعبہ کے اندر بنی ہوئی مورتیوں کو مٹایا پس دہلیز کعبہ کو پکڑ کر فرمایا۔ خبردار! اللہ نے مکہ کو حرمت والا بنایا۔ جس دن سے آسمانوں اور زمین کو اس نے پیدا کیا۔ پس وہ اللہ کی

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا

ہوں مسلمانوں میں اور یہ کہ تلاوت کروں قرآن کی پس جو ہدایت پائے گا تو وہ ہدایت

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

پائے گا اپنی ذات کے لئے اور جو گمراہ ہو (تو ہو) پس کہدو میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا

اور کہدو حمد ہے اللہ کے لئے عنقریب دکھائیگا تم کو اپنی نشانیاں پس جان لوگے ان کو اور نہیں

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۳

تیرا رب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

حرمت سے حرمت والا رہے گا۔ قیامت تک نہ اس کے اندر شکاری جانور کو خوفزدہ کیا جائے گا۔ نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا۔ نہ اس کا لقطہ اٹھانا کسی کے لئے جائز ہے سوائے اس کے جو اس کو اس غرض سے اٹھائے کہ مالک کو تلاش کر کے واپس دے گا۔ آپؐ کے چچا عباس نے عرض کی حضورؐ! اذخر تو عام کام آنے والی چیز ہے تو آپؐ نے اس کو مستثنیٰ قرار دیدیا۔

اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ۔ یعنی میں نے قرآن مجید کے ذریعے تبلیغ کرنی ہے پس جو مان لے گا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے گا تو نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کسی کو زور سے راہ راست پر چلانا میرے عہدے میں نہیں ہے۔

والحمد للہ رب العالمین۔ پس اس مقام پر دسویں جلد ختم ہوئی اور سورۂ قصص سے گیارہویں جلد انشاء اللہ شروع ہوگی اس وقت صبح دس بجنے سے پانچ منٹ کم ہیں۔

آج بروز چہارشنبہ ۱۵ ماہ مبارک رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء، ۱۱ مگھر ۲۰۲۶ ب کو اس جلد کے مسودہ سے فارغ ہوا ہوں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھے اپنی کتاب کریم کی تفسیر کی توفیق مرحمت فرمائے اور آلِ محمدؐ کے نقش پر صحیح چلنے کی سعادت عنایت کرے اور میرے اور میرے والدین کے اور جملہ اعزاء و اقارب کے اور سب مومنین کرام خصوصاً میرے اساتذہ کے جملہ گناہان کبیرہ و صغیرہ کو دامنِ عفو میں جگہ دے اور اس تفسیر کے مطالعہ کی مومنین کرام کو ہمت عطا فرمائے نیز جملہ ایسی رکاوٹوں سے محفوظ رکھے جو اس کی اشاعت کی راہ میں حائل ہوسکیں۔ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

مومنین کرام سے دعا کی التماس ہے کہ خدا ہمیں اپنے کلام مقدس کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(دوسرا ایڈیشن ماہ مئی ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا)